ہماری ویب ای بُک

محمد شفیق احمد خان

MUHAMMAD SHAFIQ AHMED KHAN

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Muhammad Shafiq Ahmed Khan"
at Hamariweb.com

ہائے رے مہنگائی

ہفتہ واری خریداری کے لیے پہلے پہل سبزی والے کے پاس پہنچ کر آلو، پیاز، ٹماٹر، ادرک، لہسن، دھنیا، ہری مرچیں، اور دیگر سبزیات کے ریٹ معلوم کیے تو سنکر چکرا ہی گئے کہ چند ہی دنوں میں فی کلو پر دس دس روپے بڑھ چکے ہیں۔ ریٹ کے مسئلے پر سبزی والے کی طبیعت پر ہماری بحث بہت ہی ناگوار گزری اور موصوف نے ہاتھ لہرا کر ارشاد فرمایا کہ جناب ہماری سبزیوں کے ریٹ سٹاک ایکسچینج کی طرح روزانہ کے حساب سے بڑھتے ہیں، لہٰذا آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں۔ اور مزید فرمایا کہ سبزیایوں کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے اور ازلی دشمن کو سبزیات کی ایکسپورٹ بھی سے بھی لنک ہے۔

خیر جناب سبزی والے سے فراغت کے بعد پرچون والے کے پاس پہنچے تو دالیں، بیسن، چینی، پتی، آٹا، گھی، دودھ وغیرہ کے ریٹ بھی ساتویں آسمان پر تھے، وجہ یہاں بھی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ بتایا گیا۔ اب باری تھی بڑے گوشت والے قصائی کی کہ اسکے ریٹ میں فی کلو پچاس روپے اضافہ ہو چکا تھا اور وہ کئی گاہکوں کو پٹرولیم مصنوعات کو قیمتوں میں اضافے کا سبب گردان کر مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ایک بڑے میاں تو پوچھ ہی بیٹھے کہ

میاں کیا گائے بھینس پٹرول اور ڈیزل سے چلتی ہے۔ چھوٹے گوشت والے کی طرف اسلیے نہ جاسکے کہ وہ ایک عام آدمی کی پہنچ سے ویسے ہی اتنا دور ہوتا ہے جتنا کہ زمین سے چندا ماموں۔ غریب آدمی تو صرف بقر عید پر ہی اس عنقا چیز کا دیدار کر پاتا ہے، یا پھر کہیں غلطی سے کوئی عقیقے وغیرہ کا بھیج دے۔ مرغی کا گوشت جو کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے ہم نے دس اور بیس روپے کلو خریدا تھا اسکا ریٹ دو سو بیس روپے سن کر، مرغی والے کو مرغی کے کپڑے اتارنے میں مصروف پا کر کان دبا کر فوراً ہی واپس پلٹ آئے۔ اب جناب باری تھی فروٹ والے کی طرف جانے کی۔ کیلا، دس روپے اضافی درجن، کینو بیس روپے کلو پر مہنگا، سب سے زیادہ مہنگا گولڈن سیب تھا جو کہ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے یا امارت جھاڑنے کو لے لیتے تھے مگر اب کی بار اس کی سونا اور چاندی سے ملتی جلتی قیمت یعنی ڈیڑھ سو روپے کلو سنکر ہی تراہ نکل گیا، لینا تو دور کی بات تھی۔ ویسے چند ماہ پہلے آلو ساٹھ روپے اور سیب پچاس روپے کلو تھا، اور ہم نے بیگم کو مشورہ دیا تھا کہ سالن میں آلو کی بجائے سیب ہی ڈال لو۔ مگر بیگم کا موصولہ جواب یہاں قابلِ لیکھت نہیں ہے۔ فروٹ والوں نے بھی مہنگائی کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے پٹرولیم مصنوعات کو ہی بتایا۔ آس پاس نظر دوڑائی تو یوں لگا کہ جیسے کلو چیز خریدنے والا بھی شرما شرما کر پاؤ پاؤ لے رہا ہے، اور اگر مہنگائی اسی تناسب سے بڑھتی رہی تو لگتا ہے لوگ ماشے اور رتی میں چیزیں خریدا کریں گے یا پھر گھر میں شوروم میں سجا کر صرف

دیکھا کریں گے۔ بہرحال ! پورے بازار میں صرف خربوزہ ہی واحد اکیلا دکیلا فروٹ نظر آیا جو کہ ہماری جیب پر گراں نہیں گزر رہا تھا، لہٰذا اس ہفتہ واری فروٹ ڈے پر بچوں کو خربوزے کی ایک ایک قاش پر ٹرخانے کا سوچ کر ایک دانہ خرید ہی لیا۔ تھوڑا دور چلے تو ایک مجمع سا نظر آیا، خیال آیا کہ شاید مداری والے دوبارہ وارد ہونا شروع ہو گئے ہیں، یا پھر کوئی طاقت کی دوا بیچنے والا ہوگا، مگر قریب جا کر پتہ چلا کہ ہوٹل والے نے ایک خان صاحب سے روٹی کے زیادہ پیسے چارج کر لیے تھے اور اس تنازع میں دونوں گتھم گتھا ہیں۔ ابا اور اماں کے پان چھالیہ کے لیے پان سگریٹ والے کے پاس پہنچے تو حیرانگی ہوئی کہ پچاس روپے میں چند روز پہلے جتنے پان چھالیہ آتے تھے اب آدھے آئے۔ امپورٹ ہونے کے باوجود پنواڑی صاحب نے بھی مذکورہ وجہ بتا کر جان چھڑائی۔ جنرل اسٹور پر سے شیمپو، صابن، ٹوتھ پیسٹ اور بیگم کے سرخی پاؤڈر وغیرہ کے دام پوچھے تو بتایا گیا کہ ریٹ تقریباً دس سے پندرہ فیصد بڑھ چکے ہیں لہٰذا فوراً لے لیں، ہو سکتا ہے کل نئے ریٹ آ جائیں۔ ہم نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف بیگم کے سرخی پاؤڈر خرید لیے، کیونکہ ان چیزوں کے بنا گھر میں داخلہ ممنوع ہو سکتا تھا۔

دواؤں کے لیے میڈیکل اسٹور سے صرف قیمتیں پوچھنے پر ہی گزارہ کیا کہ تمام دوائیں تیس چالیس فیصد بڑھنے سے بچوں کیا اب بڑوں کی پہنچ سے بھی اتنا دور

ہو چکی ہیں جتنا کہ پاکستان سے امریکہ۔ سرکاری ہسپتال جسے کبھی حقیر فقیر سمجھا تھا، ڈاکٹروں کی بڑھتی فیسوں کی وجہ سے اب آغا خان ہسپتال لگنے لگے ہیں، لہٰذا سب کو صائب مشورہ ہے کہ وہیں جایا کریں ہر مرض کی ایک ہی سی دوا فری ملتی ہے۔ چلتے چلتے خیال آیا کہ بچوں کو وین میں ٹھونس ٹھانس کر اسکول والوں کے حوالے کرنے والا درجن بھر ماہ میں آدھا درجن بار کرایہ بڑھا کر دوبارہ تقاضا کر رہا تھا اور اسکول والے بھی ہر ماہ بچوں کے ہاتھ ایک پھرا بھجوا رہے ہیں کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر، نہ چاہتے ہوئے بھی اسکول کی فیسوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ راہ چلتے ایک عدد فقیر سے ٹاکرا ہو گیا، موصوف نے چھوٹتے ہی دو یا پانچ نہیں پورے پچاس روپے ایسے ڈھٹائی سے مانگے جیسے ہم نے اسکا ادھار دینا ہو، اور ساتھ احسان بھی جتایا کہ کم نہ دینا ورنہ دعا کی بجائے بد دعا دے دونگا۔ فقیر سے نمٹ کر بیگم کا دوپٹہ رنگوانے رنگسار کے پاس پہنچے تو بیچارہ کئی ایک خواتین سے ریٹ کے معاملے پر جھگڑنے میں مصروف تھا اور ہم سے بھی فی ڈوپٹہ دس کے بجائے پندرہ روپے جھاڑ لیے۔ ہم نے بحث اسلیے نہ کی کہ رنگسار کو قفیں ٹونگ کر پہلے خواتین سے لڑتا دیکھ چکے تھے۔ پاس ہی کاج اور اوور لاک والے کی دکان سے بھی قیمت کے معاملے پر کئی خواتین کے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بچوں کے اسکول کے جوتے اور کپڑے والے کی دکان پر پہنچے تو جو جوتے چند ماہ پہلے سو روپے میں لیے تھے اب دو سو کے ہو چکے تھے اور دکاندار نے بحث کرنے

پر تڑی بھی لگا دی کہ لینے ہیں تو لو ورنہ اپنا راستہ ناپو۔ یوں کپڑوں اور جوتوں کے پیسوں میں صرف جوتے ہی لے پائے۔ واپسی گھر جانے کے لیے ویگن میں سوار ہوئے تو کرایہ بڑھ چکا تھا، بہت تکرار کی کہ ابھی ہم دس روپے میں آئے تھے تو اب پندرہ روپے کیوں؟، کنڈکٹر نے کرایہ لیکر چلتی ویگن سے دھکا دیکر نیچے اتار دیا۔

خیر! جیسے تیسے آدھا سامان لیکر گھر پہنچے تو کچھ سر پھٹے مہمان گھر میں فراش تھے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ راستے میں آتے ہوئے بس والے سے کرایہ کے معاملے پر پھڈا کر بیٹھے تھے، اسلیے اس حال کو پہنچے۔ یوں دس روزہ مہمانوں کی خاطر مدارت کے ساتھ روزانہ مرہم پٹی کا خرچہ بھی اٹھانا پڑا، اور مہمان رحمت کی بجائے زحمت اور عذاب بن گئے کہ ماہانہ بجلی، گیس، ٹیلی فون کے بلوں کے لیے رکھی گئی تمام رقم ان مہمانانِ گرامی پر خرچ ہو چکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں بڑے صاحبزادے موصوف ہاتھ پر پٹی بندھے وارد ہوئے تو پتہ چلا کہ سپورٹس کی دکان پر گیند بلا کے ریٹ بڑھنے پر ہیرو بن کر جوش میں آ گئے تھے اور یوں معاملہ اس نہج پر پہنچ چلا کہ ہاتھ کی ہڈی کی قربانی دینا پڑی اور میاں کو جیب کٹوانے کی قربانی دینی پڑی۔ بیگم کی انکوائری الگ بھگتی کہ پچھلے ماہ تو اتنے پیسوں میں پورے ماہ کا راشن آیا تھا اس بار صرف پندرہ دن کا کیوں؟ باقی کے پندرہ دن کہاں سے کھائیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور

ساتھ میں اپنے عزیز و اقارب کے ہاں ہونے والی چار عدد شادیوں کے کارڈ بھی تھما دیے کہ انہیں بھگتانے کا بھی بندوبست کریں، سو دو سو سے کام نہیں چلیگا، کم از کم ہزار پانچ سو روپے تو لازمی ہوں گے، بچوں کے اور میرے کپڑے لتے علیحدہ ہیں۔ ہم اس نیک بخت کو اب کیا بتاتے کہ باہر مہنگائی سے تنگ لوگ اپنے جگر گوشوں اور جسمانی اعضاء تک کو بیچنے پر مجبور ہیں۔ مگر یہ خواتین کہاں مانتی ہیں، اپنی پھنی ناک کٹنے کے ڈر سے بڑھ چڑھ کر میاں کا خرچہ کروا دیتی ہیں۔

تو جناب مہنگائی کا اور ہمارا اب جنم جنم کا ساتھ ہوگیا ہے۔ کم از کم ہمارے اس جنم میں یہ ختم نہیں ہونے والی۔ لہٰذا روز روز خون سڑانے سے بہتر ہے کہ اس سے سمجھوتہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اسلام آباد کی بھینسوں کے آگے بجائے گئے اب تلک کے تمام بین اسلیے رائیگاں گئے کہ وہاں صرف اندھی، گونگی، لولی لنگڑی اور بہری بھینسیں بستی ہیں۔

ہیپی ویلنٹائن ڈے

مغرب کی دیگر بہت سی خرافات کی طرح ہمارے ہاں بھی ویلینٹائن ڈے (یعنی پیار محبت کرنے کا سالانہ دن) منانے کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ اس دن کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ لال گلاب (محبت کی نشانی) کی مناسبت سے ہر چیز کو لالو لال کردیا جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں ہر دلہن کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ سوہا جوڑا، سوہی چوڑیاں، سوہا پراندہ، سوہی جرابیں، سوہا رومال، سوہا ناڑا غرضیکہ ہر چیز ہی سوہی یعنی لال پائے (پہنے) ۔ اور اس زمانے کے محبوب اپنی محبوبہ کو اپنا نامہ بر اپنے لال خونِ جگر سے لکھ کر لال لفافے میں ڈال کر، لال خون کے چھٹے مار کر، لال رومال میں ولیٹ کر کسی بچے وچے کو ایک آنہ دیکر اپنی محبوبہ تک پہنچواتے تھے۔ پرانی ایک روایت آج بھی زندہ ہے کہ نئے دولہا دلہن کی مایوں بٹھانا ہو کہ مہندی لگانے کو لانا ہو، لال دوپٹے کے سائے میں ہی لایا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں تو لگتا ہے کہ ویلینٹائن ڈے پر ہر چیز لال کرنے کا فارمولا انگریزوں نے ہماری انہی پرانی روایات سے مستعار لیا ہے۔

تاہم پرانے زمانے کے برعکس ویلینٹائن ڈے کے علاوہ آجکل کی لڑکیاں بالیاں، عورتیں اور دلہنیں لال رنگ کی کوئی بھی چیز پہننا پسند نہیں فرماتیں، مگر بھلا ہووے انگریزاں دا کہ انہوں نے سال میں ایک دن ایسا رکھ دیا کہ ہر لال چیز پسند ہو کر پرانی روایات کو زندہ و

تابندہ کر دیتی ہے۔

ویلینٹائن ڈے آتے ہی بازاروں میں لال رنگ کی چیزوں کی بھر مار ہو جاتی ہے اور عاشق، معشوق ایک دوسرے کو نت نئے لال گفٹ دینے کے لیے باؤلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کسی معشوقہ کا چوری چھپے گفٹ خریدتے اگر اپنے جیسی کسی چھوکری سے سر بازار ٹاکرا ہو جائے تو دونوں ہی ایک دوسرے سے شرمندہ سا ہو کر بہانہ بنا دیتی ہیں کہ آنٹی کے بیٹے کی بسم اللہ کا گفٹ لے رہی ہوں، دوسری کہے گی ہاں میں نے بھی چچا کے بیٹے کے بیٹے کی ختنہ کا گفٹ خریدنا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال۔ ایک بار ایک انپڑھ عاشق نے اپنی ناراض معشوقہ کو کوریئر سے ایک گفٹ بھجوایا، اور انگریزی میں پتہ اور لکھ بیٹھا اب گفٹ معشوقہ کی بجائے اسکی اماں .Mrs کے بجائے Miss نام کے ساتھ نے وصول کر لیا اور گفٹ آئٹم برآمد ہوئے تو پہلے تو بہت خوش ہوئیں کئی بار اپنے آپ کو آئینے پے جا کر بھی دیکھا کہ کیا میں ریشماں کی طرح میں دوبارہ جوان تو نہیں ہو گئی؟ مگر جب گفٹ میں موجود ناقابلِ بیان تحریر پر نظر پڑی تو اماں بیچاری پانی پانی Hamid کو Javed Son of Hamid ہو گئیں۔ اسی طرح ایک انپڑھ معشوقہ نے لکھ دیا اور گفٹ عاشق کے بجائے اس کے ابا جان کے ہتھے چڑھ گیا۔ Son of Javed ابا بھی پہلے تو خوش ہو کر کافی دیر تک اپنی چندیا سہلاتے رہے مگر جب انہوں نے پیار بھرا، جذباتی اور نازیبا الفاظ پر مشتمل معشوقہ کا تحریر کردہ نامہ

بر پڑھا تو انکے ہاتھوں کے بال کھڑے ہو کر گواہی دینے لگے انکا اپنا منڈا جوان ہو چکا ہے۔ اور بیٹے صاحب کو گفٹ دیتے وقت دونوں ہی کی نظریں زمین میں سوراخ کر رہی تھیں۔

اسی طرح ایک کمپنی کے پچپن سالہ باس کو عشق معشوقی کا شوق چرایا اور ویلینٹائن ڈے پر ایک عدد گفٹ اپنی سیکریٹری کو دے ڈالا۔ مگر اس پر لکھنے کی کچھ ہمت نہ ہوئی۔ وہ بیچاری اس خوش فہمی میں رہی کہ انہیں ابا کی عمر کے باس نے بیٹی سمجھ کر ویسے ہی گفٹ نہ دے دیا ہو، مگر ساتھ میں بیچاری کو شام کو پیزا ہٹ میں کھانے اور شاپنگ کی دعوت ملی تو چنے کی دال میں کچھ کالا چنا نظر آیا، لڑکی چالاک تھی، سمجھ گئی اور پچپن میں بچپن کے شوق چرانے پر باس کی چندیا چمکا کر داعِ مفارقت دے گئی۔ اور ایک لونڈا محبت کا مارا بیچارہ ہاتھ میں لال گلاب پکڑے کالج کے باہر۔۔۔۔۔ اپنی انکا منتظر تھا کہ پٹھان چوکیدار نے پھول چوری کے اقدام میں تھانے میں ڈھکوا دیا۔

تو بھائیوں ! تمام انسانوں کی طرح مولویوں کا دل بھی پیار محبت سے لبریز ہوتا ہے۔ ایک مولوی صاحب کی ناراض معشوقہ نے ویلینٹائن ڈے پر گفٹ دینے کا انوکھا طریقہ اپنایا کہ سوجی کے حلوے میں میں زردے کا لال رنگ ملا کر اچھی طرح پکا کر اوپر میوہ جات چھڑک، دل کی شکل کے چاندی کے ورق لگا کر، تھوڑا

سا جمال گھوٹا ملا کر اپنے عاشق مولوی صاحب کو انہی کے ایک شاگرد کے ہاتھ بھیج دیا۔ مولوی صاحب گفٹ میں حلوا پا کر خوشی خوشی فوراً ہڑپ کر گئے۔ اسکے بعد وہی ہوا جو کچھ پچھلے دنوں ہمارے نامور علماء حضرات کے ساتھ اسلام آباد میں حلوہ کھانے کے بعد ہوا تھا، یعنی پہلے لیٹرین کے چکر، پھر ہسپتال کے چکر میں گھن چکر۔

ویلینٹائن ڈے پر عاشق اور معشوق ایک دوسرے سے اظہارِ محبت کے لیے عموماً دل کی شکل میں بنی اشیاء بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگ دل میں لگائے تیر والی شکل کے گفٹ زیادہ پسند کرتے ہیں اور دل سے ٹپکتے خون کو دیکھ کر لگتا ہے کہ جیسے دل بھی ویلینٹائن ڈے کی خوشی میں خون کے آنسو رو رہا ہو۔ بہر حال! آجکل کے ایڈوانس دور میں کچھ جوڑے تو روز ہی رات بھر کانوں میں موبائل فون کی ٹونٹیاں لگائے ویلینٹائن ڈے منا رہے ہوتے ہیں تو کچھ شرارتی قسم کے جوڑے ایسے موقع پر کچھ دلکھری ٹائپ کے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں، مثلاً: ایک ڈاکٹر صاحب کو انکی معشوقہ نے گفٹ کے اندر تھرمامیٹر، اسٹیتھوسکوپ، اور بیٹری بھیج دی۔ وکیل صاحب کی معشوقہ نے درجن بھر کیس کی فائلیں اور کالی ٹائیاں بھجوا دیں۔ اور ایک انجینئرز صاحب کو معشوقہ کی طرف سے گفٹ میں ہیلمٹ اور کچھ ڈرائنگ پائی گئیں۔ اسی طرح ایک سبزی والے نے اپنی معشوقہ کو اور کچھ نہ ملا تو بینگن اور بھنڈی بھجوا دی۔ قصائی صاحب نے اپنی معشوقہ کو

گائے کے سچی مچی کے دل پر اپنا نام لکھ کر بھجوا دیا اگلے روز معشوقہ اگلے جہاں سدھار گئی۔ اسی طرح ایک مرغی والے نے مرغی کے پائے پیک کر کے اپنی معشوقہ کو بھجوا دیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ایک خان صاحب نے تو حد کر دی کہ نسوار کی ڈبی پیک کر کے اوپر شعر لکھ دیا کہ:

میری طرف سے ویلینٹائن ڈے مبارک ہو جانِ من ۔۔۔ کہ بس میرے پاس ہے یہی تحفہ برائے ویلینٹائن ڈے۔

پیار، محبت اور چاہت کے اس انداز کو اگر ناپا جائے تو کہا جاتا ہے کہ جاپانی لڑکیاں پیار محبت میں بہت جذباتی ہوتی ہیں اور اپنے بندے کا سدا ساتھ نبھاتی ہیں۔ اور ویلینٹائن ڈے پر دیے گئے تحائف انکے دل کی سچی عکاسی کرتے ہیں۔ مگر یورپی ممالک میں ویلینٹائن ڈے پر گفٹ کے تبادلے مشکوک نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں عاشق اپنی اپنی معشوقاؤں کی کلائیاں بڑی کَس کے پکڑتے ہیں کہ کہیں چھوڑ کر نہ بھاگ جائے، لیکن بیچارے خوش فہمی میں ہی رہتے ہیں کیونکہ جونہی محبوبہ کا نشہ اترتا ہے، وہ فوراً بائے کہہ کر دوسرے بوائے فرینڈ کو ہائے کر کے اسکے ساتھ رفو چکر ہو چکی ہوتی ہے۔

ایک غریب مزدور دس بچوں کے باپ کو ملائی پر کائی یا کائی پر ملائی جمانے کی

سوجھی، یعنی ویلینٹائن ڈے منانے کا شوق چرایا، بیچارا مہنگے گجرے، ہار اور پھول تو نہ لے سکا البتہ پاؤ بھر پھول کی پتیاں لیکر بیگم کے حضور پیش کر دیں، جو کہ پہلے ہی درجن بھر بچوں کے کام نمٹا نمٹا کر تپی بیٹھی تھی، جل کر بولی کہ کیا کروں ان پتیوں کا، میاں نے لاکھ سمجھایا کہ بیگم آج پیار محبت سے باتیں کرنے کا دن ہے، مگر بیگم صاحبہ فوراً گھی کا خالی ڈبہ ہاتھ میں تھما کر کہا کہ پہلے سالن کے لیے گھی لا کر دو، بچوں کو روٹی کیا ان پھولوں کی پتیوں سے کھلاؤں؟ بلکہ اور تنک کر بولی کہ ان گلاب کی پتیوں کو سنبھال کر رکھ لو میری تربت پر ڈالنے کے کام آئیں گی۔

تمام ویلینٹائن ڈے منانے کے شوقین حضرات سے گزارش ہے کہ فرنگیوں کی نقل میں صرف 14 فروری کو ہی پیار محبت کا دن نہ سمجھیں بلکہ زندگی کے ہر دن کو اپنی پوری فیملی کے ساتھ ہنس کھیل کر، چاہت اور پیار محبت سے گزاریں۔ شکریہ۔

ہائے بیچارا، ڈپریشن کا مارا-ریمنڈ ڈیوس

لاہور میں دو پاکستانیوں کے قتل میں ملوث امریکی سی آئی اے اور بلیک واٹر کے ایجنٹ ریمنڈ ڈیوس کا کیس ابھی پاکستانی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ تاہم امریکہ نے شروع دن سے ہی اسکی رہائی کے لیے کان کھانا شروع کر دیے تھے اور پاکستان پر دن بدن مزید پریشر اور دباؤ بڑھانے کے ساتھ ساتھ اسکی رہائی کے عوض اربوں ڈالر کی امداد کی بھی پیشکش کی گئی ہے۔ (اسکا صاف مطلب یہ ہے ہم نے بہت بڑا مرغا پکڑا ہے)۔ امریکی سینٹر جان کیری صاحب بنفسِ نفیس اس قاتل کی رہائی کے لیے یہ سوچ کر پاکستان تشریف لائے کہ بس میں جاواں گا تے بندہ چک کے لے آواں گا۔ مگر افسوس کہ انکی یہ خواہش ناتمام رہی۔ حالانکہ امریکہ میں انکی اپنی بیٹی شراب پی کر گاڑی چلاتی ہے تو جرمانے سے نہیں بچ پاتی، مگر وہ یہاں ایک قاتل کو بچانے پہنچ جاتے ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریمنڈ ڈیوس ایک عام آدمی نہیں بلکہ حلقہِ خواص میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ ایجنٹ پکڑا گیا ہے، عوام کی دلچسپی دیکھ کر روزانہ اخبارات نے بھی کئی کئی صفحات اسی کی خبروں سے کالے کرنے شروع کیے ہوئے ہیں۔ خبریں یہ تک بتا رہی ہیں کہ موصوف نسوار کے رسیا ہیں، کئی زبانیں جانتے ہیں اور جب سے ڈھکے گئے ہیں ڈر کے مارے نہائے نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ چھی چھی چھی۔ کیا امریکی اتنے گندے بھی ہوتے

ہیں؟

اعلیٰ حکام کے دباؤ پر راتوں کو دفاتر کھلوا کر ایمرجنسی میں بغیر تفتیش اور انکوائری کے غیر ملکیوں کو تھوک کے حساب سے یوں پلیٹ میں رکھ کر وینزے پیش ہونگے تو پاکستان ایسے ہی لوگوں کی آماجگاہ بن جائیگا۔ ابھی تو ایک ریمنڈ ڈیوس پکڑا گیا ہے، نہ جانے اور کتنے ریمنڈ ڈیوس ادھر ادھر اپنے مخصوص کاموں میں مشغول ہونگے؟۔ حیرت کی بات یہ کہ ہمارے خارجہ اور داخلہ محکموں نے اس مجرم کو چھوڑنے کے لیے استثناء کے تما م کاغذات راتوں رات الہ دین کے چراغ سے تیار کرانے کی کوشش کی تاکہ موصوف رہا ہو کر آرام سے وی آئی پی سیٹ پر بیٹھ کر اپنے دیس سدھارے۔ لیکن باشعور پاکستانی عوام نے اس ظالم کے خلاف متحد ہو کر آواز بلند کر کے تمام حکومتی منصوبے ناکام بنا دیے۔ دوسری طرف سیاستدانوں نے گزشتہ ہر ایشو کی طرح اس ایشو کو بھی وفاق اور پنجاب کے درمیان ایشو بنا کر نمبر بڑھانے گھٹانے کی ناکام کوشش کی اور استثنا ہونے یا نہ ہونے کا شور شرابہ اور بحث و مباحثہ تو ابھی تک جاری و ساری ہے۔ ہمارے کچھ لکھاری حضرات نے بھی رائے عامہ ہموار کرنے اور حکومت وقت کو اس مشکل گھڑی سے نکالنے کے لیے محترم جناب ریمنڈ ڈیوس صاحب جیسے لوگوں کو پاکستان کے لیے معزز اور باعثِ رحمت ثابت کرنے کے لیے اپنے قلم گھسانے شروع کر دیے ہیں۔ امید ہے کہ باشعور پاکستانی عوام انکے جھانسے یا نرغے میں

نہیں آ ئیگی۔

اس ایجنٹ سے روزانہ قونصلیٹ اور ایمبیسی کے لوگ ملاقاتیں کر رہے ہیں، دلاسے دے رہے ہیں، چاکلیٹ، اچھے کھانے اور برگر شرگر کھلائے جارہے ہیں، امریکہ میں گھر والوں سے باتیں اور ملاقاتیں کرائی جارہی ہیں، خطوط کا تبادلہ ہورہا ہے، کمپیوٹر اور یو ایس بی کی سہولیات بھی مہیا ہیں۔اور تو اور موصوف کو جیل میں ڈیپریشن سے بچنے کے لیے کنسلٹنٹ کی سہولیات بھی فراہم کر دی گئیں جو انکے ساتھ نو گوٹی اور لوڈو وغیرہ کھیل رہی ہیں اور رہائی کے دلاسے بھی دے رہی ہیں۔ساتھ ساتھ محکمہ جیل اور امریکی سفارتخانہ کی تردیدیں بھی چل رہی ہیں، جیسے ہر خبر کے بعد ایوانِ صدر سے تردید لازمی ہوتی ہے، یا جیسے میڈونا ہر نئی شادی کے بعد تردید کرتی ہے۔ موصوف کو اتنی بہت سی سہولیات ہونے کے باوجود مزید وی آی پی سہولیات کا مطالبہ کیا جارہے ہے، جبکہ وہ ایک قاتل ہے، تو وی آئی پی سہولیات کس لیے ؟کیا ہم پاکستانیوں کا خون اتنا ارزاں ہے کہ کوئی قتل بھی کر دے، استثناء بھی مانگے اور ساتھ وی آئی پی پروٹوکول بھی؟؟کیا کوئی پاکستانی امریکہ میں اس طرح کی سہولیات کا تصور کر سکتا ہے ؟ یا پاکستان میں پاکستانی قیدی ایسی سہولیات سے مستفید ہو سکتا ہے ؟۔گوانتانا موبے اور ابو غریب جیل میں امریکی اہلکاروں کے قیدیوں پر ڈھائے گئے ہٹلری مظالم دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسری

طرف امریکہ اپنے ایک شہری کو پھول تک مارنے کی اجازت نہیں دے رہا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستانی پولیس کو فری ہینڈ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے روایتی انداز میں چھترول کرکے اس سے تفتیش کرتی اور یہ اپنی اصلیت بھی اگلتا اور ساتھ ساتھ شیر کو ہاتھی اور ہاتھی کو شیر بھی گردانتا۔ مزید یہ کہ سپیشل باورچی اور سپیشل کھانوں کی بجائے اسے بھی جیل کی مونگ مسری کی پتلی پیچھ دال یا کالا بھجنگ آلو گوشت ریت ملی آٹے کی روٹی کے ساتھ دیا جاتا تاکہ اسکے چودہ کے بجائے اٹھائیس طبق روشن ہوتے۔ دوسری طرف ایک پاکستانی بیٹی عافیہ صدیقی ہے، عرصہ دراز سے جسکی شکل دیکھنے کو بھی اسکے گھر والے ترسے ہوئے ہیں، اور امریکہ میں پاکستانی سفیر کو بھی اس سے ملاقات کے لیے ہفتوں بعد اجازت نامہ جاری ہوا تھا۔ اس بیچاری پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی داستان سے تو تمام پاکستانی آگاہ ہی ہیں۔ ایک اور کھلا تضاد دیکھیے کہ ریمنڈ ڈیوس کو چھڑانے کے لیے امریکہ کے صدر تک تڑیاں لگا رہے ہیں، جبکہ ہمارے غیرت مند حکمران اس بیچاری کو اچھوت سمجھتے ہوئے اس کا نام تک لینا بھی گوارا نہیں کرتے کہ کہیں زبان گندی نہ ہو جائے اور بڑے صاحب بھی برا نہ مان جائیں!۔ ویسے کبھی کبھی تو ہمیں ریمنڈ ڈیوس کے امریکی ہونے پر رشک سا آتا ہے کہ قاتل ہوتے ہوئے بھی اتنی عیش۔ سوچتے ہیں کہ ہم بھی امریکن نیشنلٹی نہ لینے کی قسم بس اب توڑ ہی دیں!

سابق وزیرِ خارجہ جو کہ تین سال تک ڈرون حملوں میں سینکڑوں پاکستانیوں کی ہلاکت پر خاموش تھے ، وزارت ہاتھ سے جاتی دیکھ کر آجکل ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ انکے اور میڈیا کی دوسری خبریں چھپّر پھاڑ کر یہ بات ثابت کر چکی ہیں کہ ریمنڈ ڈیوس گنگا پوتر نہیں بلکہ ایک سی آئی اے اور بلیک واٹر ایجنٹ ہے اور اسے سفارتی استثنا وغیرہ حاصل نہیں، تاہم اگر ہو بھی تو قاتل اِز قاتل۔ پاکستان کو اس قاتل کو کسی صورت بھی بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہیے، ایک بار اسے ضرور پٹھا لٹکائیں تاکہ اسے اپنے تمام مرحومین بشمول نانی اور دادی ضرور یاد آجائیں ۔ مقتولین کے لواحقین سے بھی نکی جی گزارش ہے کہ وہ غیرت مند پاکستانی ہونے کے ناطے کسی صورت بھی خون بہا لیکر یہ قتل معاف نہ کریں، ورنہ ہمیں امریکیوں سے پھر یہ بات سننے کو ملیگی کہ پاکستانی پیسے کے عوض اپنی ماں کو بھی بیچ دیتے ہیں !۔ پوری پاکستانی قوم آپکے ساتھ ہے۔

ایک اور خبر کے مطابق حکومت اپنی جان چھڑانے اور کیس کو چیونگم کی طرح کھینچنے کے لیے عالمی عدالتِ انصاف میں لے جانے اور اسکی بے دخلی کا بھی سوچ رہی ہے ۔ یہ کیس تو پہلے ہی پاکستانی عدالت میں زیرِ سماعت ہے ۔ قاتل بھی یہیں ہے، مقتول بھی یہیں، پوری قوم اسکی گواہ، عدالتیں آزاد تو یہ کیس عالمی عدالت انصاف میں کس لیے ؟؟۔ عالمی عدالت انصاف میں تو ملکوں کے درمیان عالمی سطح کے تصفیہ طلب امور لیجائے جاتے ہیں، نہ کہ دن دہاڑے سرِ

عام قتل کے کیس۔ مزید یہ کہ قاتل بے دخل اور ناپسندیدہ شخصیت کیوں؟ اگر ریمنڈ ڈیوس کی شخصیت کے بارے میں ہی پوچھنا ہے تو جن کے مرے ہیں انسے پوچھیں جو انصاف نہ ملنے پر خودکشیاں کر رہے ہیں۔ حکومت سے گزارش ہے کہ اس کیس کو پاکستان میں ہی فائنل کرکے عوام کی امنگوں اور خواہشوں کے عین مطابق اس مجرم کو حقیقی معنوں میں سزا دلوائے۔ تاکہ آئندہ کسی غیر ملکی کو پاکستانی عوام کے ساتھ اس طرح کی حرکت کرنے کی ہمت نہ ہو۔

للو میاں بارش میں

پاکستان میں آجکل بارشوں کا بھی واری وٹہ شروع ہوگیا ہے۔ کبھی اس علاقے میں بارش تو کبھی اس علاقے میں بارش۔ کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کے لوگوں سے اللہ پاک ایسے راضی ہوتے ہیں کہ سارا سال بارش۔ جبکہ کچھ علاقوں میں یہ ایسی عنقا ہوئی ہے کہ لوگ اسکا نام بھی ایسے بھولتے جارہے ہیں، جیسے ہمارے ہاں عوام سیاستدانوں کی برائیاں ہر الیکشن میں بھول جاتے ہیں۔ اور اگر کبھی غلطی سے اس علاقے میں بارش ہو بھی جائے تو خوشی میں بارش میں ایسے رج کر نہاتے ہیں کہ بعض دفعہ کپڑے پہننا تک بھی بھول جاتے ہیں۔ 2010 میں تو اللہ پاک نے اتنی بارش سے نوازا کہ پورا پاکستان ہی جل تھل ہو کر سمندر اور دریا کا منظر پیش کر رہا تھا اور پاکستان بھر میں اربوں روپوں کا نقصان ہوا۔ اللہ پاک اپنی رحمت دے مگر عافیت کے ساتھ۔ بہرحال ! ایک بارش کے دوران ہمارے للو میاں پر کیا گزری آیئے دیکھتے ہیں۔

دن بھر کے کام کاج کی مار دھاڑ اور صاحب لوگوں کی ڈانٹ ڈپٹ کھانے کے بعد بیچارے للو میاں دفتر سے نکلے تو باہر خلاف توقع آسمان کچھ ابر آلود سا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ بارش کسی وقت بھی برس سکتی ہے۔ ابھی للو میاں بیگم کے

بتائے ہوئے دفتر سے واپسی کے کام مثلاً، کشیدہ کاری والے سے بیگم کی قمیض اٹھانی ہے، رنگساز سے دوپٹہ لینا ہے، پیکو والے پائنچے بنوانے، منے کی نیکر کی لاسٹک لینی ہے، بچوں کی ٹافیاں، پرچون کا سامان، سرخی پوڈر وغیرہ وغیرہ کی لسٹ پڑھ ہی رہے تھے کہ اتنے میں تڑتڑ زور دار بارش شروع ہو گئی۔ للو میاں نے جلدی جلدی سامان کی لسٹ، اس سے پہلے کہ گیلی ہوتی جیب میں ڈالنے کی ناکام سی کوشش کی مگر ایک تیز ہوا کا جھونکا اسے کٹی پتنگ کی طرح اڑا کر رفو چکر ہو گیا۔ للو میاں نے لپک لپک کر شادی بیاہ میں پیسے لوٹنے کے سے انداز میں اسے پکڑنے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ اسی اثنا میں ایک تیز رفتار منی بس زگ زیگ کرتی ہوئی پاس سے گزری اور للو میاں کی شرٹ پر بارش اور گٹر کے پانی کے مکسچر کے مختلف نقش و نگار بناتی ہوئی گزر گئی۔ ابھی وہ اس ناگہانی آفت کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ انکی بس آ گئی جس میں تل دھرنے کی جگہ تو نہ تھی البتہ گیٹ کے پاس پاؤں رکھنے کی جگہ پا کر وہ بھی اس انسانی ڈربے میں سما ہی گئے۔ بس میں خاصا رش تھا، اور دھکم پیل بھی عروج پر تھی، اور کوئی بھی مسافر بیچارے للو میاں کو انکی شرٹ سے پھوٹنے والی پیاری سی سمیل کی وجہ سے اپنے قریب برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ہر بندہ پاسا مار کر انہیں دوسرے کی طرف پارسل کر رہا تھا اور انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے بس میں موجود ہر آدمی بس انہیں ہی پریس کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ بس کے مسافروں کے ظلم و ستم سہہ کر للو میاں اپنے سٹاپ پر اترے تو کپڑوں کی

اچھی خاصی تتر پتر ہو چکی تھی۔

اپنے محلے میں پہنچے تو اپنی گلی ہی نہ پہچان سکے کہ تمام گلیاں اٹلی کے شہر وینس کی گلیوں کا نقشہ پیش کر رہی تھیں جہاں کہ پورا شہر ہی ہر وقت پانی میں ڈوبا رہتا ہے، ہر گلی میں تین تین فٹ پانی کھڑا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے 2011 کا سیلاب آگیا ہو۔ اب اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ پانی میں سے تیر کر ہی گزرا جائے۔ کچھ سوچ و بچار کے بعد للو میاں نے جوتے اور جرابیں اتار کر ہاتھ میں پکڑے، پینٹ کو گھٹنوں تک ٹونگا اسی سیلابی پانی میں سے گھر کی جانب رواں دواں ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ ایک صاحب بڑی تیزی سے پانی میں اسکیٹنگ کرتے ہوئے موٹر سائیکل پر قریب سے گزرے، للو میاں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح انکی بچت ہو جائے، مگر

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب ہوش بحال ہوئے تو وہ سر تا پاؤں گٹر اور بارش کے پانی کے مکسچر میں نہا چکے تھے۔ موٹر سائیکل والے کو اسکے چلے جانے کے بعد چند صلواتیں سناتے ہوئے تھوڑا سا آگے گئے تو وہاں نالی تھی جو کہ ظاہر ہے پانی کی وجہ سے نظر نہیں آئی اور پاؤں سیدھا نالی کے اندر گھڑپ۔ اب مسئلہ یہ کہ پاؤں کیسے نکالیں کہ ایک ہاتھ میں جوتے اور دوسرے میں ہینڈ بیگ۔ ابھی للو میں بیچارے یہ سوچ و بچار کر ہی رہے تھے کہ انکی یہ مشکل ایک اور موٹر سائیکل سوار نے اسطرح آسان کی کہ انکا دستی بیگ چھینا اور تیزی سے نا معلوم سمت میں رفو چکر ہو گیا، اور

للو میاں ہکا بکا دیکھتے رہ گئے۔ للو میاں نے بڑی آہ وزاری اور چیخ و پکار کی کہ شاید کوئی انکی مدد کو آئے مگر ایسا لگتا تھا کہ سب لوگ گھروں میں پکوڑے اور گلگلے کھانے میں مصروف ہیں، لہٰذا کوئی انکی مدد کو باہر نہ آیا۔ بہرحال ! اسطرح انکا ایک ہاتھ تو خالی ہوگیا مگر پھر وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ بیگ میں موجود بیگم کے سودا سلف کے لیے دیے گئے پیسوں کا کیا بنے گا؟ خیر ! جیسے ہی وہ اپنا نالی میں پھنسے پاؤں نکالنے کے لیے تھوڑا سے نیچے جھکے تو جیب میں موجود کرایہ کے بچے پیسے اور دیگر کاغذات باہر نکل کر پانی میں یوں تیرنے لگے جیسے کاغذ کی کشتیاں پانی میں تیر رہی ہوں۔ ابھی وہ ان پیسوں کو پکڑنے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ گلی کے چند شرارتی بچے پیسے پیسے کرتے اچانک گھروں سے نمودار ہوئے اور پل بھر میں بہتے روپے لوٹ کر یہ جا وہ جا۔ للو میاں پھر بیچارے حیرت سے ان کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔ بچوں کے روپوں کی اس چھینا جھپٹی کے دوران انکا گندے پانی کا ادھورا غسل بھی مکمل ہو چکا تھا۔ تھوڑا سا آگے چلے تو اگلی گلی میں لوگوں کی کچھ آمد و رفت نظر آئی۔ تاہم بارش کے پانی اور کیچڑ سے بنی مخدوش حالت دیکھ کر لوگوں نے آوازیں کسنا شروع کر دیں۔ کوئی کہتا کہ پاگل ہے، کوئی کہتا کہ تیرنا سیکھ رہا ہے، کسی نے کہا کہ انہیں گھر سے مار کوٹ کر نکال دیا گیا ہے، کسی نے بھپتی کسی کہ یہ وہی ہے جو رات کو محلے میں روٹیاں مانگتا ہے، کسی نے آواز لگائی کہ یار دیکھنا کہیں کوئی جاسوس یا خود کش بمبار نہ ہو ! وغیرہ وغیرہ۔

پر للو میاں نے سب کی سنی ان سنی کر دی کہ انہیں صرف جلد از جلد گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

گرتے پڑتے بلآخر گھر کے دروازے پر پہنچ ہی گئے۔ بچوں نے للوں میاں کی شکل دیکھتے ہی ابا آ گئے، ابا آ گئے کا سونگ محلے والوں کو سنانا شروع کر دیا۔ للو میاں نے دیکھا کہ گھر کے تمام افراد خانہ ہاتھوں میں بالٹی، لوٹا، گھی کے خالی ڈبے، اور ڈونگہ وغیرہ لیے بارش کا پانی گھر سے نکالنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ کیونکہ پانی گھر کے لیول کو کراس کر چکا تھا اور گھوم پر کر دوبارہ گھر میں داخل ہو جاتا تھا۔ کمروں کی چھتیں جگہ جگہ سے ٹپک کر نیچے رکھے گئے برتنوں میں گر کر راگ بھیروی، راگ درباری اور دیگر تمام ممنوعہ راگ سنا رہی تھیں۔ کچن کا آدھا سامان مثلاً دیگچی، جگ، گلاس، دودھ کی بالٹی، پتیلہ وغیرہ سب کمروں میں جگہ جگہ چھت سے ٹپکتے پانی کو جمع کرنے کے لیے ایسے سجے ہوئے تھے جیسے کہ گھر میں برتنوں کا جمعہ بازار لگا ہو۔ تمام چارپائیاں اور بیڈ گھٹنوں تک گیلی ہو چکی تھیں۔ فرنیچر وغیرہ بھی خرچہ بڑھوانے کا کام کر چکے تھے اور کپڑوں کے ٹرنک (بیگم کے ابا کی آخری اور واحد نشانی) بھی آدے آدھے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ للو میاں نے گھر کی حالت دیکھی تو ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ بیگم جو کہ بچوں کے ہمراہ بارش کا پانی نکال نکال کر بد حال ہو چکی تھیں، گھر میں داخل ہوتے ہی انکی کی

خونخوار نظریں للو میاں کے جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔
اس سے پہلے کہ للو میاں بیگم کا سامنا کرتے، تمام بچے بھاگ کر للو میاں سے ایسے چپک گئے جیسے شہد کی مکھیاں چھتے پر یا جیسے ریوڑیاں تقسیم کرنے والے کو لوگ چپک جاتے ہیں۔ کسی کا ہاتھ پینٹ کی جیب میں تھا تو کسی کا شرٹ کی جیب میں، جو کہ اپنی اپنی فرمائش کردہ چیزیں مثلاً چپس، چیونگم، سلانٹی، ٹافیاں اور چاکلیٹ وغیرہ کی تلاش میں کوشاں تھے۔ شرٹ اور پینٹ جو کہ پہلے ہی بارش کے پانی کے مختلف ادوار سے گزر کر بودی ہو چکی تھی، بچوں کی تلاش اشیاء کی وجہ سے آخرکار تار تار ہو گئی، لیکن بچوں بیچاروں کو اپنا گوہرِ مراد یعنی کھانے کی کوئی بھی شے نہ مل سکی۔ بیگم جنکا غصہ، اپنی دی گئی لسٹ کے مطابق اشیاء نہ آنے، کپڑوں کا نقصان کرنے، دستی بیگ، اور پیسے گم ہو جانے پر سدرتہ المنتہی پر تھا، بجائے اسکے کہ تھکے ترٹے میاں کا حال چال پوچھتیں، چائے پانی دیتیں، یا پکوڑے، گلگلے بنا کر کھلاتیں، انہوں نے ڈانٹ کھلانی اور پلانی شروع کر دی اور تمام سوالات مثلاً: پینٹ، شرٹ کہاں خراب ہوئی، جیب کہاں کٹی، دستی بیگ کہاں کھسوایا، رنگساز سے جو میرا دوپٹہ لانا تھا اسکا کیا بنا، وغیرہ وغیرہ، ایک ساتھ ہی داغ دیے۔ مگر للو میاں بیچارے کے پاس کوئی جواب ہوتا تو دیتے نہ۔ چپکے سے کان دبا کر بارش سے بچے ایک کونے میں گئے، چادر اوڑھی اور لمبی تان کر سو گئے۔۔۔

لوٹے ٹھاہ

لوٹے کا نام آتے ہیں ذہن میں فوراً واش روم گھوم جاتا ہے۔ گھومنا بھی چاہیے کہ اس کے بغیر واش روم میں آپکا کام جو ادھورا ہے۔ آپ واش روم جائیں اور لوٹا نظر نہ آئے تو آپ فوراً گھر والی پر چلانا شروع کر دیتے ہیں اور اسکی یہی اہمیت اسے ممتاز کرتی ہے۔ جدید دور کے مطابق آجکل تو واش روم میں لوٹے بھی واش روم کی ٹائلوں کے کلر کے ساتھ میچ کر کے رکھے جاتے ہیں تاکہ خوشنما لگیں۔ پہلے پہل لوٹا مٹی کا بنا ہوتا تھا، پھر پیتل، پھر سلور اور اب پلاسٹک کے خوشنما کلرز میں دستیاب ہے۔ لوٹے سے بہت سی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، مثلاً: کوئی آکڑوں بیٹھا نظر آئے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ اینوں لوٹا دیو۔ یعنی اسے لوٹا دے دو۔ باتھ روم میں نہیں لوٹا تو گھر تیرا کھوٹا۔ کچھ عامل حضرات بھی اپنے الٹے سیدھے کاموں کے لیے لوٹا گھما دیتے ہیں ، کسی کا محبوب دوسرے کا ہو جائے تو لوٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ یہ لوٹا بیچارہ ہر جگہ بد نام ہے۔ اگرچہ یہ لوٹا ہمارے بہت کام کی چیز ہے مگر انگریزوں نے اس کی بدنامگی کو پہلے سے محسوس کرتے ہوئے اس کا استعمال قبل از صدی ہی ترک کر کے اسے اپنے واش روم سے بے دخل کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اب یہ لوگ دوسرے ذرائع استعمال کرتے ہیں۔؟؟ اور بعض دفعہ بغیر کوئی ذریعہ استعمال کیے ضروری فراغت

کے بعد ایویں ہی واش روم سے باہر آ جاتے ہیں۔

ویسے تو لوٹا ایک بہت ہی اچھی اور کام کی چیز ہے، تاہم اگر بیچارہ کوئی سیاستدان ضرورت ایجاد کی ماں کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے، اپنے حلقے میں ترقیاتی کاموں کے لیے فنڈ لینے کے لیے حکومت سے مل جائے یا پارٹی بدل لے تو اسے بدنام کرکے لوٹا لوٹا کے نعرے شروع کرکے لوگ اسکا جینا حرام کر دیتے ہیں اور یوں سیاست بدنام ہو جاتی ہے (منی بدنام کی طرح)۔ ایک بار ایک پبلک واش روم میں جانا ہوا تو لوٹے پر ق لیگ لکھا پایا تو دل کو بہت رنج ہوا کہ ہمارے اتنے اچھے اچھے باریش، پیارے پیارے قابلِ احترم سیاستدان کیا اب باتھ روم کے قابل ہو گئے ہیں؟۔ ویسے بھلا ہو الیکشن کمیشن کا کہ فلور کراسنگ پر پابندی لگا کر سیاستدانوں کو لوٹا ہو کر ذلیل ہونے سے بچالیا۔ مگر یہ لوگ باز پھر بھی نہیں آتے اور فارورڈ بلاک، ہم خیال، یونیفیکیشن بلاک اور حقیقی گروپ وغیرہ کے سے نعروں اور گروپوں میں بٹ کر پھر سے لوٹا گیری شروع کر دیتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک خاتون ایم پی اے لوٹی ہو گئی تھی، بہت ہنسی آئی کہ یار لوٹا تو سمجھ میں آتا ہے، یہ لوٹی کیا چیز ہوئی کہ ہمیں اردو کی کسی ڈکشنری میں اسکا ترجمہ نہ ملا؟ ویسے جسطرح آجکل عوام باشعور ہو رہے ہیں اور میڈیا لوٹوں کے کرتوت سامنے لا رہا ہے، ہمیں ان بیچارے سیاسی لوٹوں کا مستقبل تاریک ہوتا نظر آ رہا ہے۔ پچھلی چند حکومتوں

میں یہ لوٹے عوام کو کھوٹے سمجھتے ہوئے جس کھرلی میں اچھا چارہ نظر آتا تھا وہیں منہ مارنا شروع کر دیتے تھے، تاہم عوام کے باشعور ہونے اور کچھ عدلیہ کے بولڈ فیصلوں کی وجہ سے یہ لوگ ایک ہی کھونٹے سے بندھے رہنے پر مجبور رہے۔ تاہم آجکل یہ لوگ پھر رسہ تڑا کر بھاگنے کے چکر میں ہیں، تاہم ہوتا یہ ہے کہ رسہ چھڑا کر بھاگنے والا جس کسی کے ہاتھ لگے اسی کا ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اسمیں خواتین بھی شامل ہیں!۔

گھر میں لوٹے ختم ہونے پر بیگم نے للو میاں کو درجن بھر لوٹے لانے کا آرڈر دے دیا۔ للوم میاں نے حیرانگی سے پوچھا کہ بیگم کیا لوٹوں کا صدقہ دینا ہے؟، تو چڑ کر بولیں کہ نہیں جی دونوں باتھ روم کے لوٹے خراب ہیں، کائی جمی پڑی ہے، وہ بدلنے ہیں۔ دو لوٹے ایمرجنسی کے لیے، اور دو چھوٹے لوٹے بچوں کے لیے تاکہ انہیں لوٹا اٹھانے میں آسانی رہے۔ للو میاں نے پوچھا کہ بچوں کی بات تو سمجھ میں آ گئی یہ ایمرجنسی کے لوٹے کی بات سمجھ میں نہیں آئی، تو بولیں کہ میرے ابا آجائیں تو بڑی تنگی ہوتی ہے کہ انہیں دوسروں کے لوٹوں کو استعمال کرنا اچھا نہیں لگتا۔ للو میاں نے کہا کہ بھئی بیگم اگر ایسی بات ہے تو وہ اپنا لوٹا گھر سے ساتھ لے آیا کریں۔ اسپر بیگم ناراض ہو گئیں۔ (پھر اگلے دس روز تک روٹی سالن میں نمک تیز پایا گیا)۔ پھر جب دوسرے ایمرجنسی لوٹے کے بارے میں دریافت کیا تو بولیں کہ میرے بھائی بہن جب بھی

بمعہ درجن بھر بچوں کے مہینہ بھر رہنے کو آتے ہیں تو لوٹوں کا مسئلہ رہتا ہے، لہٰذا کچھ بچے باتھ روم کی لائن میں لگنے سے بچنے کے لیے لوٹا لیکر گلی میں چلتی نالی پر بیٹھ کر فراغت حاصل کر لیتے ہیں اسلیے منگا رہی ہوں۔ پھر للو میاں کو پوری بات سمجھ میں آئی اور وہ پھر سے بیگم کی ذہانت کے قائل ہوگئے۔

للو میاں گھر سے لوٹے خریدنے کا قصد کرکے نکلے تو راستے میں ایک دوست مل گئے پوچھا تو بتایا کہ ہم لوٹے لینے جارہے ہیں۔ دوست بڑے خوش اور حیران ہوئے، پوچھا کہ آپ کب سے اتنے امیر کبیر ہوگئے کہ لوٹے خریدنے لگے؟ اور مزید پوچھا کہ لوٹے خریدنے بس سے جارہے ہیں، ہوائی جہاز سے یا گاڑی سے؟ اور یہ کہ اتنے روپے لیکر اکیلے جارہے ہیں، کسی کو ساتھ لیتے جائیں۔ آخر 350 کروڑ روپے کوئی کم تو نہیں ہوتے۔ للو میاں بڑے حیران ہوئے کہ یہ لوٹوں کا بس، گاڑی، ہوائی جہاز اور 350 کروڑ سے کیا تعلق؟ اس سے پہلے کہ للو میاں کوئی سوال داغتے دوست نے مزید پوچھا کہ بھیا بکنگ وغیرہ کرالی ہے یا یوں ہی خوار ہوتے جاؤ گے بس یا گاڑی میں؟ للو میاں انکی بات پھر بھی نہ سمجھ سکے۔ اور وہ دوست انکی سادگی پر ہنس رہے تھے کہ کتنے بھولے ہیں کہ انہیں دورِ جدید کے نوٹوں کے لیے بنے لوٹوں کے بارے میں ہی نہیں معلوم! ۔ بہرحال! دوست صاحب سے مزید تفتیش پر پتہ چلا کہ موصوف دراصل یہ سمجھ رہے

تھے کہ للو میاں شاید اسلام آباد اور لاہور کے سیاسی لوٹے خریدنے جا رہے ہیں۔
خیر جناب ! للو میاں نے بازار میں دکاندار سے اپنی آمد کا قصد بیان کیا تو موصوف بہت خوش ہوئے۔ بولے کہ لوٹا پیتل کا ہو، سلور کا ہو، مٹی کا ہو، پلاسٹک کا ہو، چائنا کو ہو یا پاکستانی، ہلکا یا بھاری، کم قیمت یا اعلیٰ کوالٹی کا۔ اتنے سارے سوالات سنکر للو میاں تو بوکھلا ہی گئے اور دکاندار سے کہا کہ بھیا ہمیں سیدھا سادھا پلاسٹک کا سستا سا لوٹا دکھائیں نہ کہ مہنگا والا۔ دکاندار نے پھر پوچھا کہ بھئی دو کلو والا یا تین کلو والا۔ للو میاں نہ سمجھے کہ اس دو اور تین کلو سے کیا مطلب ؟۔ پھر اسنے سمجھایا کہ چھوٹے بچے عموماً چھوٹا دو کلو پانی والا لوٹا استعمال کرتے ہیں اور بڑوں کو فراغت کے لیے بڑے یعنی تین کلو والے لوٹے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لوٹے پسند کرنے کے بعد قیمت پوچھی تو جان ہی نکل گئی کہ ایک لوٹا پچاس روپے کا۔ یعنی چھ لوٹے تین سو روپے کے۔ للو میاں نے بڑی مشکل سے دو سو روپے دیکر جان چھڑائی۔ گھر آتے ہی دو لوٹے تو بچوں نے فوراً قابو کر لیے اور باتھ روم میں اپنی اپنی جگہ پر سجا دیے اور ایک دوسرے کو تڑی لگا کر سختی سے منع بھی کر دیا کہ خبردار جو میرے لوٹے کو ہاتھ لگایا تو۔

اگر ہم سیاسی لوٹے اور گھریلو لوٹے کا موازنہ کریں تو بہت سی متضاد چیزیں نظر آتی ہیں مثلاً: گھریلو لوٹے کی قیمت صرف ایک بار دی جاتی ہے، جبکہ سیاسی لوٹے ہر چار پانچ سال بعد بکنے لگ جاتے ہیں۔ گھریلو لوٹا اتنا وفادار ہوتا ہے کہ جہاں رکھ دو وہیں پڑا رہتا ہے، مگر سیاسی لوٹا کبھی کسی کا وفادار نہیں ہوتا، جس نے زیادہ نوٹ دکھائے ووٹ اسی کو دیتا ہے۔ گھریلو لوٹا ایک سے زیادہ لوگ استعمال کرتے ہیں، مگر سیاسی لوٹا بکنے کے بعد اگلی بولی تک صرف ایک ہی کے کام آتا ہے۔ گھریلو لوٹے میں اگر زیادہ پانی ڈالو تو باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے، سیاسی لوٹے میں جو کچھ بھی ڈال دو پتہ نہیں چلتا کہ کہاں گیا۔ گھریلو لوٹا بیچارہ شرافت اور سادگی کی عمدہ مثال کہ جہاں رکھ دیا وہیں پڑا رہا، جبکہ سیاسی لوٹے عیاری، مکاری، چالاکی، خود غرضی، دھوکہ دہی، فراڈ اور لوٹ مار کرنے میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ گھریلو لوٹے مختلف کلر اور اور ماڈل میں دستیاب ہوتے ہیں، جبکہ تمام سیاسی لوٹوں کی کھال ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ گھریلو لوٹا بے زبان ہوتا ہے، سیاسی لوٹے کی گز بھر زبان اردو اور انگریزی کے علاوہ سب کچھ بولتی ہے۔ اسکول میں استاد نے بچوں سے پوچھا کہ سب سے اچھے اور مہنگے لوٹے کہاں پائے جاتے ہیں۔ بچوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ اسلام آباد اور لاہور میں ! استاد نے کہا کہ لوٹے کو جملے میں استعمال کرو۔ ایک بچے نے لکھا کہ ؛؛ میں ہر روز ٹی وی پر نت نئے لوٹے دیکھتا ہوں؛؛! استاد صاحب جو کہ صبح سے لوٹے کے بارے میں پڑھا

پڑھا کر تھک چکے تھے، غصے میں آ کر بچے کو لوٹا بنا کر پاؤں سے اسکی درگت بنانا شروع کر دی اور اسوقت تک حجامت کرتے رہے جب تلک بچے نے یہ نہ کہا کہ ؟؟ میں صبح، شام باتھ روم میں لوٹا استعمال کرتا ہوں؟؟ !۔

آجکل سیاسی لوٹوں کی اہمیت کے ساتھ ساتھ لوڈ شیڈنگ کے زمانے میں اس اصلی لوٹے کی اہمیت اور بھی دو چند ہو گئی ہے کہ بجلی نہ ہو تو نلکے سے پانی کے دو چار لوٹے بھر کر واش روم میں ایڈوانس میں رکھ لیے جاتے ہیں، تاکہ فراغت میں آسانی رہے۔تاہم اگر آپ بھی انگریزوں کی طرح اس لوٹے سے گلو خلاصی چاہتے ہیں تو اپنے واش روم کو انگریزوں کی طرح جدید بنوا کر اور دیگر دوسرے ذرائع استعمال میں لا کر اس سے خلاصی حاصل کر سکتے ہیں؟؟۔تاہم سیاسی لوٹوں سے چھٹکارا پانا بہت مشکل کام ہے کہ یہ ہم عوام کو آئے روز نت نئی سیاسی چالوں اور سیاسی کرتبوں میں الجھا کر اپنا کام جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔

بچہ ٹیکس

واہ رے پاکستان کی قسمت، دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند کے مصداق سرکار اپنی ناتمام اور ناکارہ کوششوں کے باوجود ملک کے مختلف مسائل مثلاً: بیروزگاری، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ اور دہشت گردی پر تو قابو نہ پا سکی ،انشاپردازان حکومت کو اندھے کی طرح اندھیرے میں دور کی کوڑی سوجھی کہ کہیں لوگ اس مستقل لوڈ شیڈنگ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر دھڑا دھڑ بچے پیدا کرنا نہ شروع کر دیں ،کچھ عرصہ پہلے موجودہ حکومت کی طرف سے یہ شوشا چھوڑا گیا تھا کہ جی ملک میں دو سے زائید بچوں پر پٹرول کے کاربن ٹیکس یا دیگر اشیاء پر جی ایس ٹی کی طرح ،، بچہ ٹیکس ،، لگا دیا جائے ، جس سے کہ سرکار کو خاطر خواہ آمدنی ہو سکتی ہے۔

مذکورہ خبر بچوں کی ٹیم بنانے کے شوقین حضرات کے ارمانوں پر پہلے اوس اور پھر مٹی پا گئی ۔ وہ کسی شاعر کے ایک شعر کا دوسرا مصرعہ ہے نہ کہ ،، جب کوئی کام نہ ہو تو اپنے کپڑے پھاڑ کر خود ہی سیا کر ،، کے مصداق لگتا ہے کہ حکومت کے پاس بھی کرنے کو کوئی کام نہیں ہے کہ جو اسطرح کے شوشے چھوڑے جا رہے ہیں۔ وہ یہ بھی بھول رہی کہ اسکی ایک ٹانگ تو پہلے ہی دہشت گردی ، بیروزگاری، مہنگائی لوڈ شیڈنگ، سرائیکی صوبے، بابر اعوان اور ذوالفقار مرزا

کے الٹے سیدھے بیانات کے مسئلہ میں پھنسی ہوئی ہے اوپر سے ایک اور نیا شوشہ چھوڑ کر وہ اپنی دوسری ٹانگ بھی پھنسانا چاہتی ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے کہ کہیں یہ بھی اس طرح کا شوشہ ہی نہ ہو جیسا کہ ایک بار شیخ رشید صاحب نے جماعت اسلامی کو چڑھانے کے لیے آنجہانی مائیکل جیکسن کو پاکستان لا کر شو کرانے کے لیے چھوڑا تھا۔

بہرحال! بیشک یہ شوشہ ہی سہی ہے بہت ہی برا شوشہ کہ اس فیصلے سے صرف اور صرف مانع حمل ادویات بنانے والی فیکٹریوں کی ہوگی چاندی باقی سب مندی۔ سنا ہے کہ وزارت صنعت کے پاس مذکورہ فیکٹریوں کی پرمیشن کے لیے درخواستوں کہ لمبی لائن لگی ہوئی ہے اور لگتا ہے کہ حکومت سوات کی صنعتیں بند ہونے کے ہرجانے کے طور پر اس صنعت کو فروغ دینا چاہتی ہے تاکہ نقصان کا ازالہ ہوسکے۔ ویسے یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ان ادویات کے استعمال سے خواتین کچھ فربہی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، اگر ایسا ہے تو پھر تو سلمنگ سینٹر والوں کا سر اور تمام انگلیاں کڑاہی میں ہونگی اور انہاں دی تے موجاں ای موجاں تے بلے بلے۔

ہمارے خیال میں مذکورہ فیصلے کے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ مثلاً ان ڈاکٹر حضرات کا کیا بنے گا جو کہ ہر وقت خواتین کی چیر پھاڑ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں، یعنی بچہ بذریعہ بڑے آپریشن اور جگہ جگہ کھلے زچہ بچہ ہیلتھ سینٹر، نرسنگ ہومز وغیرہ وغیرہ جہاں پر ہوم کو الیفائڈ دائیاں اور

ھیلتھ ورکرز گھریلو چھری کانٹے اور عام بلیڈ سے آپریشن جیسے مشکل ترین کارہائے نمایاں بخیر و خوبی سرانجام دے رہی ہیں۔ اسکے علاوہ پری آپریشن اور پوسٹ آپریشن ادویات بنانے والے ، ملٹی وٹامن، فولک ایسڈ، اور خاص طور پر اچار بنانے والی کمپنیوں کا کیا بنے گا کالیا جو کہ پریگننسی کا لازمی جزوہ ہے۔ خاص طور پر شکار پور والے تو بے روزگاری کا شکار ہو سکتے ہیں ۔ اسکے علاوہ یہ کہ بچے کم ہونگے تو لولی پاپ، چیونگم، ٹافی ، بسکٹ، چپس، سلانٹی اور کھلونے کم استعمال ہونگے اور نتیجتاً گند مند مٹیریل سے بنی ان اشیاء کے بنانے والی فیکٹریاں بند ہونے سے بیروزگاری بڑھے گی، جس سے کہ ملک میں انارکی پیدا ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ جگہ جگہ کھمبیوں کی طرح اگے پرائیوٹ سکولوں کا کیا ہوگا جہاں ہر میٹرک پاس لڑکی ہزار دو ہزار میں بطور ٹیچر کھپ جاتی ہے ۔ اور ہمارے سرحدی بھائی جو کہ پولیو کے قطرے کو بھی ممنوع جانتے ہیں ، بجلی کا بل بھی مرضی سے ادا کرتے ہیں تو اس ٹیکس کو تو وہ کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔ ویسے بھی انکے ہاں تو بچے گن کر پیدا کرنے کا تصور ہی نہیں ہے۔ جب تلک دس بارہ بچے نہ بنالیں، بس نہیں کرتے۔ اگر کثیر لاولادی کی وجوہات کی بناپر ناموں کا قحط پڑ جائے تو کوئی بھی نام جو ذہن میں آجائے رکھ دیا جاتا ہے مثلاً شراب خان، انگور خان، پستہ خان وغیرہ وغیرہ ۔ اسکے علاوہ وہ حضرات جو کہ بیٹے کے چکر میں بیویاں اور بیٹیاں بڑھاتے رہتے ہیں، ان بیچاروں کو تو پھر میڈونا اور انجلینا جولی کی طرح

دوسروں کے بچے گود لینے پڑیں گے۔اسطرح خاندانی نسل چلنے اور وراثت کے مسائل بھی درپیش ہونگے۔

کہتے ہیں کہ ہمسایہ دوست ملک چین میں دو سے زائد بچے پیدا کرنے پر اتنی سختی ہے کہ لوگ بچے دیکھنے کو ہی ترس جاتے ہیں۔ اگر کہیں اتفاق سے انہیں کوئی بچہ نظر آ بھی جائے تو جیسا کہ کہاوت ہے نہ کہ: ،، بھیڑوں کے گھر بچہ جما تو انہوں نے چوم چوم کر مار دیا،، والا حال کر دیتے ہیں۔ لہٰذا خبردار! کبھی اپنے چھوٹے بچوں کو ساتھ لیکر کبھی چین نہ جایئے گا ورنہ چَین پانے کے بجائے بچوں کی طرف سے بے چین ہو کر بِچین سے چھی چھی کرتے لوٹیں گے!

ہمارے محلے میں ایک صاحب (جو کہ اب مرحوم ہو چکے ہیں) خیر سے انکے 19 بچے ہیں، اور وہ کئی بار اپنے تمام بچوں کے نام صحیح نہ بتانے پر شرط ہار جاتے تھے۔ ایک اور صاحب جنکے ابا نے انکی شادی خانہ آبادی بوجوہ آوارگی جلد کر دی تھی، انکے ماشاءاللہ اب درجن بھر بچے ہیں اور وہ دیکھنے میں اپنے بچوں کے بھائی لگتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اتنے بچے پیدا کر چکے ہیں انپر کیا قانون لاگو ہوگا۔؟ ویسے مذہبی نقطہ نظر سے بھی یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے، اور سرکار اپنے خلاف مذہبی جماعتوں کی طرف سے بہت سے اور بکسوں کی طرح ایک اور پنڈورا بکس کھلوا سکتی ہے۔ بقول ہمارے ایک مولوی دوست کے کہ جی ہر بندہ

اپنا رزق ساتھ لیکر آتا ہے۔ تو سرکار کو اتنی چنتا کیوں۔؟ ہمارے ایک اور واقف کار ہیں جنھیں چھوٹے بچوں سے کھیلنا اور انکے ناز نخرے اٹھانا بہت اچھا لگتا ہے۔ پچھلے دس سال سے وہ آخری پیس کے چکر میں اپنی اولاد میں آدھا درجن پسران و دختران کا اضافہ کر چکے ہیں اور ہر بار یہی کہتے ہیں کہ بس یہ آخری سمپل ہے، تو ان بیچارے کی تو ساری کمائی ہی اس ٹیکس کی نظر ہو جائے گی۔

ایک اور مسئلہ حل طلب یہ ہے کہ سرکار نے یہ کلیئر نہیں کیا کہ صرف ایک بیوی سے دو بچے یا کچھ اور؟؟ اگر ایک بیوی سے صرف دو بچے الاؤ ہیں تو پھر بچوں کے شوقین تو روز نئی شادی کے بھی شوقین بن جائیں گے۔ یوں ملک میں لڑکیوں کا بھی قحط پڑ سکتا ہے۔ نتیجتاً شادی کے لیے لڑکیاں بھی امپورٹ کرنی پڑ سکتی ہیں اور یوں زرِ مبادلہ کا نقصان۔ ہمیں تو پہلے ہی شعیب ملک کی ثانیہ مرزا بہت مہنگی یعنی کروڑوں میں پڑی ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو پاکستانی کہلوانا پسند نہیں کرتیں۔ مزید یہ کہ ہمارے تو بہت سے اسمبلیوں کے ممبران اور معزز مولوی حضرات بھی زائد بچگان اور زائد بیویان کے اس کام میں گوڈے گوڈے ملوث پائے جاتے ہیں، کیا ان پر کوئی ہاتھ ڈال سکے گا؟ مزید یہ کہ سرکار آجکل اپنے تمام فیصلوں پر ریورس گیئر لگا رہی ہے، تو کہیں یہ فیصلہ بھی مکمل یا آدھا واپس نہ ہو جائے۔؟

ویسے اگر بنظر غائر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس فیصلے کے پیچھے بھی صہیونی سازش اور امریکا یا ہندوستان کا ہاتھ نظر آتا ہے (ہر معاملے میں ایسا ہی جو ہوتا ہے) کیونکہ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ امت مسلمہ کے نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور وہ انکے خلاف کسی ممکنہ جنگ میں حصہ لے سکیں۔ لہٰذا اس سازش کو کھوجنے کے لیے جلد ایک اعلی سطحی کمیشن تشکیل دے دینا چاہیے، جو کہ اس مسئلہ پر غور وخوض کرکے اپنی سفارشات کم از کم ایک سال کے اندر ضرور پیش کرے۔ ایک سال اس لیے کہ اگر ایک سال سے پہلے سفارشات مرتب کر دی گئیں تو شاید لوگ جلد بازی کہہ کر رد نہ کر دیں۔ ویسے اگر حکومت چاہے تو اس بچہ ٹیکس کے پنگے میں پڑنے کے بجائے اور دیگر بہت سے طریقوں سے مال جمع کر سکتی ہے مثلاً: موٹے پیٹ والوں اور والیوں پر ٹیکس، گنجے سر والوں (والیاں نہیں ہوتیں) پر ٹیکس، کالے مرد اور خواتین پر ٹیکس، لڑکی کو چھیڑنے پر ٹیکس، ایک سے زائد شادی پر ٹیکس، ہیل والی جوتی پر ٹیکس، بیوی پٹائی ٹیکس، خواتین کے پسندیدہ سٹار پلس کے ڈراموں پر ٹیکس، خواتین کی زبان درازی اور زیادہ بولنے پر ٹیکس، خواتین کی تھریڈنگ کرانے پر ٹیکس اور سیاستدانوں کے سچ بولنے پر ٹیکس سیاستدانوں کے وعیدے وفا کرنے پر ٹیکس، اور سیاستدانوں کے روزانہ جھوٹ، عیاری، مکاری، فریب کاری سے بھرپور نیا دھانسو قسم کا بیان دینے پر بھی ٹیکس لگا دے۔ وغیرہ وغیرہ کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟

بہرحال ! میری حکومت سے گزارش ہے کہ اس نا قابل عمل فیصلہ کو لاگو کرنے سے پہلے اسکے ہر ہر پہلو پر اتنا اتنا غور و خوض کرے بلکہ چاہے تو اس کام کے لیے بھی ایک کمیٹی بنا دے کیونکہ ہمارے ہاں کام کو بگاڑنے اور لمبا کرنے کے لیے ہمیشہ کمیٹیاں بنادی جاتی ہیں کہ غور و خوض کا ہی تراہ نکل جائے۔ کیونکہ اگر یہ قانون ایک بار لاگو ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصہ بعد ہمیں آلو پیاز، ٹماٹر اور دیگر تمام اشیاء کی طرح بچے بھی امپورٹ نہ کرنے پڑ جائیں۔

کم عمر لڑکی سے شادی کے فوائد

ایک تحقیق کے مطابق اپنے سے پندرہ سال کم عمر لڑکی سے شادی کرنے سے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور اسکی صحت اچھی رہتی ہے۔ جب سے یہ خبر مارکیٹ میں آئی ہے تب سے تمام بتیسی نکالے، کٹوارے، رنڈوے، بیمار، لاغر، چمکتی چندیا والے اور موٹے پیٹ والے حضرات بھی گرلز پرائمری اسکول کے باہر پھرتے گھرتے نظر آتے ہیں، اور باپ صاحب بیٹے کے سر پر سہرا سجانے یا بیٹیاں بیاہنے کی بجائے اپنا سہرا دہرانے کے گھن چکر میں پڑ گئے ہوتے ہیں تاکہ گری ہوئی صحت بحال ہو سکے۔ اس تلاش بسیار برائے لڑکی چھوٹی عمر میں ان شوقین حضرات کو اگر کبھی کچھ ایذا رسانی یا چھوٹی موٹی سنگ باری سے بھی گزرنا پڑے تو یہ تمام درد ہنس ہنس کر سہ جاتے ہیں۔ ویسے یار اگر چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرنے سے ہی صحت اچھی رہتی ہے تو پھر مختلف امراض کے ڈاکٹر اور حکماء حضرات کی کیا ضرورت؟ جس کی جتنی زیادہ شدید بیماری ہو اسکی اتنی ہی کم عمر کی لڑکی یا لڑکیوں سے شادی رچا دی جائے، بیماریاں غائب، بندہ صحت مند اور عمر طویل۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ یوں ڈاکٹر حضرات دوا دارو کے ساتھ ساتھ شادیوں والا کام بھی شروع کر دیں گے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسکی ہونے والی چاند سی دلہن کم عمر اور خوبصورت ہو، مگر مذکورہ خبر پڑھنے کے بعد تو

لگتا ہے کہ وہ اپنے چندیا چمکے بیٹے کی لیے پرائمری کلاس کی لڑکی ہی ڈھونڈ تی پھرے گی اور ظاہر ہے کہ لڑکے کی خواہش بھی کچھ ایسی ویسی ہی سی ہو گی۔

آپ تصور کریں کہ ایک پچاس سالہ بوڑھا بابا ایک پندرہ سالہ لڑکی یعنی بیوی بغل میں داب کر ساتھ مٹر گشت پر ہو تو کیسا لگے گا؟ لوگ دیکھ کر یہی کہیں گے نہ کہ ابا بیٹی ساتھ جا رہے ہیں۔ یا یہ کہ کیا قسمت ہے یار! یا پھر لنگور کی بغل میں حور! یا بڑے میاں دیوانے! یا منہ میں نہیں دانت، پیٹ میں نہیں آنت اور لیے چلے راکھی ساونت یا ملکہ شراوت! یا یہ کہ کیا جوے میں جیتی؟ یا یہ کہ کتنے میں خریدی، وغیرہ وغیرہ۔ کبھی کبھی کچھ منچلے کچھ نازیبا الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں مگر بڑے میاں نہ تو جواب دے سکتے ہیں اور ہی انکے پیچھے مارنے کو دوڑ سکتے ہیں کیونکہ اس عمر میں تو چلنا ہی محال ہوتا ہے، کسی کے پیچھے بھاگنا تو دور کی بات ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے میاں کی کم عمر دلہن کوئی چھین کر لیجاتا ہے اور پھر کہیں غلطی سے برآمدگی کے لیے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو نکاح نامہ ہونے کے باوجود بھی ثابت نہیں کر پائیں گے کہ وہ حقیقی میاں بیوی ہیں؟۔ ویسے عرب حضرات کی طویل العمری اور صحت کا راز بھی ہمیں اب سمجھ میں آیا کہ وہ ہر وقت کیوں ایک سے زیادہ اور کم عمر لڑکی سے شادی کے چکر میں رہتے ہیں۔ ویسے ہمارے اپنے ملک میں بھی ابھی تلک کچھ باہے حضرات اس شوق میں مبتلا پائے جاتے ہیں اور اس

لائن میں ایک مشہور سیاستدان بطور خاص قابلِ ذکر ہیں جنکی آخری زوجہ محترمہ انکی اپنی بیٹی سے بھی چھوٹی ہیں اور انکی صحت راز یوگا کے علاوہ شاید کم عمر کی لڑکیوں سے شادی کرنا بھی ہو۔ ویسے آپ یہ ٹرائی مت ماریے گا کیونکہ یہ ہر ایرے غیرے یا نتھو خیرے کا کام نہیں؟ زیادہ تر لوگ یہ کارنامہ سرانجام دیکر توبہ توبہ کرتے اور کانوں کو ہاتھ لگاتے نظر آتے ہیں، پتہ نہیں کیوں ؟؟؟؟؟

آجکل آن لائن شادیوں کا بھی بڑا چکر چلا ہوا ہے۔ دلہن لندن میں تو دولہا صاحب انڈیا میں پھیرے لے رہے ہوتے ہیں، یا قبول ہے قبول ہے کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ دوسری طرف لیپا پوتی اور میک اپ کی تراش خراش سے ایک چالیس سالہ خاتون کو کیسے بیس سالہ لڑکی کے القاب میں ڈھالا گیا ہے۔ میاں صاحب کا تراہ تو اسوقت نکلتا ہے جب بیگم صاحبہ منہ ہاتھ دھو کر اپنے اصلی حالت میں وارد ہوتی ہیں۔ اس طرح بیچارے شوہر نامدار کا کسی کم عمر لڑکی سے شادی رچا کر اپنے آپ کو سدا جوان رکھنے کا خواب ادھورا رہ جاتا ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں تو دلہنیں اپنے شوہر نامدار سے بھی سالوں گھونگھٹ نکالتی تھیں اور میاں بیچارہ سالوں بعد اسوقت اپنی دلہن کی شکل دیکھ پاتا تھا جب وہ بیچاری دلہن کم عمر لڑکی سے ایک کم عمر بچے کی اماں بن چکی ہوتی تھیں۔ تصور کریں کہ اگر آج کے زمانے میں ایسا ہو جائے تو شاید کوئی بوڑھی

بغیر شادی کے نہ رہے۔

ویسے ہمارے ملکی حالات کے پیش نظر تو ہمیں اس تحقیق میں کچھ گھوٹالا نظر آتا ہے، کیونکہ آدمی جتنی کم عمر لڑکی سے شادی رچائے گا تو اسکے مسائل میں اتنا ہی اضافہ ہوگا مثلا: کم عمر لڑکی کے پڑھائی لکھائی کے اخراجات، کپڑوں لتوں کے اخراجات، میک اپ شیک اپ کے اخراجات وغیرہ وغیرہ۔ کم عمری، نا پختہ پن، اور نا تجربہ کاری کی بناپر ساس بہو کے تعلقات میں ممکنہ کشیدگی، نئے سرے سے تمام گھرداری کی سکھلائی، تو خوش ہونے کے بجائے پریشانی ہوگی نہ۔ اسکے برعکس اگر ایک بڑی عمر کی عورت سے شادی کی جائے تو اس بیچاری کی آدھی خواہشات تو ویسے ہی مردہ ہو چکی ہوتی ہیں، نہ کپڑوں کا زیادہ خرچہ، نہ میک اپ شیک اپ، نہ پڑھانے لکھانے کا خرچہ، بلکہ اسکے تجربہ کی وجہ سے گھر کے اخراجات میں ممکنہ کمی، میاں خوش باش، طبیعت صحت ہشاش بشاش۔ ساس بہو دونوں خوش باش۔ (دونوں ایک سی عمروں کی)۔

یوروپین لوگوں کے بارے میں اس تحقیق نے کچھ نہ کہا ہے جو کہ شادی کی زحمت ہی دو تین بچے پیدا کرنے کے بعد کرتے ہیں اور خاص طور پر انگریز اداکار اور اداکارائیں جو کہ ہر سال چھ ماہ بعد شوہر یا بیوی ایسے بدلتے ہیں جیسے ہمارے نام نہاد جمہوری حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں۔۔۔۔۔تاہم معروف آنجہانی

اداکارہ الزبتھ ٹیلر کو دیکھ کر تو معاملہ ہی الٹ لگتا ہے ، یعنی پونی درجن شادیاں رچانے کے بعد بھی انکی (یعنی دلہن کی) جوانی اور بڑھاپا دونوں ہی شاندار، عمر طویل اور صحت لاجواب رہی ۔ البتہ موصوفہ کے شوہر حضرات منظر سے غائب رہے؟؟ ۔ الزبتھ ٹیلر کیس میں لگتا ہے کہ یہ تحقیق الٹ ثابت ہوئی یعنی دولہا کی صحت اچھی ہونے کے بجائے دلہن کی صحت اچھی اور شاندار رہی اور آنجہانی محترمہ عمر کے ہر حصے میں لوگوں پر قیامت ڈھاتی بلآخر حال ہی میں اوپر کو سدھاری ہیں ۔ دوسری طرف بیچارہ آنجہانی مائیکل جیکسن تھا جو دو شادیاں کرنے اور بچے ہونے کے باوجود بھی آخری وقت تک تنہا تھا، نہ ہی کم عمر اور نہ زیادہ عمر کی کوئی بھی بیوی پاس ہونے کے بجائے صرف دو ائیں ہی اسکا آخری سہارا تھیں اور مرنے کے بعد اسکے معدے سے آخری سہارا یعنی بیوی کے بجائے ایک عدد گولی برآمد ہوئی۔ (کھانے والی گولی، بندوق والی نہ سمجھیے گا)۔
پاکستان میں چائلڈ میرج یعنی کم عمری کی شادی قابل گرفت ہے اور حکومت کو اس قانون میں ترمیم بھی کرنا پڑ سکتی ہے۔ ویسے اگر چائلڈ میرج کا سروے کرایا جائے تو پاکستان کی بہت سی مذہبی اور سیاسی شخصیات اس کیس میں ڈھکی جا سکتی ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مشہور ٹی وی پروگرام کی خوبصورت کمپیئر ایک انٹرویو میں اپنے آپکو چائلڈ میرج کیس بتا کر اپنے میاں پر کیس کرانے کو سوچ رہی

تھیں۔ اگر یہ کیس کرانے کا سلسلہ یونہی چل پڑا تو سوچیں کہ کیسا ہوگا مردوں کا مستقبل؟؟؟

ویسے بھائی لوگ بھی بیچارے بڑی عجیب و غریب تحقیقیں کرتے ہیں۔ پہلی تحقیق کے مطابق کنوارے، رنڈوے اور تنہائی پسند افراد جلد مایوسی اور ڈیپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ دہی کھانے سے جسم اور پسینے کی بدبو دور ہوتی ہے، کبھی تحقیق کہتی ہے کہ موٹی ران والی خواتین کو ہارٹ اٹیک کم ہوتا ہے، کبھی تحقیق گردانتی ہے کہ جی خواتین میک اپ کرنے میں کم از کم ایک گھنٹہ لگاتی ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ جی دورانِ ڈرائیونگ میک اپ کرنے سے خواتین حادثات کا شکار ہو جاتی ہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ اور اب کہہ دیا کہ جی کم عمر لڑکی سے شادی کرنے سے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور اسکی صحت اچھی رہتی ہے۔ ویسے اس تحقیق کی مزید تحقیق ہونی چاہیے کہ کہیں یہ سب ڈرامہ سدا کنوارے رہنے کے شوقین حضرات کو وَلا دیگر شادی کے لیے گھیرنے کی چال تو نہیں ؟

امپورٹیڈ بیویاں

امیر کبیر پاکستانیوں ، کھلاڑیوں اور اداکاروں کا غیر ممالک میں شادیاں رچانے اور افیئر چلانے کا پرانا رواج ہے۔مثلاً: عدنان سمیع کی شادی افغانی لڑکی سے انڈیا میں، وسیم اکرم کا چکر شمیتا سین کے ساتھ انڈیا میں چلانے کی کوشش ، عمران خان صاحب پورا پاکستان چھوڑ کر لندن میں جمائما کی زلف کے اسیر ہوئے، جاوید شیخ کو سلمیٰ آغا نے لٹو بنایا، وینا ملک ایک بنیے کو دل دینے کو ہیں، نور صاحبہ ایک ہندو سے دبئی میں دو دو ہاتھ کر لوٹ کے بدھو گھر کو آئی ہیں ۔جسطرح 2011 کی شادی آف دی ایئر ولیم اور کیٹ میڈلٹن کی رہی اسی طرح 2010 میں شانیہ اور شعیب کا ایسا چکر چلا اور میڈیا نے اتنی کوریج دی تھی کہ اسے 2010 کی شادی آف دی ایئر بنا دیا تھا ۔شانیہ مرزا نے بیچارے دھان پان سے سہراب مرزا سے ناطہ اور اسکا دل اکٹھے توڑ کر شعیب ملک سے انڈیا اور پاکستان کے بجائے آسٹریلیا میں دل جوڑ لیا۔ ایک تو اس دل کی سمجھ نہیں آتی کہ ہر روز کسی بھی نئی چیز پر آجاتا ہے بلا کسی وجہ کے، ایک جگہ پر نہیں ٹکتا۔ ابھی تو ایک دل ہے تو یہ حال ہے اگر کہیں دو پھیپھڑوں، دو گردوں، دو کان، دو آنکھ ، دو ہاتھ اور دو ٹانگوں کی طرح دل بھی دو ہوتے تو سوچیے کہ کیا ہوتا کہ یہ دل صاحب ایک خاتون پر دو دو بار آجایا کرتے ،اور یوں پہلے ایک دل کے پسند کی شادی ہوتی،

پھر دوسرا دل کہتا کہ میری پسند کی بھی شادی کرو۔ یوں بندہ ہر وقت مخمصے میں رہتا کہ کونسے دل کی مانوں ۔ دل نمبر ایک کی یا دِل نمبر دو کی۔ دو دلوں کی وجہ سے قاضی کو نکاح بھی دو بار پڑھانا پڑتا اور اگر یہ الگ الگ خواتین پر آ جاتا تو ایک سے زائد شادیاں اور پھر ظاہر ہے کہ گھر میں ہر روز پھڈا۔ یا پھر یوں ہوتا کہ موبائل فون سم کی طرح بٹن لگوالیا جاتا کہ پہلے ایک دل سے کام چلاتے دوسرے کو بند کر دیتے ، پھر دوسرے سے کام چلاتے پہلے والے کو بند کر دیتے۔ مگر وہ کہتے ہیں نہ کہ اللہ پاک کے ہر کام میں بہتری اور مصلحت ہوتی ہے، اسلیے اچھا ہی ہے کہ دل ایک ہے ورنہ نہ جانے کیا کچھ مزید غلط ہو جاتا۔ البتہ دو دل ہونے کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوتا کہ ایک دل کی خرابی کی صورت میں دوسرے سے کام چلا لیا جاتا اور بائی پاس کرانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

بہر حال ! بات ہو رہی تھی ثانیہ مرزا کی تو اس لڑکی ثانیہ نے (اب لڑکی نہیں عورت ہے) پہلی زیادتی تو بیچارے سہراب مرزا کے ساتھ کی کہ منگنی پر اچھا خاصا خرچہ کرانے کے بعد اس بیچارے نحیف و نزار ہونے والے دولہے کو عین موقعے پر داغِ مفارقت دے گئی ۔ پھر ایک اور زیادتی اس ناکام عاشق کے ساتھ کی جو کہ عرصہ دراز سے اسے اپنے خونِ جگر سے خطوط لکھ لکھ کر بھیج رہا تھا اور ثانیہ کے گھر کے باہر تمبو لگائے شادی کی انتظار میں بیٹھا تھا۔ ثانیہ

نے اس کو تھانے میں ڈھکوا کر پولیس سے اس بیچارے کی اچھی خاصی چھترول کرا دی، اسکے بعد شعیب ملک پر آسٹریلیا میں بغیر سرمہ ڈالے ڈورے ڈال کر اسے ہمیشہ کے لیے اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اللہ پاک اس جوڑی کو ہمیشہ خوش اور خرم رکھے آمین۔

ثانیہ اور شعیب نے شادی کے بعد ایک سب سے بڑی عقلمندی یہ کی کہ ساس بہو کے جھگڑے سے بچنے کے لیے پہلے ہی دبئی کے جمیرا بیچ کے قریب گھر لے لیا کہ نہ وہاں ساس ہو گی اور نہ لڑائی ہو گی۔ سیالکوٹ میں رہتی تو ساس کہتی کہ کڑھی چاول یا آلو کے پراٹھے بنا، تو اس بیچاری کو تو انڈا بھی ابالنا نہیں آتا تو وہ بھلا یہ سب کام کیسے کرتی، اور پھر ساس بہو کی روایتی لڑائی شروع ہو جاتی۔ بات اگر گھر سے باہر نکل کر میڈیا کے ہتھے چڑھ جاتی تو پھر اسکے انڈین ہونے کے ناطے بی جے پی اور شیو سینا اسکے حق میں مظاہرے کر کے شعیب ملک اور اسکی اماں کے پتلے جلانا شروع کر دیتے، اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو مظاہروں میں بینرز پر کچھ اسطرح کے نعرے درج ہوتے ،،ثانیہ پر ظلم بند کرو،،،شعیب کی ماں مردہ باد،،ثانیہ مرزا کو واپس لاؤ،،ثانیہ بیک ہوم،، وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نند بھاوج کی لڑائی ہوئی تو نند کی شامت آ جائیگی، یوں پاکستان اور انڈیا ان دونوں کے چکر میں گھن چکر ہو کر ایک اور جنگ نہ چھیڑ بیٹھتے۔ اسلیے انکا ملک سے باہر رہنے کا فیصلہ بلکل ٹھیک ہے۔ تا

ہم کبھی کبھا منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کو پاکستان کا چکر لگاتے رہیں کہ کہیں لوگ انکی شکلیں ہی نہ بھول جائیں۔

ثانیہ نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ پاکستان کی بیوی نہیں بلکہ صرف شعیب ملک کی بیوی ہے اور یہ کہ پاک بھارت میچ میں شعیب کی سنچری اور انڈیا کی جیت کی دعا کروں گی۔ اس بات کا ثبوت حالیہ ورلڈ کپ میں بھی دیکھنے میں آیا جب موصوفہ نے پاکستان کی بہو ہونے کے باوجود انڈیا کے لیے سرِ عام دعا کی اور جتوا بھی دیا۔ بھئی یہ تو کھلی منافقت ہوئی نا۔ ثانیہ کی اس ڈبل گم سے لگتا ہے کہ جب کل کلاں کو انکے بچے وچے ہونگے تو پھر کیا انہیں بھی آدھا انڈیا اور آدھا پاکستان کا کہے گی؟ اور بچے بیچارے پاکستان کا قومی ترانہ پاک سرزمین اور انڈیا کا بندے ماترم ملا کر نہ جانے کیا بنا کر پڑھا کریں گے؟؟ لہٰذا ثانیہ کو منافقت چھوڑ کر اب صرف پاکستان کی بہو بنکر پاکستان ہی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کیا خیال ہے آپکا۔؟؟ارے ہاں بچوں سے یاد آیا کہ جب خیر سے کبھی ثانیہ کی طبیعت ،، ایسی ویسی،، ہوگی۔۔۔۔۔ مطلب سمجھ گئے نہ آپ ؟ تو وہ کہاں کا اچار استعمال کرے گی۔ انڈیا کے حیدرآباد کا یا پاکستان کے شکار پور کا؟ کیونکہ حیدرآباد کے کھانے، مصالحے اور اچار بہت مشہور ہیں۔ جبکہ ہمارے شکار پوری بھی اچار بنانے میں کسی سے کم نہیں۔

ویسے ثانیہ نے اچھا کیا کہ دبئی میں رہنے کا پروگرام بنایا کیونکہ کھیل اور ورزش کے دوران انگریز کھلاڑیوں کی نقل میں وہ جسطرح کپڑے پہننے میں کسرِ نفسی اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتی ہیں کم از کم پاکستانی مذہبی جماعتیں اس طرح کی ڈریسنگ میں پاکستانی بہو کو پاکستان میں برداشت نہیں کر سکتیں۔ پاکستان میں رہیں گی تو انہیں پاکستان اور عرب امارات کی خواتین کھلاڑیوں کی طرح ستر چھپا کر ٹینس کھیلنا پڑے گی۔ اگر نہ مانی تو ان پر کوئی بھی فتویٰ کسی بھی وقت لگ سکتا ہے اور انکے خلاف مظاہرے ہونے کے ساتھ ساتھ انکے پتلے بھی جلائے جا سکتے ہیں۔ ویسے ہمیں آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ کھیل کے دوران آدھے کپڑے کیوں پہنے جاتے ہیں۔ جبکہ گھر میں خواتین تمام کام پورے کپڑے پہن کر کرتی ہیں۔ اگر ہوا لگتے رہنے کی بات ہے تو ایران، افغانستان، پاکستان اور امارات کی خواتین کھلاڑی تو پورا ستر چھپا کر بھی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں تو موصوفہ کیوں نہیں کر سکتیں؟؟

ایک تحقیق کے مطابق خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر مرد حضرات کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ ہمیں تو یوں لگتا ہے کہ شعیب ملک کی عقل پر بھی پردہ پڑ گیا تھا کہ اپنے پرانے پیشرؤں یعنی عمران خان، وسیم راجہ، تسلیم عارف، محسن حسن خان اور دیگر کھلاڑیوں کی طرح پورے پاکستانی کی حسین و جمیل اور خوبصورت لڑکیوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر وہ بھی بیرونی ممالک یعنی انڈیا کی

ایک لڑکی کے پیچھے لٹو ہو گئے اور انہوں نے بھی ہر شرط منوا کر لڑکی حوالے کی اور حق مہر بھی لاکھوں میں لکھوایا۔ جبکہ ابھی تک کے حالات یہ بتا رہے ہیں کہ شعیب کی نسبت ثانیہ کا پلڑا بہت بھاری جا رہا ہے، کہ ہر جگہ ثانیہ آگے اور شعیب انکے پیچھے ، کبھی سامان اٹھا رہے ہیں، کبھی ورزش کرا رہے ہیں تو کبھی کسی کام میں مدد کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے شعیب ملک کو فلم نوکر ووٹی دا کے کردار کی طرح گھر جوائی رکھ لیا گیا ہے، اور کہیں لوگ کچھ روز بعد وہ پرانی مثال نہ دینے لگ جائیں کہ بہن کے گھر بھائی ۔۔۔۔۔۔۔۔اور بیوی کے گھر جوائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟کچھ یاد آیا آپکو اس مثال کے بارے میں؟

ویسے ہمارے خیال سے شعیب نے پاکستانی لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کی ہے تبھی تو کئی بیچاری اس خبر سے غش کھا گئیں تھیں اور کئی ایک کو تو ہم نے تھو تھو کرتے اور دولت پر مرنے مٹنے کے طعنے دیتے بھی سنا۔ بہر حال ! وجہ جو بھی ہو ، خواتین جل بھن کر، کوئلہ سیخ کباب یا چپلی کباب ہو کر کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ لہٰذا جو ہونا تھا سو ہوا، اب کیا ہو وت جب ہندوستانی چڑیا چگ گئی کھیت۔ حال ہی میں ثانیہ نے بیان داغا ہے کہ شعیب نے میری بہت مدد کی ہے۔ جی ہاں ! واقعی کی ہے ، شادی کر کے۔ بہر حال ! ہماری طرح آپ بھی ان دونوں کی خوش وخرم زندگی کے لیے اور بالخصوص ثانیہ کے لیے دعا کیجئے کہ اللہ پاک اسے (ثانیہ کو) پورے کپڑے پہن کر کھیلنے کی توفیق دے۔ آمین

سالانہ اپریزل اور آموں کا موسم

سرکاری ملازمین کے لئے مئی اور جون کے مہینے بہت اہم ہوتے ہیں کیونکہ ان مہینوں میں ہر طرف سالانہ اپریزلز (کارکردگی رپورٹ) کا بہت چرچا رہتا ہے اور ہر جگہ طرح طرح کی چہ مہ گوئیاں گوش گزار ہو رہی ہوتی ہیں۔ جسطرح شبِ برات میں اللہ رب العزت اپنے بندوں کے لئے اعمال نامے مرتب کرتے ہیں، بلکل اسی طرح مئی اور جون میں سالانہ اپریزلز کی وجہ سے یہ کام شاید اللہ کے بندوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ جسکا نتیجہ جولائی اگست میں منظرِ عام پر رونما ہوتا ہے، اور پھر کسی کا منہ کھلا تو کسی کا کِھلا نظر آتا ہے۔ مذکورہ مہینوں میں ہر ملازم کسی بھی طریقے سے زبردستی اپنے سینئر کی قربت کا متمنی ہو کر اس سے اپنا ڈاکخانہ ملانے کی کوششوں میں نظر آتا ہے۔ جو حضرات سارا سال کچھ نہیں صرف کمال کرتے ہیں یا صرف زبانی جمع خرچ پر گزارہ کرتے ہیں، وقت کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے باس کے آگے پیچھے گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی کسی کام سے تو کبھی یونہی سلام دعا اور بچوں کا حال احوال جاننے کے لئے۔ یا کبھی پرانی دوستیاں اور رشتہ داریاں یاد کرائی جارہی ہوتی ہیں، کوئی اپنے اچھے کارناموں کے گن گا رہا ہوتا ہے۔ ایک صاحب تو بھلیکے میں ایک ایسے صاحب سے بچوں کا پوچھ بیٹھے جن کی ابھی شادی تو کیا بات بھی طے نہیں ہوئی تھی۔ ایک

بڑے میاں اپنی ایک کنواری خاتون افسر کو بیٹا ہونے کی دعا بھی دے بیٹھے ، نتیجہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں؟؟ ۔ ایسے موسم میں کچھ لوگ اِدھر ادھر سے کہنے کہلوانے اور سفارشوں کا سلسلہ بھی نہیں گنواتے۔ چاہے اسکے لیے انہیں کسی حد تلک بھی جانا پڑے؟؟۔ حالانکہ صاحب بہادر لوگ نے کرنی صرف اپنی ہی ہوتی ہے ۔ یعنی آپکو جتنا انکریمنٹ آخری دفع دیا گیا تھا اس سے زیادہ کی توقع کرنا بھی عبث ٹھہرتا ہے، کمی البتہ ہر وقت ممکن ہوتی ہے۔ تاہم ملازم بیچارہ دل کی تسلی اور گوھر نایاب پانے کے لئے پھر بھی اپنی سی کوشش جاری رکھتا ہے۔ جس میں اسے اکثر ناکامی اور کبھی کبھار ہی کامیابی ملتی ہے۔

قدرت کی کاری گری دیکھئے کہ سالانہ اپریزلز اور آموں کا موسم ایک ساتھ آتا ہے۔ لگتا ہے جیسے آم اور اپریزلز کا کوئی بہت پرانا رشتہ ہو (مگر سمجھ میں وقت پڑنے پر آتا ہے) ۔ کرکٹ ڈپلومیسی اور بیک ڈور چینل ڈپلومیسی اور دیگر کئی طرح کی ڈپلومیسیوں کی طرح آم ڈپلومیسی کا بھی اپنا ایک اعلیٰ اور ارفع مقام ہے اور آم ڈپلومیسی اس موسم میں سب سے زیادہ کامیاب نظر آتی ہے۔ جس کسی کا بھی کوئی کام پھنسا ہو، ایک پیٹی آم لگا کر کام نکال لیا جاتا ہے۔ حتی کہ پچھلے سال تو امریکی وزیرِ خارجہ کو بھی آم کھلا کر دام لیے گئے تھے۔ سرکاری ملازم بیچارہ جس نے پورا سال بے شک اپنے سوپیریئرز کے گھر چاہے ،گیارہویں شریف کا حلوہ یا قربانی کے بکرے کی ران بھی نہ بھیجی ہو مگر، پھل

پھول ، گفٹ آئٹم کے ساتھ ساتھ ، اس آم کے موسم میں آم کی بھی کوئی نہ کوئی اچھی سی ورائیٹی اپنے باس کے گھر ضرور بھجواتا ہے۔ تاکہ من کی مراد پا سکے یعنی اپنی اپریزل اچھی بھروا سکے ۔ بعض دفعہ تو سوپیریئرز کے گھر اتنے آم جمع ہو جاتے ہیں کہ گھر کے نوکروں، خاندان والوں اور محلے والوں کے بھی مزے ہو جاتے ہیں ۔ بلکہ کئی بار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی محلے والے کے ہاں سالن نہ ہو تو بچہ بھیج کر سوپیریئرز کے گھر سے آم منگوا کر اسکی چٹنی سے روٹی سوت لی جاتی ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے ہمارے ایک محلے دار تایا عنایت آم اور مچھلی کی سپلائی کا کام سرانجام دیتے تھے مگر بقضائے الٰہی اب اس جہان فانی سے کوچ کر کے مرحوم ہو گئے ہیں (اللہ رب العزت انکی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ دے) اِنھوں نے بہت سے گھروں میں اپنی مچھلی اور آم سپلائی سے گودیں بھی ہری کرائیں ، مگر اب انکے بغیر لوگوں کو آم اور مچھلی کی سپلائی میں شدید مشکلات کا سامنا درپیش ہے ۔

آم کے اس موسم میں کچھ لالچی قسم کے افسران فرمائش کر کے مہنگی ورائٹیاں بھی منگواتے ہیں ، جو کہ بعض دفعہ غریب ملازمین پر بڑا بھار ڈال جاتی ہیں ۔ بہرحال ! جو ملازم سب سے اچھی اور مہنگی ورائٹی اچھی سی پیکنگ میں باس کے گھر بھیجے اسکی سالانہ کارکردگی رپورٹ بھی اچھی بھیج دی جاتی ہے اور اگر کوئی ملازم فجری ، مالدا ، دیسی یا شانِ خدا جیسی کسی سادہ ورائٹی پر

ٹرخانے کی کوشش کرے تو اسے ہمیشہ کے لیے دوسری جگہ ٹرخا دیا جاتا ہے۔ آتے موسم میں جب آم پانچ سو روپے کلو ہو تو ہم جیسے غریب غرباء اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب یہ پچاس روپے کلو پر آئے تو ہم خود کھائیں اور بچوں کو بھی کھلائیں، لیکن کچھ ملازمین تو تاڑ میں رہتے ہیں اور پانچ سو روپے کلو والے آم اپنے بڑوں کے ہاں بھیج کر پانچ لاکھ کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمارے لوٹے سیاستدان بھی اس موقع پر اپنے تعلقات سیدھے کرنے کے لیے دھڑا دھڑ آم کی پیٹیاں اِدھر سے اُدھر کرکے اپنے کام سیدھے کرتے رہتے ہیں۔ کچھ نامنہجار قسم کے ملازمین تو صاحب کی صاحبہ سے فرمائش پوچھ کر آم بھجواتے ہیں تاکہ آموں کا اثر جلد اور اچھا ہو۔ ہمارے ایک واقف کار ہیں وہ اکثر اپنے صاحب کے ہاں آم مہنگے ترین کوریئر سے بھجواتے ہیں حالانکہ دونوں ایک ہی محلے میں رہتے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ انکے باس اور باسنی دونوں ذرا غصے کے تیز ہیں، پتہ نہیں کب انکا پارا ہائی ہو جائے اسلئے خود جانے کا رسک نہیں لیتے۔ ایک بار تو انکے صاحب نے کوریئر والے لڑکے کو بھی ڈانٹ ڈپٹ کرکے بھگا دیا تھا، پھر اس آنی جانی میں آم کی ڈیٹ ایکسپائر ہو گئی، آم خراب، بھنگی بھی نہ کھائے، آخر کار اروڑی کی نظر کرنے پڑے۔

بہرحال! بات ہو رہی تھی سرکاری ملازمین کی تو انمیں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو گھریلو مسائل کی وجہ سے) وجہ لکھنا مناسب نہیں (آفس دیر سے آنا، کسی

پری فِکس ڈیٹ وغیرہ کی وجہ سے جلدی چلے جانا اور آئے روز بیمار شیمار ہو جانے والے، نانی اور دادی کو درجنوں بار مار کر چھٹیاں لینے والے ملازم حضرات بھی ان دنوں میں پرہیز علاج سے بہتر ہے کے مصداق مذکورہ تمام بری عادات سے عارضی طور پر پرہیزی اختیار کر کے آم ڈپلومیسی پر آ جاتے ہیں اور جونہی آم کا سیزن گیا اگلی پچھلی ساری کسر پوری کر دیتے ہیں۔

ویسے اگر بنظرِ غایئر جائزہ لیا جائے تو اس اپہ نزل کے اثرات پورے سال محسوس ہوتے ہیں، (بلکل ایسے ہی جیسے پہاڑی علاقوں میں وقت بے وقت زلزلوں کے جھٹکے) مثلاً بونس کا ملنا، رمضان کا خرچہ، عیدین کا خرچہ، میکے اور آبائی گھر آنا جانا، سیر و تفریح وغیرہ وغیرہ۔ ویسے موجودہ ملکی اور معاشی حالات اور حالیہ حکومتی بیانات کے پیش نظر خدشہ ہے کہ روتے پیٹتے، گلے میں سوکھی روٹیاں لٹکائے مظاہرے کرتے ملازمین کی فریاد رس اس بار بھی رائیگاں جائیگی اور بونس اور تنخواہوں میں اضافے کے معاملہ میں کوئی خفیہ ہاتھ حرکت میں آ سکتا ہے جسکی وجہ سے بونس اور انکریمنٹ میں کمی بھی ہو سکتی ہے۔ نتیجتاً خاتون خانہ سے گھریلو اخراجات اور فضول خرچی جیسے معاملات پر حالات کشیدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ سعودی عرب میں تو ایک جج صاحب نے فضول خرچی پر خاتون خانہ کی پٹائی کو بھی جائز قرار دے دیا ہے، لہٰذا زیادہ پریشانی کی بات ہے بھی اور نہیں بھی۔ اور ہاں! اگر معاشی حالات کی وجہ سے اس سال بونس وغیرہ کچھ

کم آئیں تو آپ بھی گھر جانے سے پہلے سرکار سے ہیلمٹ کا تقاضا کر سکتے ہیں، جیسا کہ برطانوی پولیس میں موجود سردار صاحبان نے پگڑی کے اوپر پہننے کے لیے ہیلمٹ مانگ لیا ہے تاکہ ناگہانی آفات اور بلیات سے محفوظ رہا جاسکے۔ جی جناب! تو بات ہو رہی تھی آم ڈپلومسیی کی تو اگر آپ بھی خاتونِ خانہ سے پھڈا نہیں کرنا چاہتے اور ہیلمٹ سے بھی بچنا چاہتے ہیں تو اپنے تمام رکے ہوئے کام نکالنے کے لیے آموں کے اس موسم کا بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

آخر میں ملازمین سے مودبانہ گزارش ہے کہ آئندہ گھریلو بجٹ کی تیاری سے فی الحال پرہیز رکھیں جب تک کہ تنخواہوں میں اضافے کے لیٹر یا سرکلر سرکار کی طرف سے جاری نہ ہو جائیں اور پرسنٹیج (%) جو بھی ملے صبر شکر کرکے اسی پر گزارہ کریں۔ اگر اتفاق سے پرسنٹیج کچھ زیادہ مل جائے تو کسی سے ذکر خیر نہ کریں، کہ کسی حاسد کی نظر نہ لگ جائے۔ خاتون خانہ کو بالخصوص بونس اور تنخواہوں میں اضافے جیسے معاملات سے ہمیشہ بلکل الگ تھلگ رکھیں، اسی میں سب کا بھلا ہے۔ (ورنہ خرچے کی ایک لسٹ تیار ملیگی)

بی وی اور ٹی وی کے نقصانات

عام کہاوت یہی ہے کہ ٹی وی اور بیوی میں کوئی خاص فرق نہیں کہ دونوں ہی بغیر دیکھے ، سنے اور سمجھے بہت بولتے ہیں۔ تاہم اگر ہم اس اجمال کا تفصیلا جائزہ لیں تو بہت سی دلچسپ اور متضاد چیزیں نظر آتی ہیں۔ مثلا: ٹی وی میں تصویر کے ساتھ آواز بھی آتی ہے اور آواز کم زیادہ کا بٹن بھی ہوتا ہے، مگر بیوی میں صرف ایف ایم کی سی ایک ہی آواز آتی ہے تصویر نہیں اور نہ ہی آواز کم زیادہ کرنے کا کوئی بٹن ہوتا ہے۔ لہٰذا پورے محلے میں بغیر اسپیکر کے اسکی آواز صاف سنائی دی جا سکتی ہے۔ پہلے زمانے میں ٹی وی جب نیا نیا آیا تھا تو پورے محلے میں ایک ہی ٹی وی ہوتا تھا اور سب لوگ با جماعت بڑے ذوق و شوق سے ایسے دیکھتے تھے جیسے نئی نویلی دلہن کو۔ اب گھر کے ہر کمرے میں ٹی وی ہوتا ہے، مگر بیوی صرف ایک ہوتی ہے ۔ پہلے زمانے کا ٹی وی ایک بکسے کی مانند ہوتا تھا اور باقاعدہ آگے سے بند کرنے کے لیے کھڑکی بھی لگی ہوتی تھی کہ جب چاہا بند کر دیا ، مگر بیوی اگر ایک بار شروع ہو جائے تو اسے بند کرنے کا کوئی بٹن یا کھڑکی نہیں ہوتی۔ آجکل کے ٹی وی ریموٹ کے اشارے پر چلتے اور ناچتے ہیں ، مگر بی وی صرف زیور سے چلتی اور میاں کو اشاروں پر نچاتی ہے۔ ٹی وی بہت سے مختلف رنگ اور ماڈل میں دستیاب ہوتا ہے، چوائس ہوتی ہے اور تبدیل بھی ہو جاتا ہے

مگر بیوی کا جو کلر اور ماڈل مائیں بہنیں چوز کر لیں عموما وہ نا قابلِ تبدیل ہوتا ہے اور ، تا حیات اسی پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ ٹی وی پر اگر کوئی پروگرام پسند نہ آئے تو بندہ فورا چینل بدل دیتا ہے، مگر بیوی میں ایسا کوئی سسٹم نہیں ہوتا۔ ٹی وی کی گارنٹی ہوتی ہے بیوی کی کوئی گارنٹی نہیں کہ پہلے ہی دن پھڈا کر بیٹھے۔ ٹی وی وزن میں ہلکا پھلکا ہونے پر ایک بندے سے بھی اٹھایا جا سکتا ہے، مگر بیوی کو اٹھانے کے لیے (بعض صورتوں میں ؟؟) کرین کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ ٹی وی دیکھ اور سنکر آدمی بہت کچھ سیکھتا اور سمجھتا ہے، بیوی کو دیکھ کر اور اسکی اوٹ پٹانگ سنکر رہی سہی سمجھ اور عقل بھی دفعہ دور ہو جاتی ہے۔ ٹی وی ایک بار لیکر کم از کم پانچ سال کوئی خرچہ نہیں، بیوی کے خرچے روزِ اول سے روزِ آخرت تک بلکہ مرنے کے بعد بھی چالیسویں تک چالیس ہزار لگوا جاتی ہے۔ ٹی وی خراب ہو جائے تو ٹھیک کرا لیا جاتا ہے، مگر بیوی کے تمام پرزہ جات ، بالخصوص دماغ نا قابلِ مرمت اور نا قابلِ تبدیل ہوتے ہیں اور اسکا کوئی میکینک دنیا میں دستیاب نہیں ۔ ٹی وی بھی اگرچہ نان سٹاپ بولتا ہے، مگر کبھی کبھار بیوی بولنے میں ٹی وی کو بھی مات دے دیتی ہے۔ اگر ٹی وی پرانا ہو جائے تو تبدیل ہو کر نیا آ جاتا ہے، مگر بیوی جتنی پرانی ہو جائے اتنا ہی گچھی میں عذاب بن جاتی ہے۔ سائنسدان آئے روز ٹی وی میں موڈیفیکیشن کر کے نیا ماڈل لے آتے ہیں، بیوی میں اسطرح کا آپشن نا پید ہوتا ہے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے دورانِ پروگرام وقفہ آ جاتا ہے اور بندہ

سائی کڈھ لیتا ہے، تاہم بیوی اگر شروع ہو جائے تو نان سٹاپ بولتی ہے سائی نہیں کڈھنے دیتی۔ اسکے علاوہ آجکل لوڈ شیڈنگ کے زمانے نے میں بجلی چلی جائے تو ٹی وی خود بخود بند ہو جاتا ہے، تاہم بیوی کی بولتی بند کرنے کی کوئی چیز ایجاد نہیں ہوئی۔ ٹی وی دیکھتے بندہ تھک جائے تو اسے بند کر دیتا ہے، تاہم بیوی کو نان سٹاپ سن سن کر اور دیکھ دیکھ کر کانوں اور آنکھوں کے ڈاکٹر کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ ٹی وی اگر چودہ انچ کا لیا جائے تو تاحیات چودہ انچ کا ہی رہتا ہے، بیوی اگر چودہ انچ کمر کی لائے جائے تو کچھ ہی عرصہ میں چون انچ کمر پر پہنچ جاتی ہے۔ ٹی وی اگر دھول مٹی میں اٹ کر میلا ہو جائے تو کپڑا شپڑا مار کر صاف کر لیا جاتا ہے، بیوی اگر میک اپ شیک سے اٹی ہو اور کپڑا مار دیا جائے تو الٹی آنے کو ہوتی ہے۔ آجکل ٹی وی پر ایک سو سے زیادہ چینل دیکھے جا رہے ہیں، تاہم بیوی کے صرف تین ہی چینل چلتے ہیں، ڈھیروں باتیں، برائیاں اور ناشکری۔ ٹی وی بجلی سے چلتا ہے، بیوی بغیر بجلی کے بھی ٹناٹن چلتی ہے۔ ٹی وی بیچارہ بے زبان انسان کی ہر بات مانتا ہے، پر کچھ بیویاں اتنی ضدی اور ہٹ دھرم ہوتی ہیں کہ لات اوپر رکھ کر اور گلے پر انگوٹھا رکھ کر اپنی ہی بات منواتی ہے۔ ٹی وی میں کیبل یا ڈش لگاؤ تو چینل آتے ہیں، بیوی بغیر کسی کیبل یا انٹینا کے چلتی ہے اور دنیا بھر کی نیوز دیتی ہے۔ ٹی وی کی نشریات میں خلل واقع ہو جائے تو جلد ہی خود بخود دور ہو جاتا ہے، بی وی کے دماغ میں اگر خلل واقع ہو جائے تو ہفتوں نہیں جاتا جسکی

وجہ سے میاں کے دماغ میں بھی اکثر خلل واقع ہو جاتا ہے، پھر اسکا اختتام کبھی کبھار چھترول اور لترول پر بھی ہوتا ہے۔ الغرض۔۔۔۔۔ٹی وی اور بی وی میں بہت کچھ متضاد ہوتا ہے۔

آجکل گھر گھر میں ٹی وی ہونے کی وجہ سے ٹی وی، بیوی، سٹار پلس اور دیگر چینلز لازم و ملزوم ہوتے جارہے ہیں۔ ڈراموں کی لت پڑی بیٹی کو جب تلک جہیز میں ایک عدد پلازما رنگین ٹی وی نہ دیا جائے وہ بھی رخصتی اور گھر کی دہلیز پار کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ بلکہ ایک نکاح نامے کی شرائط میں تو بطورِ خاص انتیس انچ کا پلازما کلر ٹی وی نام لیکر لکھوایا گیا۔ کیونکہ اگر گھر میں ٹی وی نہ ہو تو بیوی ہر روز شام کو پڑوسیوں ہاں پائی جائیگی، میاں بچوں کے پمپر بدلی کر رہا ہوگااور کھانا ہوٹل سے لانا ہوگا۔ آجکل کی بیویاں ٹی وی کی اتنی شوقین ہوتی ہیں کہ چھلے کے پورے نو ماہ بجائے اسکے کہ اللہ اللہ کریں کہ بچہ بھی نیک پیدا ہو، ناسازی طبیعت کا بہانہ کرکے سارا دن ٹی وی کے آگے لیٹی رہتی ہے، پھر نتیجہ میں آجکل کے جیسے ٹی وی کے شوقین بچے پیدا ہوتے ہیں کہ جنہیں دودھ پلانے اور بہلانے کے لیے بھی ٹی وی دکھانا پڑتا ہے۔

بیوی کے ٹی وی دیکھنے کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں مثلاً: ٹی وی کے

ڈراموں میں دکھائے جانے والے نت نئے ڈیزائن کے کپڑوں، گھروں کی بناوٹ سجاوٹ، بچوں کی نئی نئی چیزیں دیکھ کر گھر کے خرچے میں اضافہ۔ کوکنگ شو دیکھ کر نت نئے کھانے پکانے کے تجربات کرکے میاں کی جیب کا بیڑا غرق کرکے کچن کے خرچے میں اضافہ، سہیلیوں سے فون پر ٹی وی پر دیکھے گئے نت نئے ڈیزائنوں پر گھنٹوں تبصرے، فون کے بل میں اضافہ، غرضیکہ خرچہ ہی خرچہ۔

بیوی اور ٹی وی کی وجہ سے اکثر گھروں میں پھڈے ہونا بھی معمول کی بات ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بچوں نے کارٹون دیکھنے ہیں، میاں نے میچ دیکھنا ہے، بیوی نے اپنے پسندیدہ سیریل دیکھنا ہے، لو جی ! پھڈا شروع۔ جس میں جیت ہمیشہ صرف بیوی ہی کی ہوتی ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ میاں نے روٹی پکانے کو کہا اور بیوی ٹی وی پر کسوٹی دیکھنے بیٹھ گئی۔ میاں نے دہی لانے کو کہا، بیوی دھانی والے ڈرامے کے چسکارے میں پڑ گئی۔ میاں نے پانی لانے کو کہا بیوی رانی والے ڈرامے میں کھو گئی۔ میاں نے کپڑے استری کرنے کو کہا تو بیوی گٹو والا ڈرامہ دیکھنے لگ گئی۔ اسکے علاوہ بیوی اگر ٹی وی کے پسندیدہ ڈرامے کو دیکھے بغیر کھانا بنالے تو دورانِ تناول دال چاول میں پتھر اور روٹی میں کنکر یعنی ریت لازمی پائی جائیگی۔ اگر ان اشیاء میں یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو بائی ہینڈ شامل کر دی جائینگی، نتیجہ پھر پھڈا۔ بیوی۔ ٹی وی کے کسی پسندیدہ ڈرامے میں متغرق ہو اور بچے شور کردیں تو بھی پھڈا شروع ہو جاتا

ہے۔ کبھی کبھار تو شوہر اور بچوں کو دخل در معقولات کی وجہ سے کمرہ بدر بھی ہونا پڑتا ہے۔ اتفاق سے اگر کبھی ٹی وی خراب ہو جائے تو بیوی کا موڈ اور منہ بھینس کی طرح ٹی وی ٹھیک ہونے تک لٹکا ہی رہتا ہے۔ اگر کہیں مہمان بن کر جائیں اور میزبان کے ہاں ٹی وی نہ پایا جائے تو انہیں ہر شام بیوی کو ٹی وی والے گھر کی یاترا کو بھی لیجانا پڑتا ہے کہ اسٹار پلس کے ڈرامے کی کوئی قسط مس نہ ہو جائے۔ اگر کہیں کسی ہوٹل میں اسٹے کرنا ہو تو بیوی کی ٹی وی کی فرمائش پہلے آ جاتی ہے کہ ایسے ہوٹل میں اِسٹے کریں جہاں ٹی وی ڈِش کی سہولت کے ساتھ دستیاب ہو۔ ان ٹی وی کی شوقین بیویوں کا بس نہیں چلتا کہ مرنے کے بعد قبر میں بھی ٹی وی لگوالیں کہ روزِ آخرت تک کا فارغ ٹائم اچھا گزرے گا اور فرشتے بھی انکی باتوں سے تنگ آ کر انہیں قبر میں ٹی وی کی اجازت دے دیں گے۔ ایسے ہی بیوی اور ٹی وی کے ستائے ایک شوہر نے ایک بار غصہ میں ٹی وی ہی توڑ دیا، اگلے ہی روز بیوی رشتہ توڑ کر بمعہ بچوں کے ابا کے گھر جا بیٹھی اور پھر بھری پنچایت میں نیا ٹی وی لانے کے حلف نامے پر دستخط کرا کر منیوا ہوا۔ ایک دوسرے صاحب روز روز بی وی کے ڈرامے دیکھنے سے اتنے تنگ تھے کہ شدید غصہ میں آ کر ٹی وی اور بیوی دونوں کو توڑ بیٹھے، خود آجکل جیل میں پتھر توڑتے ہیں اور بچے بیچارے میاں، بیوی اور ٹی وی تینوں کو کوستے ہیں۔ ایک بچے کے روز روز دیر سے اسکول آنے اور اچانک بچے کے لنچ بکس میں ٹیڑھا میڑھا ناشتہ اور پاپے دیکھ کر ٹیچر نے وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ انکی

ماما روز رات گئے تک ٹی وی دیکھنے کی وجہ سے صبح جلد نہیں اٹھ سکتیں اور ناشتے میں انکے پاپا چائے سے پاپا کھلاتے ہیں اور دو چار پاپے لنچ بکس میں رکھ دیتے ہیں کہ اسکول میں کھا لینا۔ بہت سی بیویاں تو اجتماعی ڈرامے دیکھنے کی شوقین ہوتی ہیں، اگر کوئی خاص قسط آنی ہو تو محلے بھر کی خواتین یا اپنے ہی گھر کے بچوں کو آلے دوالے بٹھا کر ڈرامہ دیکھا جارہا ہوتا ہے۔ دورانِ ڈرامہ بچوں پر انکے آرڈر بھی دیکھنے والے ہوتے ہیں کہ منی پانی لاؤ، منی روٹی لاؤ، منی چھوٹے منے کا جانگیہ بدلی کرو، منی ٹیبل پر کپڑا مارو، منی فلاں کام کرو، وغیرہ، وغیرہ۔ یوں منی بیچاری چھوٹی سی عمر میں ہی ماسی بنی ہوتی ہے۔

ٹی وی کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ بیوی کو ہڈ حرام کرنے کے ساتھ ساتھ پہلے سے سنگل پسلی یا لحیم شحیم بیوی کو مزید موٹاپے کا شکار بھی کر دیتا ہے، پھر بیوی کے سلمنگ سینٹر کے الگ اخراجات گلے پڑتے ہیں یا پھر بیوی کو تھوڑے عرصے کے لیے ڈائیٹنگ یا پھر واک کا شوق چڑھ جاتا ہے۔ مزے کی بات یہ کہ اس موٹاپے میں بھی ٹی وی ڈراموں کی سلم اور سمارٹ لڑکیوں کے ڈیزائن کے کپڑے اپنے لحیم شحیم اور فربہ جسم پر فٹ کرنے کی ناکام کوشش میں ہر ہفتے نیا سوٹ پاڑ بیٹھتی ہیں، پر نقل کرنے سے باز نہیں آتیں۔ اسکے علاوہ نان سٹاپ غیر ملکی ٹی وی چینل کے ڈرامے دیکھ دیکھ کر مسلمان بیویاں بھی اپنے مسلمان

میاؤں کے وَرت اتار نے لگ گئی ہیں اور انکی دیکھا دیکھی بندیا لگانا اور بنا ستر چھپی ساڑھیاں پہننا بھی اکثر بیویوں کا معمول بنتا جا رہا ہے۔ ایک بار ایک میاں گھر میں داخل ہوا تو ایسا لگا کہ شاید گھر میں کوئی بھوت آگیا ہو کہ بیوی ٹی وی کے سامنے منہ پر آٹا اور بیسن سا مل کر آنکھوں پر کھیرا، گاجر اور دیگر درجن بھر سبزیات سجائے، بالوں کو توڑ موڑ کر کنڈلے کرنے کے چکر میں درجن بھر گھر کے کھانے والے چمچ بالوں میں پھنسائے بیٹھی تھی، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ چہرے کا لائیو فیشل، آنکھوں کے حلقے دور اور بالوں کا نیا اسٹائل بنایا جا رہا ہے تاکہ عائشہ کہ شادی میں سب سے ممتاز نظر آؤں۔ ساتھ میں بیوی نے ٹی وی پر دیکھے گئے اشتہار میں سے کمر کم کرنے کی بیلٹ اور چربی پگھلانے والی چائے کا آرڈر بھی لائیو دے دیا تھا اور پیمنٹ کے لیے کریڈٹ کارڈ ظاہر ہے کہ میاں صاحب کا ہی استعمال ہوا۔

تو جناب! مذکورہ واقعات اور آجکل کے روز مرہ کے حالات سے اگرچہ واقعی لگتا ہے کہ بیوی اور ٹی وی دونوں ہی نقصان سے بھرپور ہیں مگر اتنے ہی ضروری بھی ہیں۔ ایک گھریلو حالات کے ستائے اور ناچاقی کا رونا روتے ایک صاحب دعا کے لیے ایک بزرگ کے پاس گئے تو محترم بزرگ نے تمام حالات سننے کے بعد صرف ایک صائب نے مشورہ دیا کہ گھر سے ٹی وی فورا اٹھا دو سب معاملات ٹھیک ہو جائینگے۔ لہٰذا اگر آپ بھی اپنے گھریلو اخراجات، ناچاقی، روز روز کے پھڈے اور

دیگر امور خانہ داری کی وجہ سے پریشان ہیں تو بیوی نہیں ٹی وی کو نکال باہر کیجئے۔ اور سکھی رہیے۔ ویسے بائی داوے کیا آجکل کے دور میں یہ ممکن ہے ؟؟؟ آپکے کمنٹس کا انتظار رہیگا۔

میاں کے سر پر ہل چلے گا - سفر نامہِ مری

بچپن کی دہلیز پار کر کے ہم جیسے ہی ٹین ایج میں چھلانگے (ویسے تو ہم اب بھی اپنے آپ کو ٹین ایجر ہی سمجھتے ہیں) تو گلی گلی ایک ہی نعرہ سننے کو ملا کہ۔۔۔۔۔۔۔کے سر پر ہل چلیگا، ۔۔۔۔۔۔۔۔کے سر پر ہل چلیگا۔ اسوقت نا بالغی کی وجہ سے مطلب پلے نہ پڑا، تا ہم اب جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ ہل تو جناب دراصل دنیا کی مظلوم ترین شخصیت، عزت مآب، قبلہ جناب محترم میاں صاحب یعنی شوہر نامدار کے سر پر چلتا ہوتا ہے۔ ویسے تو ایک بار شوہر یعنی میاں بن جانے کے بعد تا عمر ہی اس بیچارے کے سر پر ہل چلنا لکھ دیا جاتا ہے، تا ہم گرمیوں کے موسم میں اس ہل کے پَھل کچھ زیادہ ہی تیز اور نوکیلے ہو جاتے ہیں وہ یوں کہ بچوں بچونگڑوں کے دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ گرمیوں کی چھٹیوں کے غیر ترقیاتی قسم کے اخراجات بھی اس بے چارے میاں کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔کیسے ؟آیئے دیکھتے ہیں۔

گرمیوں کی اسکول کی چھٹیاں، یہ وہ دن ہوتے ہیں جنکا انتظار بچے اور بیوی سارا سال بڑی بیتابی سے اور بڑے یعنی میاں صاحب بڑی کمیابی سے کرتے ہیں کیونکہ انکی جیب کٹنی ہوتی ہے۔ ابھی مئی کا مہینہ چڑھا نہیں ہوتا کہ بچوں

اور بیگم کی سیر و تفریح اور شاپنگ کی پلاننگ شروع ہو جاتی ہے۔ بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ چھٹیاں یا تو مری میں یا شمالی علاقہ جات میں گزاری جائیں یا پھر نانکوں کے ہاں گزاری جائیں، جب کہ باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ چھٹیاں تو دادکوں میں گزاری جائیں یا پھر خرچہ سے بچنے کے لیے صرف گھر میں ہی گزاری جائیں۔ مگر میاں بیچارہ اس کوشش میں کم ہی کامیاب ہوتا ہے، کیونکہ بچوں اور بیگم کی خواہش کے عین مطابق قرعہ فال شمالی علاقہ جات یا مری کے نام نکل چکا ہوتا ہے اور میاں کا یہ جان کر تراہ نکل چکا ہوتا ہے۔ آخری کوشش کے طور پر میاں بیچارہ ولا دینے کی بھرپور کوشش کرتا ہے کہ چلو نانکیاں دے چلو جاؤ، پھر وہاں سے ماموں جان دے نال مری چلے جانا، مگر بھائی کی جیب کٹتے دیکھ کر بیگم اس پلان کو فوراً ریجکٹ کر دیتی ہیں اور آرڈر جاری ہوئے کہ پہلے ناک کی سیدھ میں سیدھے مری جائیں گے پھر اماں کے گھر۔

میاں کے سر اور جیب پر ہل چلنے میں چھٹیوں سے کچھ پہلے کافی تیزی آ جاتی ہے، جب بیگم کی طرف سے بچے جمورں کے ورث پروگرام کی اشیائہ ضروریہ کی لسٹ پیش کی جاتی ہے۔ جن میں نئے کپڑے، جوتے، نیکر، بنیان، جرابیں، لاسٹک، پمپرز۔۔۔۔ سے لیکر ازار بند تک شامل ہوتے ہیں۔ اگر قصد نانکوں کے ہاں جانے کا ہو تو اسمیں بہت سے دوسرے لوازمات بھی شامل ہو جاتے ہیں، مثلاً بیگم کے بہن بھائیوں، بھانجے، بھانجیوں کے کپڑے لتے اور چوڑیاں، پونیاں وغیرہ

وغیرہ تاکہ اسکی موٹی پھڈی ناک کٹنے سے محفوظ رہے۔ بہر حال فائنل قصد چونکہ پہلے اس بار مری اور شمالی علاقہ جات کا ہوتا ہے لہٰذا وہاں تک جانے کا مسئلہ کہ کیسے جایا جائے۔ بیگم اپنی عرضداشت میاں کو پہلے ہی گوش گزار کر چکی تھیں کہ عام بس میں انہیں الٹیاں لگتی ہیں، اے سی کوچ میں دم گھٹتا ہے، کار کے لمبے سفر میں چکر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میاں نے تنگ آ کر کہا کہ بیگم پھر آپکے کے لیے چنگ چی رکشہ یا گھوڑا لے آتا ہوں اس پر بیٹھ کر چلی جانا، مگر جواب میں کچھ ناریبا الفاظ ہی سننے کو ملے۔ (شادی شدہ حضرات بہتر جانتے ہیں)۔ خیر جناب بیگم سے مک مکاڑین کے اے سی پارلر پر ہوا۔

بحسبِ خواہش بیگم صاحبہ، میاں صاحب یعنی شوہرِ نامدار اپنے شہر کے اسٹیشن پر گئے انہیں عرضی پیش کی کہ صاحب ہمیں اے سی یا لوور اے سی میں میں سفر کرنا ہے، بحکم بیگم جان کہ موصوفہ عام کلاس میں سفر نہیں کر سکتیں، چند سیٹیں عنایت فرما دیجیے۔ بکنگ والے صاحب نے میاں صاحب کو حیرت سے سرتاپاؤں یوں دیکھا جیسے کہ بغیر کپڑوں کے چلے گئے ہوں اور پھر مزید حیرت میں ڈالا کہ جناب اس کلاس کی بوگی ہماری مطلوبہ ٹرین میں ناپید ہے۔ دوبارہ عرضداشت پیش کی کہ جی عام سلیپر میں ہی سیٹیں دے دیں، پتہ چلا کہ جی یہ بکنگ بھی یہاں دستیاب نہیں ہے، اسکے لیے آپکو بڑے شہر جانا پڑیگا۔ میاں صاحب بڑے مایوس ہوئے کہ اب بیگم کو کیا جواب دیں گے۔ خیر چاروناچار گھر لوٹے اور کسی

طرح بیگم کو اکانومی کلاس کی سیٹ اور برتھ پر گزارہ کرنے پر راضی کر ہی لیا اور دل ہی دل میں خوش کہ کچھ پیسے بھی بچا لیے۔

تو جناب ! مقررہ دن اور وقت پر اسٹیشن پہنچنے سے پہلے ریلوے انکوائری میں گاڑی کا ارائیوال ٹائم جاننے کے لیے بہت فون کیے، مگر حسب توقع جواب ندارد، بچے اور بیگم اس فکر میں کہ کہیں گاڑی نہ نکل جائے اور جلد جانے کے لیے بے چین۔ اسٹیشن پہنچے تو پتہ چلا کہ ہماری مطلوبہ گاڑی آج صرف ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ لو جناب ایک گھنٹہ لیٹ گاڑی آ گئی۔ ہر بندہ گاڑی پر ایسے ٹوٹ پڑا جیسے چیل گوشت پر۔ جیسے تیسے میاں صاحب بھی دھکم پیل کرتے بمعہ اہل و عیال و سامان ایک ڈبہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اپنی بک شدہ سیٹ اور برتھ پر پہنچے تو ان سیٹوں اور برتھ پر پہلے سے کچھ غیر متعلقہ افراد کا قبضہ تھا۔ میاں صاحب نے ڈرتے ڈرتے پہلے بیگم اور بچوں کی طرف دیکھا، آستینیں چڑھائیں پھر ان غیر متعلقہ افراد کو بڑھک لگائی کہ سیٹیں خالی کریں، مگر انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔ بیگم کو بہت غصہ آیا اور حسب عادت گھر کی طرح نہایت گرجدار آواز میں انہیں اٹھنے کا حکم دیا تو بیگم کی ڈر کی کام آ گئی، سیٹیں خالی تو ہو گئیں مگر اس شرط پر کہ انکی ایک عدد مریضہ کو فلاں جگہ تک ساتھ بٹھایا جائیگا۔ خیر انسانی ہمدردی کے ناطے، جو کہ میاں میں (بیگم میں نہیں) کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، مان گئے۔ جب میاں صاحب نے اوپر اپنی

برتھ پر نظر ڈالی تو وہاں پر بھی دو عدد خواتین فراش تھیں اور انہوں نے بھی برتھ خالی کرنے سے ایسے صاف انکار کر دیا، جیسے سیاستدان کرسی چھوڑنے سے کرتے ہیں۔
اب حالت یہ تھی کہ میاں صاحب چار سیٹیں بک کرانے کے باوجود بھی سیٹوں کے درمیان کھڑے تھے اور دوسرے لوگ سیٹوں پر براجمان تھے۔ خیر کچھ تگ و دو کے بعد میاں صاحب اپنی سیٹیں اور برتھیں لینے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ کچھ دیر بعد واش روم کی حاجت ہوئی، وہاں گئے تو پتہ چلا کہ پانی والا ٹینکر خراب ہونے کی بنا پر پانی نہیں آیا۔ دوسرے واش روم گئے تو وہاں سرے سے ٹونٹی ہی نہ تھی۔ مجبوراً میاں صاحب کو ٹیشو پیپر پر گزارہ کرنا پڑا۔ خیر جناب! جیسے تیسے پندرہ گھنٹے سفر کرنے کے بعد بچے کھچے گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا تو کبھی پانی پلانے پہ جھگڑا کے مصداق اور سیاستدانوں کے لڑائی جھگڑے کی طرح شیشے والی سائیڈ پر بیٹھنے کے چکر میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے، اور اترتے ہی واپسی کی کمپیوٹرائزڈ بکنگ بھی کرالی۔ پھر پنڈی سے مری تک کا سفر بھی ویگن وغیرہ سے افورڈ نہیں کیا کہ جی رات بھر سفر کے بعد اب کہاں ویگنوں اور بسوں کے دھکے کھاتے پھریں، سب کی یہی خواہش کہ بس جلد از جلد منزل مقصود یعنی مری پہنچا جائے۔ جس کے لیے ظاہر ہے کہ اسٹیشن سے پھر سپیشل کار۔ چار و نا چار۔
مری پہنچ کر بیگم کی طرف سے پھر ارجنٹ آرڈر جاری ہوئے کہ کسی اچھے سے کم

چڑھائی والے ہوٹل میں قیام و طعام کا اہتمام ہونا چاہیے، تاکہ انہیں اور بچوں کو چڑھنے اترنے میں آسانی رہے اور پاؤں کی موچ سے بھی محفوظ رہا جاسکے۔ یوں بیگم کے مذکورہ خیالات سے میاں کے کسی سستے سے ہوٹل میں رہنے کا خواب چکنا چور ہو گیا اور ساتھ یہ حکم بھی جاری ہوا کہ بچوں کے لیے کمرے میں ایکسٹرا گدے کے بجائے ایکسٹرا بیڈ لگوایا جائے، کہ بچے فرش پر نہیں سوئیں گے، کہ کہیں کان یا ناک میں مری کے مشہور و معروف کھٹمل نہ گھس جائیں۔ مری میں اچھا اور سستا کمرہ ڈھونڈنا بھی ایسا ہی ہے جیسے الیکشن کے بعد سیاستدانوں کو ڈھونڈنا۔ بہرحال ! دو گھنٹوں کی محنتِ شاقہ تگ و دو اور مختلف ہوٹلوں میں اترائی چڑھائی کے بعد بلآخر بیگم کی پسند اور میاں کی ناپسند کا ایک کمرہ پسند آ ہی گیا کیونکہ اسکا کرایہ بہت زیادہ تھا۔ کمرے میں پہنچتے ہی بچوں نے ایسے نعرہ مستانہ بلند کیا جیسے دیبل کا قلعہ فتح کر لیا ہو۔ شور شرابا سن کر ہوٹل کی انتظامیہ دوڑی دوڑی آئی کہ شاید کمرے میں سے کوئی بچھو، سانپ یا کوئی اور ممنوعہ شے تو برآمد نہیں ہو گئے۔ خیر میاں صاحب نے بڑی مشکل سے ہوٹل والوں کو سمجھا بجھا کر واپس کیا۔

کچھ آرام کرنے کے بعد بچوں اور بیگم کی طرف سے کچھ کھسر پھسر کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ کھانے کے لیے ہوٹل سلیکٹ کیے جارہے ہیں کہ صبح، دوپہر، شام کہاں ہو گا طعام۔ تو جناب ! ابتدا کے ایف سی

کے ایک مہنگے ترین کھانے سے ہوئی۔ میاں نے لاکھ کوشش کی کہ کسی ہلکے پھلکے ہوٹل میں ایک دو پلیٹ میں گزارہ ہو جائے، مگر بیگم اور بچوں نے میاں کی یہ کوشش ایسے ہی ناکام بنادی جیسے حکومت دہشت گردی کی ہر کوشش ناکام بناتی ہے۔ بہر حال! جب تلک مری میں اسٹے رہا بیگم اور بچوں کی فرمائش پر، میاں صاحب کی جیب پر گراں گزرنے کے باوجود کے ایف سی، پنزا ھٹ، اور ریڈ اونیون، وائٹ اونین اور دیگر مہنگے ترین ہوٹلوں میں کھانا معمول کے مطابق جاری رہا اور ہیپاٹائٹس کے خوف سے پینے کے لیے بیگم کی فرمائش کے عین مطابق عام پانی کی جگہ منرل واٹر کا بے دریغ استعمال ہوا۔ بلکہ بعض جگہ پر تو پانی ناپید ہونے کی بنا پر بچوں کے منہ ہاتھ اور پوٹی بھی بیگم نے منرل واٹر سے دھوئے اور میاں صاحب یہ سب دیکھ کر آنسو پونچھتے رہے۔

مری کی سیر کے دوران بچہ گاڑی ہائیر کرنا بھی ایک فیشن ہے، کیونکہ بچے تو بچے، بڑے بھی اکثر اونچے نیچے راستوں پر چل چل کر تھک جاتے ہیں اور ان بچہ گاڑیوں پر سیر کرتے نظر آتے ہیں۔ مری میں بچہ گود میں اٹھا کر گھنٹوں چلنا بھی ایک بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے۔ یوں پھر چھوٹے والے سمپل یعنی بچے کے لیے بچہ گاڑی کا یہ ناجائز خرچہ بھی میاں کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بیگمات اپنے گھر میں سارا دن بچے کو سنبھال لیں گی، مگر گھر سے نکلتے ہی یہ کام میاں صاحب کو سونپ دیا جاتا ہے کہ اپنے کپڑوں کی استری اور چہرے کا میک اپ

خراب نہ ہو۔ بلکہ بعض جگہوں پر تو بیگمات بھی اس سواری سے خوب لطف اندوز ہوتی ہیں اور کئی جگہ پر تو یہ بچہ گاڑیاں لحیم شحیم بیگمات کو اٹھانے سے انکاری ہو کر پنکچر ہو جاتی ہیں۔ مری جا کر مال روڈ پر ساری رات یونہی گھومنا پھرنا اور مٹر گشت کرنا بھی ایک فیشن ہے۔ اپنے گھر میں بعد نمازِ عشاء سو جانے والے بھی تہجد تک مال روڈ پر آنکھ مٹکا کرتے نظر آتے ہیں۔ اسکے علاوہ جتنی دیر آپ وہاں رہیں گے تو وہاں موجود مختلف قسم کے لوازمات مثلاً آئس کریم، چپس، چاٹ، چنے، چائے، کافی وغیرہ کی ڈیمانڈ بھی وقتاً فوقتاً آتی رہے گی اور میاں بیچارے کی جیب پر چھری چلتی رہیگی۔ بقول بیگم کہ یہ دن کونسا روز روز آتے ہیں۔ لہٰذا پیٹ میں گنجائش ہو کہ نہ ہو کھانا سب کچھ ہوتا ہے بیشک موشن ہی لگ جائیں۔ ارے ہاں موشن پر یاد آیا کہ مری میں تو ایک بار لیٹرین جانے کے بھی دس روپے لیتے ہیں اور یوں سینکڑوں روپیہ تو لیٹرین کی نظر ہو جاتا ہے کہ بچے اِدھر کھاتے ہیں ادھر بگتے ہیں۔ یوں میاں کی جیب کا خوب کباڑا کرایا جاتا ہے۔ مری جائیں اور دیگر آلے دوالے کے صحت افزا مقامات کی سیر نہ کی جائے تو یہ ناممکن سی بات نظر آتی ہے۔ میاں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ سفر کسی عام سی گاڑی میں کر لیا جائے تاکہ پیسوں کی کچھ بچت ہو جائے تاہم میاں کی یہ کوشش بھی ایسے ہی ناکام ہوتی ہے جیسے کہ مادھوری اور مرحوم ایف ایم حسین شادی

میں ناکام رہے اور حکم صادر ہوتا ہے کہ جی سارا دن کے لیے سپیشل کار بک کرائی جائے اور ایوبیہ، نتھیا گلی، نیلم پوائنٹ، پتریاٹہ، اسوزو پارک، خانس پور اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارات کرائی جائیں جو کہ ظاہر ہے ایک دن میں نہیں ہو تیں اور چار روز تلک روزانہ سپیشل کار، چاہے جہاں بھی گئے میرے یار۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میاں کو یہ کڑوی ڈبل کونین بھی بغیر پانی کے ایسے نگلنی پڑتی ہے جیسے عوام کو ہر ماہ نہ چاہتے ہوئے بھی مہنگائی نگلنی پڑتی ہے۔ اسکے علاوہ چیئر لفٹ اور کیبل کار، کے اخراجات علیحدہ ہوئے۔ اسوزو پارک میں تو ایک بار بچے اور بیگم گھسے تو ایسے پھیلے کہ نکلنے کا نام نہ لیں، بندر کی طرح ایک جھولا چھوڑا تو دوسرے پر، دوسرے سے تیسرے پر اور تیسرے سے چوتھے پر، اور تو اور بیگم بھی جھولے لینے میں پیش پیش رہیں۔ میاں نے لاکھ کہا کہ بیگم آپکی عمر اب جھولے جھولنے کی نہیں جھلانے کی ہے (پوتے پوتیوں کو)، مگر بیگم سنی ان سنی کرتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر خود بھی بچہ بن گئی اور بچپن میں انہیں بچپن یاد آنے لگا۔

میاں صاحب نے لاکھ کوشش کی کہ مری کا یہ دورہ مختصر ہو کر چار پانچ دن پر محیط رہے کہ آگے بیگم کی اماں کے گھر بھی جانا ہے، مگر اہلخانہ نے دس دن سے پہلے ملنے کا نام ہی نہیں لیا۔ چاروناچار میاں کو بھی بادل نخواستہ انکا ساتھ زبردستی دینا پڑا۔ پھر ایک روز بلآخر بیگم کو انکے ابا اور منے کے

سر کی قسم دیکر بتایا کہ جیب اب واقعی خالی ہونے کو ہے لہٰذا جلد کوچ کی تیاری کر لو ورنہ تمہاری اماں کے ہاں نہ جا سکیں گے، تو تب جا کر بیگم کو یقین آیا وہ بھی اس شرط پر کہ جاتے جاتے مری سے اچھی سی شاپنگ ضرور کرائیں، یعنی بچوں کے کھلونے، بیگم کے نئے سوٹ، سسرالیوں کے بائے نیم الگ الگ گفٹ، مری کی سوغات کے طور پر، وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے مری سے شاپنگ کا مطلب ہے ہر چیز کے دگنے چگنے دام۔ نتیجہ پھر وہی میاں کی جیب پر استرا۔

واپسی پر جب میاں صاحب بمہ اہل و عیال اسٹیشن پر اپنی کمپیوٹرائزڈ بکنگ والی سیٹوں پر پہنچے تو وہاں پر بھی ایک فیملی پہلے سے براجمان تھی، اور حیرانگی اس بات پر تھی ان سیٹوں پر نمبرنگ تین بار کی گئی تھی۔ پہلے والے اصلی نمبر دوسرے والے کالے مار کر سے اور تیسرے والے سفید چاک سے لکھے گئے تھے، اور ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ،، چاک والے نمبر درست ہیں،،۔ اب میاں صاحب کبھی کمپیوٹرائزڈ بکنگ والے نمبروں کو دیکھیں اور کبھی چاک والے نمبروں کو، کہ پتہ نہیں کون سے درست تھے۔ لو جناب یہاں بھی سیٹوں کے پیچھے پھڈا شروع۔ میاں صاحب کو جھگڑتا دیکھ کر ایک نیک بخت نے مشورہ دیا کہ آپ اس سلسلے میں ٹرین کے ٹی ٹی سے رابطہ کریں۔ ٹی ٹی صاحب کو ڈھونڈا اور انہیں اپنا مدعا بیان کیا تو بہت برھم ہوئے اور نہایت غصہ میں کہنے لگے کہ میں سیٹیں الاٹ کرنے والا ٹی ٹی نہیں بلکہ سامان والا ٹی ٹی ہوں۔ خیر صاحب

سیٹوں والے ٹی ٹی صاحب کو بھی میاں صاحب نے ٹرین چلنے سے چند منٹ پہلے گاڑی کے انجن کے پاس جا ہی لیا۔ مدعا بیان کرنے پر انہوں نے بھی پہلے کچھ چی پاں کی، مگر بعد ازاں بغیر کچھ لیے دیے حیران کن طور پر سیٹوں کا مسئلہ بالآخر حل کرا ہی دیا۔

دوبارہ پندرہ گھنٹے کی ٹریول کے بعد سسرال پہنچے (وہاں کا حال نہ ہی لکھا جائے تو بہتر ہے کہ بیگمات ناراض ہو جائیں گی)۔ کچھ روز سٹے کرنے کے بعد بیگم نے بمشکل گھر واپسی کا قصد کیا، اسٹیشن پہنچے ، رات گیارہ بجے کی ٹرین رات ایک بجے آئی، بچوں کا نیند سے برا حال، بیگم پریشان، ساتھ سسرالی بھی، کہ جلدی سے مطلوبہ گاڑی آئے تو انہیں دھکا دیں، اور گھر جا کر آرام کریں۔ خیر جناب ! صبح کے چھ بجے ایک اور ٹرین چینج اور کے لیے ایک اسٹیشن پر اترے۔ ٹرین جانے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، قلی صاحب سے بکنگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے میاں صاحب کو سرتاپاؤں ایسے دیکھا جیسے اس سے کوئی الجبرا کا سوال پوچھ لیا گیا ہو۔ قلی صاحب نے فرمایا کی جناب اس ٹرین کی بکنگ نہیں ہوتی۔،، توانوں پتا نئیں جے ،،، جہاں مرضی آئے قبضہ کر لیں، اور پوچھنے پر مزید بتایا کہ گاڑی پلیٹ فارم نمبر 2 سے روانہ ہوگی۔ میاں صاحب نے پلیٹ فارم نمبر 2 بہت تلاش کیا، مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا کہ شاید بہت چھوٹا تھا یا پھر میاں کی آنکھوں میں ککرے آ گئے تھے۔ پھر ایک صاحب

نے پوچھنے پر ایک جانب دور کا اشارہ کرکے بتایا کہ وووووووووووووووہ رہا پلیٹ فارم نمبر 2، دراصل وہ پلیٹ فارم نہیں بلکہ گاڑیوں کا ایک شنٹنگ پوائنٹ تھا۔ میاں صاحب نے جلدی جلدی چھوٹو کو گود میں اور بیگ بغل میں داب کر چلنے کو کوشش کی تو لڑکھڑا کر گرُپڑے اور چھوٹے میاں نیچے گرتے ہی دھاڑنے لگے ۔ بیگم نے اپنے بچے کا یہ حال دیکھا تو وہیں جلی کٹی صلواتیں سنادیں جسے ساتھ گزرنے والے سب لوگ سن سن کر انجوائے کرتے رہے۔ میاں صاحب دوبارہ جلدی سے کپڑے جھاڑ کر اٹھے ہی تھے کہ بیگم نے پھر آرڈر جاری کیے کہ اس بڑھاپے یہ آپکے بس کا کام نہیں کوئی قلی کر لیں۔ لو جناب اقلی صاحب نے سو روپیہ لیکر منزلِ مقصود یعنی گاڑی تک پہنچایا اور تین سیٹوں کا قبضہ بھی دلوا دیا۔

گاڑی کیا تھی بس گاڑی کے نام پر ایک ٹوٹا پھوٹا ڈبہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی میاں صاحب کے پاؤں کے نیچے سے واقعی زمین نکل کر نیچے دوسری زمین نظر آنے لگی، یعنی جہاں میاں صاحب کا پاؤں دھرا تھا اسکے عین نیچے فرش میں ٹاکی لگا کر بوگی کے ٹوٹے فرش کو چھپانے کی ناکام سی کوشش کی گئی تھی۔ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ باسانی گاڑی کے وہیل دیکھے اور گنے جا سکتے تھے۔ اس گاڑی میں ایک ایک بندے نے چار چار سیٹیں ملی ہوئی تھیں، اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا ابھی میاں صاحب گاڑی کے چلنے کی اناؤنسمیٹ، یا گاڑی کے ہارن کے بارے

میں سوچ ہی رہے تھے کہ حیرت انگیز طور پر گاڑی بلکل آن ٹائم چل پڑی وہ بھی بغیر کسی انا ؤ نسمیٹ اور گاڑی کے ہارن کے اور حیرت انگیز طور پر ہمیں آن ٹائم اپنی منزل مقصود پر بخیر و عافیت پہنچا دیا۔ جس کے لیے میاں صاحب ریلوے والوں کے بیحد مشکور ہوئے۔ تا ہم ایک شکایت کہ ہمارے ریلوے ڈیپارٹمنٹ نے چھوٹے اور پسماندہ علاقوں کے لوگوں کے لیے ایسی تھکڑ قسم کی گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں کہ ان میں بندہ ایک بار سفر کرے تو تین دن تک بستر سے نہ اٹھے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان علاقوں میں کوئی حیوان یا شودر انسان بستے ہیں جو کہ اچھی گاڑیوں اور اچھی کلاس میں سفر کرنے کے مستحق ہی نہیں ہیں۔

اَٹ لاسٹ بیوی بچے خوش خوش اور میاں صاحب چپ چپ لٹے پٹے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے تو میاں صاحب کی جیب میں ناشتے کے پیسے بھی نہ تھے۔ میاں صاحب سوچ میں پڑ گئے کہ یار یہ گرمیوں کی چھٹیاں آخر ہمارا کباڑہ کرنے کو آتی ہی کیوں ہیں؟ کیا آپ کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوتا ہے؟

کیا واقعی تمام مسائل کا حل انقلاب میں ہے؟

پاکستان میں آیا ہر جمہوری اور غیر جمہوری حکمران عوام کی خدمت کے نعرہ مستانہ سے میدان میں آتا ہے مگر آتے ہی اسی بیچاری عوام کو سرِ عام رگڑا لگا کر خود ہی اپنے آپ کو فاتح قرار دیکر، عوام کو مختلف مسائل میں الجھا کر، کھلے میدان میں بلکتا چھوڑ کر۔ روزی روٹی کے پیچھے لگا کر بیرونِ ملک راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔آ مریت ہو تو یہ نام نہاد جمہوری اور عوام کے خادم سیاستدان، عوام کو جمہوریت ، جمہوریت کا راگ پاٹ صبح شام سنا کر اسکے اتنے انگنت فوائد بیان کرتے ہیں کہ خمیرہ گاؤ زبان عنبری سمیت دیگر تمام خمیرہ جات اور تمام ادویات کے فوائد کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور آ مر حضرات، جن کی حکمرانی پاکستان میں زیا دہ عرصہ رہی، وہ ان سیاستدانوں اور جمہوریت کی برائیاں بیان کر کرکے عوام کو اتنا بیزار کرتے ہیں کہ وہ انکا اور جمہوریت کا نام لینا بھی اچھوت سمجھتے ہیں یا جوتے کے تلے میں لکھ لیتے ہیں۔ حکمران چاہے سیاسی رہا یا غیر سیاسی عوام کے حقیقی مسائل سے سبھی نے چشم پوشی اور طوطا چشمی کی۔ عوام کو ورغلانے کے لیے کبھی انکے تمام دکھوں، پریشانیوں، مہنگائی بیروزگاری، دہشت گردی کا مداوا اور تمام مسائل کا حل جمہوریت میں بتایا گیا، کبھی عدلیہ بحالی میں، کبھی 58-2B ، کبھی سترھویں اور اٹھارویں ترمیم تو کبھی اسلامی

نظام میں اور اب کچھ عرصے سے تمام مسائل کا حل انقلاب انقلاب میں گردانا جارہا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام کار گزاریوں سے عوام کو آجتک کوئی فائدہ نصیب نہ ہوا ہے۔ہر جمہوری اور غیر جمہوری حکمران خود کو پاکستان کے لیے لازم و ملزوم گردانتا رہا اور یہی روش موجودہ حکومت کی بھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نہ رہے تو ملک نہ رہیگا، ہمارے بغیر کوئی ملک کو نہیں چلا سکتا (حالانکہ انکے بغیر ملک زیادہ احسن طریقے سے چلتا ہے) ، دو سال اور دے دیں، تمام وعدے وعید پورے کریں گے ، وغیرہ وغیرہ۔ پچھلے کچھ عرصے میں بڑھی ہر غریب امیر کی ضرورت کی صرف چار اشیاء پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ 2000 میں آٹا 9 روپے کلو، گھی 60 روپے کلو، چینی 15 روپے کلو، چنے کی دال 28 روپے کلو تھی۔ 2005 میں آٹا 12 روپے کلو، گھی 80 روپے کلو، چینی 27 روپے کلو، چنے کی دال 32 روپے کلو تھی۔ 08/2007 میں آٹا 16 روپے کلو، گھی 115 روپے کلو، چینی 24 روپے کلو، چنے کی دال 48 روپے کلو تھی۔اور اب 2011 میں نام نہاد حقیقی جمہوریت بحال ہونے اور عوام کی خادم اور ملک کی سب سے بڑی پارٹی ہونے پر نازاں و فرحاں اس حکومت میں یہ قیمتیں آسمانوں پر ہیں کہ : آٹا 30 روپے کلو، گھی 190 روپے کلو، چینی 70 روپے کلو، اور چنے کی دال 80 روپے کلو ہے۔ اسکے علاوہ دیگر اشیائِ ضروریہ بھی عام آدمی کی پہنچ سے ایسے دور ہوتی جارہی ہیں جیسا کہ زمین سے چاند۔ کلو چیز خریدنے والا پاؤ اور پاؤ والا چھٹانک چیز خریدنے پر مجبور ہے اور بجلی اور گیس کے بلوں میں آئے روز

اضافے نے بھی عوام کی کمر دوہری کرکے اسے کبڑا بنا دیا ہے۔ اگر مہنگائی کے یہی حالات رہے تو لگتا ہے کچھ عرصہ بعد لوگ یہ اشیاء سونا کی طرح رتی اور ماشے میں خریدا کریں گے اور مزید کچھ عرصہ بعد اپنے بچوں کو ان اشیاء کے بارے میں صرف کہانیاں سنایا کریں گے کہ ؛؛ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم آٹا، چینی، گھی اور دالیں وغیرہ روزانہ کھایا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ ؛؛ مندرجہ بالا موازنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ملک میں چاہے جمہوریت رہی، یا آمریت، عدلیہ آزاد رہی یا قید، قانون میں ترامیم ہوئیں یا نہیں، صدر صاحب کا رنگ برنگی گیلریاں اور مرحومہ کی تصویر سجا کر، پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب ہوا یا نہیں، قاتل لیگ کو وزارتوں کی بندر بانٹ طے ہوئی کہ نہیں، کشمیر میں تقاریر کے مقابلے کے بعد کس کو کتنی سیٹیں ملیں، سیاستدان چھٹیاں لندن میں منا رہے ہوں، چاہے دبئی میں، بابر اعوان اور رانا ثناء اللہ کے بیانات میں جیت کس کی ہوئی؟ بینظیر انکم سپورٹ پروگرام سے کس کس نے فائدہ اٹھایا، ڈرون حملوں میں کتنے بے گناہ روز مارے جا رہے ہیں ۔۔۔۔۔ الغرض کچھ بھی ہوا، عوامی مشکلات اور مہنگائی، بیروزگاری میں کمی کی بجائے ہمیشہ اضافہ ہی دیکھنے میں آیا۔ پچھلے تین سال میں تو ویسے بھی ہم برِ صغیر میں مہنگائی میں پہلے نمبر پر آ گئے ہیں اور اسی لیے ب دال بھی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو گئی ہے تو سوچیے کہ آئندہ کیا کچھ دور ہو جائیگا۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق اب تو عوام روٹی بھی ادھار کی کھا رہے ہیں۔ حالیہ بجٹ بھی اسامہ

کی بھول بھلیوں میں گم ہوگیا کہ کتے اور بلیوں کو خوراک پر سے ڈیوٹی ہٹا کر انسانوں کی استعمال کی تقریبا تمام اشیاء پر ڈیوٹی لگا اور بڑھا دی گئی ہے۔زرد۔آریوں سے کٹنے کے باوجود، کتے کی طرح گھیل۔آنے کے باوجود، عوام کی، نو۔آواز سننے والے، صرف نام کے فضل اور رحمان والے، تقاریر کے شوق میں عوام کے قیمتی مین آورز ضائع کرانے والے، تبدیلی کانعرہ لگانے والے خان، کل تک فوج کی رسیا اور اور آج کی ناقد مذہبی جماعت نہ جانے پاکستانی عوام ان نام نہاد سیاستدانوں کے کرتوتوں کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی ان کے پیچھے کیوں بھاگتے ہیں ؟۔کیا ہمارے ملک کے عوام کا مقدر صرف انہی نام نہاد سیاستدانوں اور لٹیروں کے ہاتھوں میں رہ گیا ہے؟، کیا کوئی اور نظامِ حکومت یہاں نہیں لایا جاسکتا؟ کیا ہم سدا اسی طرح بھیک منگوں کی طرح زندگی گزاریں گے ؟ کیا ہماری آئندہ نسلیں بھی یونہی گروی رہیں گی ؟۔ قائد نے تو ہمیں خدانخواستہ ایسا لنگڑا لولا پاکستان نہیں دیا تھا، قائد نے تو ہمیں ایسے سیاستدان نہیں دیے تھے، قائد نے تو ہمیں یو ں لڑنے جھگڑنے کو نہیں کہا تھا، یہ سب تو ہمارا اپنا کیا دھرا اور ہمارے گذشتہ اور موجودہ سیاستدانوں کی وجہ سے ہے۔آج ملک پاکستان کا یہ حال ہے کہ پاکستان کا نام آتے ہی دنیا میں لوگوں کے اذہان میں دہشت گردی گھوم جاتی ہے۔پاکستانی دہشت کا نشان سمجھا جارہا ہے۔ عوام سے گذارش ہے کہ خدارا ان انسان نما شیطانوں کو پہچانو اور انہیں دفعہ دور کرو اور اپنے پیارے وطن کو سنوارنے اور ترقی یافتہ ممالک کی

فہرست میں لانے کے لیے کوئی اور نظام لانے کی کوشش کریں۔ ان نام نہاد سیاستدانوں نے کبھی بیروزگاری، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، دہشت گردی کے خلاف کوئی قابلِ ذکر لونگ مارچ یا احتجاج نہیں کیا، کبھی اپنی اولاد کو جہاد کے لیے نہیں بھیجا، کبھی لوڈ شیڈنگ کو برداشت نہیں کیا، کبھی غربت نہیں دیکھی، کبھی اپنے بچوں کو کالے پیلے ٹاٹ والے اسکولوں میں نہیں بھیجا، جنکے کتے بلیوں کے کھانے بھی جرمنی اور فرانس سے آتے ہوں، جو پانی بھی فرانس کا پیتے ہوں، جنکے انگنت محل ملک اور بیرون ملک ہوں، جن کے بنک اکاؤنٹ ہی غیر ممالک میں ہوں، جنہیں چھینک بھی آجائے تو ڈاکٹر کو چیک کرانے لندن جا پہنچتے ہوں، تو سوچیے یہ کیا ہمارا احساس کریں گے۔ یہ تمام سیاسی، مذہبی اور فوجی حکمران نہ پہلے کبھی عوام کے تھے اور اور نہ آئندہ ہونگے۔ لہٰذا تمام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فلانے سیاستدانوں سے بھی دست بدستہ گزارش ہے کہ عوام کو پرانے گھسے پٹے نعروں اور اب انقلاب انقلاب کے جدید نعروں سے مزید بے وقوف بنانے کی بجائے حقیقی معنوں میں ریلیف کے لیے سوچیں۔ ورنہ عوام انکے دھڑن تختے کے لیے کچھ سوچیں گے۔

روزے دارو اللہ کے پیارو

روزوں کا مہینہ امت مسلمہ کے لیے اللہ پاک کا ایک بہت بڑا انعام ہے، جسمیں آسمانی شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے، جب کہ زمینی شیطانوں کا پٹہ شاید خود بخود کھل جاتا ہے اور وہ کھل کر اپنا شیطانی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بد بخت، بد نصیب، لالچی، حرام خور، ذخیرہ اندوز، اس ماہ مبارک کی اہمیت اور فضیلت کو نہ سمجھتے ہوئے بھوکے بٹیروں کی طرح مارکیٹ میں کمانے کے لیے ایسے وارد ہوتے ہیں کہ جیسے پورے سال کی کمائی صرف اسی ماہ ماہ مبارک میں کرنی ہے۔ اپنی مرضی کا منافع کمانے کے لیے ماہ رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی انکے گودام روز مرہ کی اشیاء سے ایسے لبالب بھر جاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کسٹم والوں کی یا تحصیل کچہری کے کلرکوں کی جیبیں پیسوں سے بھری ہوتی ہیں۔ یہ حرام خور، ذخیرہ اندوز اسوقت تک اس کام میں لگے رہتے ہیں جب تلک کہ اس حرام کی کمائی سے نکو نک نہ ہو جائیں۔ حیرت کی بات یہ کہ انہیں نکو نک کرنے میں اور عوام کا گلا اور جیب کاٹنے میں انتظامیہ انکا بھر پور ساتھ دیتی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ سیب 100 روپے کلو، کیلا 60 روپے درجن، انگور 200 روپے کلو، آڑو 80 روپے کلو، آم 60 روپے کلو اور کھجور 50 روپے پاؤ بک رہی ہے۔ دوسری طرف سستا آٹا اور سستی چینی کے لیے لائنوں میں لگے عوام ایک دوسرے کو ننگ دھڑنگ کر رہے

ہوتے ہیں، ایک ٹرک سستے آٹے یا چینی کا آتا ہے تو ہزاروں لوگ اسپر ایسے پل پڑتے ہیں جیسے شہد کے چھتے پر مکھیاں، اور شریف آدمی دور کھڑا اپنے نصیب کو کوستا رہتا ہے۔ حکومت دعوے تو کرتی ہے کہ اربوں کی سبسڈی دے رہی ہے، تاہم پتہ نہیں چلتا کہ یہ سب۔ سڑی کہاں سڑ رہی ہوتی ہے۔ نام نہاد رمضان بازاروں میں نہ دکاندار ہیں اور نہ خریدار۔ اتنی مہنگی اشیاء تو غریب صرف چھو ہی سکے گا کہ خرید کر کھانا اسکے بس میں نہیں۔

ہر سال حسب روایت رمضان المبارک کا چاند انتہائی غور سے دیکھنے اور شواہد جمع کرنے کے لیے رویت ھلال کمیٹی کا اجلاس بلایا جاتا ہے۔ عموما یہ ہوتا ہے کہ رات بارہ بجے جب آدھے لوگ سو چکے ہوتے ہیں، آدھے لوگ تراویح کے انتظار میں مساجد میں بیٹھ بیٹھ کر سوکھ جاتے ہیں، یا پھر کئی امام حضرات تنگ آکر تراویح پڑھا بھی چکتے ہیں، اور کئی گھروں کو سونے چلے جاتے ہیں، تو چاند نظر آنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے، پتہ نہیں یہ رات دس بارہ بجے کونسا چاند دیکھتے ہیں؟؟ اس بار بھی ہمارے سرحدی بھائیوں کو رمضان المبارک کا چاند ایک روز پہلے ہی نظر آگیا اور یہ بھی شکر رہا کہ بقیہ پورے ملک میں بھی چاند ٹائملی نظر آگیا ورنہ ہوتا وہی ہے جو پہلے لکھا ہے۔

رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی پہلے دو چار روز تو مساجد میں نمازیوں کی

بڑی لمبی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں، پھر آہستہ آہستہ یہ گراف گرنا شروع ہو جاتا ہے، اور پھر جیسے ہی بیس دن گزرتے ہیں دوبارہ سے مساجد بھرنا شروع ہو جاتی ہیں، زیادوتر لوگ تو آخری عشرہ کا ثواب کمانے کے لیے مساجد میں آتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف ختم شریف کی مٹھائی کھانے کے چکر میں مساجد کا رخ کرتے ہیں۔ اور تو اور محلے یا شہر کی جس مسجد میں بھی رمضان شریف کے قرآن کے ختم کی خبر ملے یہ فورا وہاں پہنچ جاتے ہیں، صرف مٹھائی کھانے کو۔کچھ ایسے ہی روزہ خور حضرات افطاری کے دائم مسکین سی شکل بنائے مساجد میں بھی بکثرت وارد ہوتے ہیں تاکہ پرائے مال پر ذرا ستھرا ہاتھ صاف کر سکیں اور تو اور انتظامیہ میں شامل ہو جاتے ہیں، تاکہ خاص خاص مال سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ کچھ کام چور اور سینہ زور حضرات جو کچھ نہیں کرنا چاہتے وہ ان دنوں اعتکاف میں بھی بیٹھے نظر آتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنا زیادہ دائم عبادت میں گزاریں، منڈے شنڈے اکھٹے ہو کر رات رات بھر مساجد میں گپیں ہانکتے نظر آتے ہیں اور دوسروں کی عبادت میں مخل ہوتے ہیں۔ دن میں کسی بچے کو کوئی کام کہہ دو تو فورا مسکین سی صورت بنا کر روزہ کا بہانہ بنا دیتے ہیں چاہے روزہ ہو کہ نہ ہو۔ اسکے علاوہ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے ہڈ حرام جو پورا سال کچھ نہیں کرتے ان دنوں روزوں کا بہانہ کرکے مزید ×××× پر اتر آتے ہیں، 10 بجے ڈیوٹی پر آئے اور 12 بجے چھٹی کرکے غائب۔

دوسری طرف بازار کا حال دیکھیے کہ اتنی مہنگائی اور گرانی کے باوجود لگتا نہیں کہ مہنگائی ہے، سموسے، پکوڑے، جلیبی، کھجلا، پھینیاں، چکن رول اور دیگر سامان سحر و افطار کی دکانوں پر لوگ یوں پلے پڑے ہوتے ہیں، کہ جیسے کبھی یہ اشیاء ان کے لعاب دہن سے ہو کر بھی نہ گزری ہوں یا یہ کہ اس بار نہ ملا یا نہ کھایا تو کبھی نہ ملے گا، یا جیسے فری بٹ رہی ہوں۔ دوسری طرف غریب کی بیگم ایک ھاتھ میں تھیلا اور دوسرے میں سو روپے تھما کر کہتی ہیں کہ پورے ہفتے بھر کا فروٹ لے آنا، میاں واپس آتے ہیں تو اس میں ایک افطاری کا سامان بھی پورا نہیں ہوتا۔اس بھلیے لوکے کو کیا پتہ کہ باہر کتنی مہنگائی ہے۔ آجکل آلو مہنگے یعنی 60 روپے اور سیب نمبر دو سستے یعنی 50 روپے کلو ہیں۔ میاں نے تو تنگ آ کر کہ دیا کہ بیگم سیب کے ہی پکوڑے بنا لو، اور سالن میں بھی آلو کی جگہ سیب استعمال کرو۔ وہ تو شکر رہا کہ بیگم روزے سے تھیں ورنہ انکا جواب کئی روز تک کانوں میں رس گھولتا رہتا۔ گھر میں جتنے بندے ہوتے ہیں اتنی ہی اشیاء کہ سب کی الگ الگ پسند۔ کسی نے شکنجوی پینی ہے تو کسی نے روح افزا تو کسی کو لسی پسند ہے، سادہ پانی کو تو رقیب روسیاہ کی طرح ان دنوں ایسا جانتے ہیں کہ جیسے اسمیں جمال گھوٹا ملا ہوا ہو۔ افطاری کے ٹائم بڑوں سے زیادہ بچے پکوڑوں، سموسوں، دہی بھلوں اور دیگر لوازمات پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں، ادھر سائرن بجا اور بچوں کی

کاروائی شروع، بعض دفعہ تو بڑوں کو صرف پانی پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ رمضان المبارک میں صبح کی سحری کا آغاز ایسے ہوتا ہے کہ ہر روز صبح سویرے میاں کا بیگم سے پھڈا ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے، بیگم کو دس بار اٹھاؤ تو تب جا کر ایک بار اٹھتی ہے، اور بجائے اس کے کہ بیوی میاں کو اٹھائے، میاں صاحب بیوی کو اٹھا رہے ہوتے ہیں، کیونکہ آلو اور قیمے کے پراٹھے، پھینیاں اور دیگر لوازمات جو تیار کروانے ہوتے ہیں۔ روزوں کا مہینہ جہاں روزہ داروں کیلئے رحمت ہے، وہیں روزہ خور حضرات کے لیے باعث زحمت بھی ہے کہ انہیں کھانے پینے میں شدید تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ ان بیچاروں کو صبح کے ناشتے اور دوپہر کے لنچ کے لیے بار بار بس اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ چاہے کسی گاڑی یا بس کے آنے جانے کا ٹائم ہو یا نہ ہو، اڈے اور اسٹیشن پر رش اسی طرح ہوتا ہے، اور مسافروں سے زیادہ روزہ خور حضرات کھانے پر ٹوٹے اور پلے پڑے نظر آتے ہیں۔ تمبو کے پیچھے دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے کہ پاکستان ریلوے اور اڈے والوں نے محکمہ کا خسارہ پورا کرنے کے لیے اپنی جگہ کسی شادی ہال والوں کو کرائے پر دے دی ہے۔ اس تمبو کے پیچھے روزہ خور حضرات کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں پولیس والے بھی نظر آتے ہیں جو کہ بخوشی اپنی ڈیوٹی وہاں لگواتے ہیں تاکہ پیٹ اور جیب دونوں کے بھرنے میں آسانی رہے۔ اسکے ساتھ ساتھ مریض حضرات اور وہ حضرات

جنکے گھریلو تعلقات میں کشیدگی چلی آ رہی ہو، ایسی پبلک پلیسس پر کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

بہر حال ! اگر ان مذکورہ ذخیرہ اندوز حضرات کو اس ماہ مبارک کی اصل اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو یہ اپنے گوداموں کے منہ خیرات کے لیے ایسے کھول دیں کہ لینے والے بندے ختم ہو جائیں پر مال ختم نہ ہو۔ اور اگر روزہ خور حضرات کو روزہ کی اہمیت اور فضیلت پتہ چل جائے تو وہ سال بھر پکے روزے سے رہیں، نہ کہ ایسے جیسے ہمارے ایک شیخ صاحب دوست ہیں انکے ہاں جب بھی غلطی سے کوئی مہمان آ جائے تو وہ فوراً روزے سے ہو جاتے ہیں، تاکہ کچھ کھلانا پلانا نہ پڑے۔ کیا آپ کا واسطہ کبھی ایسے لوگوں سے پڑا ہے ؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو اس مبارک مہینے کی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین۔

ایک دِل جلے سے انٹرویو

مستانہ صاحب ہمارے محلے کی ایک ہر دلعزیز شخصیت میں شمار ہوتے ہیں، جسکی وجہ انکا مخصوص انداز بیان ہے جو کہ بہت ہی نرالا اور اپنی مثال آپ ہے۔ مستانہ صاحب اپنی کچھ نا معلوم مشکوک سرگرمیوں اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے لوگوں سے کم کم ہی ملتے ہیں اور لوگ ان سے ملاقات کے لیے ترستے ہیں۔ یہ بیچارے صاحب آئے روز کسی نہ کسی جائز ناجائز مقدمے میں جیل کی ہوا بھی کھا رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی اس بار جیل یاترا سے واپس آتے ہی انہیں جیل کے گیٹ پر ہی جا لیا اور جو مختصر سی گفتگو ہوئی وہ کچھ اسطرح تھی۔

سوال۔ مستانہ صاحب یہ بتایئے کہ اس بار آپ کس جرم میں داخل جیل ہوئے ؟

جواب۔ ہم لڑکیوں کو چھیڑنے میں مگن تھے کچھ اسطرح

چونکے بھی تو تب ، جب جا پہنچے جیل میں

سوال۔اچھا یہ بتایئے کہ اس چھیڑ چھاڑ میں کبھی آپ کو آجتک کوئی لڑکی پسند آئی؟

جواب۔ہزاروں لڑکیاں ایسی کہ ہر لڑکی پہ دم نکلے

مگر جو پسند آئے وہ گھر سے کم نکلے

سوال۔ پچھلی بار جو سائنس کے سٹوڈنٹ آپ سے مشاورت کے لیئے آئے تھے انہیں آپ نے کیا مشورہ دیا تھا؟

:جواب۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ

سائنس کو چھوڑ دے آرٹس کے سبجیکٹ میں گم ہو جا

نہ رہے پریکٹکل باقی، نہ ریاضی نہ بیالوجی

سوال۔ سنا ہے کہ جب آپ کی بیگم میکے جاتی ہیں تو آپ اسے خط پر خط لکھتے ہیں، مگر وہ آپ کو جواب ہی دینا گوارا نہیں کرتیں؟۔

!جواب۔ جواب میں بولے

یا الٰہی کیا ہوا، خط کیوں آنا بند ہوا

کیا محبت کم ہوئی، یا ڈاکخانہ بند ہوا

سوال۔اچھا اگر کبھی آپ کی بیگم کا موڈ اچھا ہو تو کیا سوچتے ہیں ؟

جواب۔یہی کہ ۔

اندار بیگم کچھ ٹھیک سا ہی ہے آج

شاید کہ مل جائے دال اور چاول آج

سوال۔ تو کیا پھر آپکو دال چاول ملے ؟

جواب۔ واقعی دال چاول مل گئے، مگر۔

مرچیں اگرچہ تیز ہیں مگر بیگم سے گلہ کیا کریں

فرمان یہ ہے کہ ہر حال میں شکر ادا کریں

سوال۔ ہم نے اگلا سوال پوچھا کہ آپکی بیگم آپ کو ویسے نارملی سارا دن کھانے پینے میں کیا پیش کرتی ہیں ؟

جواب۔ تو انتہائی دردناک انداز میں بولے

آغاز صبح ہوتا ہے گالیوں سے اور اختتام جوتوں پر

رات تلک پہنچ جاتی ہے تعداد انکی ہزار سے اوپر

سوال۔ اگر آپ ایک اور شادی کرنا چاہیں تو کیسی لڑکی پسند کریں گے ؟۔

جواب۔ گھنی زلفیں، شربتی آنکھیں، پتلی کمر، ترچھی نظر ہو

مزاج میں مگر میری موجودہ جورو سے ذرا مختلف ہو

سوال۔ سنا ہے کہ جب آپکی بیگم میکے سے واپس آ رہی ہوتی ہیں تو آپ کچھ پریشان سے ہو جاتے ہیں ؟۔

جواب۔ خوشی تو بہت ہوتی ہے کہ بیگم صاحبہ پھر تشریف لا رہی ہیں
مگر پرابلم یہ ہے کہ ساس صاحبہ بھی ساتھ آ رہی ہوتی ہیں
سوال۔ آپکے بچے کتنے ہیں؟۔
جواب۔ فی الحال بچے ہیں میرے پانچ ذرا غور سے سنیے
پر بڑھ جائیگا انمیں چھٹا بھی، دیکھنا تم اس سال
سوال و جواب کے اس سلسلے سے اکتا کر مستانہ صاحب گھر کی طرف کو ہوتے ہوتے خود ہی بڑبڑائے۔
بس کر مستانہ بہت ہوچکی، اور بند کر اب اپنی یہ بکواس
چل گھر کو جہاں ڈنڈا لیکر بیٹھی ہونگی تیری بیوی اور ساس
اور پھر خود ہی اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے گویا ہوئے کہ۔
اے مستانہ، نہ ہو پریشان اور نہ کر کوئی بھی غم اور فکر
سدا سہتے آئے ہیں اور سہتے رہیں گے جوروکے یہ ظلم و ستم
مستانہ صاحب کو گھر جاتے دیکھ کر ہم نے بھی اپنے گھر کی راہ لی۔ خدا حافظ۔

وکھری عید شاپنگ

جوں جوں عید قریب آ رہی ہے بازاروں میں عید شاپنگ کا رش بڑھتا جا رہا ہے اور تمام بیگمات اور بچوں کی یہی خواہش کہ میاں کی جیب جلد از جلد خالی کرا دی جائے۔ ہمارے للو میاں بیچارے بھی اسی قبیلے کنبے سے تعلق ہونے کی بنا پر انکی بیگم بھی جیب کاٹنے کو قربانی کرنے والا چھرا ہر وقت تیار رکھتی ہیں۔ اس عید پر بھی للو میاں نے تو بہت کوشش کی کہ بیگم اور بچوں کو کسی بھی طرح سے دفتر سے ملنے والے اکلوتے عید بونس کی بھنک نہ پڑے، مگر کچھ قریبی رن مرید ہمسایوں نے حق ہمسایہ گیری پورا پورا ادا کرتے ہوئے، بالخصوص بیگمات کے منہ در منہ ہوتی بات للو میاں کی بیگم اور بچوں تک بھی پہنچ ہی گئی۔ یہاں تک کہ ملنے والے بونس کی تعداد اور اماؤنٹ بھی پتہ چل گیا۔ بس پھر کیا تھا للو میاں کے گھر پہنچتے ہی بیگم نے پھڈا شروع کر دیا کہ اتنے روز سے ملا بونس چھپائے کیوں رکھا، میں کب سے اس بونس کی انتظار میں لسٹ بنائے بیٹھی ہوں وغیرہ وغیرہ اور چار فٹ لمبی لسٹ للو میاں کے سامنے دھر دی جو کہ انکے اپنے کپڑے، جوتے، جیولری، ابا، اماں، بہن، بھائی، بھانجے، بھانجیوں، بیٹا اور بیٹی کے سامان پر مشتمل تھی، لیکن للو میاں کی کسی بھی شے کا نام شامل لسٹ نہ تھا۔ بلآخر ادھر ادھر سے سفارش لگوا کر للوں میاں بھی اپنے کچھ آئیٹم بصد بمشکل

ڈلوانے میں کامیاب ہوگئے۔ پہلے تو للو میاں نے دائیں بائیں سے نکلنے کی بہت کوشش کی مگر اس دوران بچے بھی چونکہ اس میٹنگ میں شامل ہو چکے تھے، لہٰذا للو میاں بیچارہ کہیں سے بھی نہ نکل پایا اور ساتھ ہی، عید قریب کا بہانہ کرکے شاپنگ کا دن اور ٹائم بھی شادی کی تاریخ کی طرح فوراً ہی مقرر کر دیا۔

مقررہ دن صبح دس بجے اٹھنے والی بیگم صبح چھ بجے ہی اٹھ بیٹھیں کہ جیسے ابا کے قلوں میں شرکت کرنی ہو اور بچوں کو جلدی جلدی ناشتہ پانی کرا کر نو بجے شاپنگ کو تیار۔ للو میاں نے یاد کرایا کہ بیگم ابھی تو دکانوں والے آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہے ہونگے یا صفائی کر رہے ہونگے تو ایسی بھی کیا جلدی ہے اور مزید یاد کرایا کہ ہماری اماں کے ہاں جانے کو تو تم دِن بارہ بجے سو کر اٹھتی رہی ہو اور سارے فالتو کام اسی دن یاد آتے ہیں، بیگم نے فوراً ناک چڑھائی اور کہا کہ وہاں جانے سے ملتا ہی کیا ہے سوائے نصیحتوں کے۔ بازار سے تو ہم بہت کچھ لاتے ہیں نہ۔مزید یہ کہ جتنا جلد جائیں گے اتنی اچھی شاپنگ ہوگی۔

خیر جناب علی الصبح للو میاں بمعہ آدھا درجن بھر بچوں کے قافلے کے ساتھ داخلِ بازار ہوئے۔ دکانداروں نے دیکھتے ہی فوراً بہن آیئے، باجی آیئے، نئی

ورائٹی آئی ہے، ادھر آ جائیں، ایک بار ضرور دیکھ لیں، لیں نہ لیں ایک بار دیکھ ضرور لیں ، ایک کے ساتھ دوسرا فری، لاٹ کا مال ہے، غیر ملکی کپڑا ہے وغیرہ وغیرہ کی آوازیں لگا کر گھیرنا شروع کر دیا۔ پھر جناب بچوں کو میاں کے حوالے کر بیگم ایک کپڑے کی دکان میں داخل ہو ہی گئیں۔ دکاندار نے کپڑوں کے ڈھیر لگا دیے مگر بیگم صاحبہ کوئی بھی ورائٹی پسند نہ آئی اور وہ اور دکھائیں، اور دکھائیں پر اصرار کرتی رہیں۔ دکاندار نے بہت کہا کہ یہ سوٹ لے لیں، دو ہی بچے ہیں ، میرا بھائی انڈیا سے لایا تھا، یہ گرم سوٹ لے لیں میرا بھائی سوات کی سیر کو گیا تھا، وہاں سے لایا تھا، فلاں سوٹ کے صرف دو ہی پیس بچے ہیں، باقی سب بک گئے، یہ والا تو آپکو پورے بازار میں نہیں ملیگا، یہ جاپانی ہے، یہ انڈونیشیا کا ہے، یہ بنکاک کا، یہ انڈیا سے سپیشل منگوایا ہے، یہ آپ پر بہت سوٹ کریگا، واہ واہ کیا کلر ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر بیگم نے سب کو ہلکی اور سستی ورائٹی کہہ کر رد کر دیا۔ دکاندار بیچارہ جو درجنوں ورائٹیاں دکھا دکھا کر تھک چکا تھا، اسے یہ کہتے ہی بنی کہ پھر ٹھیک ہے آپ آرڈر دے دیں آپکا مال آرڈر پر بنوادیں گے۔ بیگم جس دکان میں گھسے نکلنے کا نام نہ لیں۔ للو میاں بیچارے ہرکارے کی طرح بچوں اور شاپنگ کردہ سامان کو سنبھالے پیچھے پیچھے۔ ایک بار للوں میاں نے تنگ آ کر بلاوا بھیجا تو بیگم نے تڑی لگائی کہ شاپنگ آرام سے کرنے دیں ورنہ انڈیا کے انا ہزارے کی طرح سر بازار بھوک ہڑتال کر دونگی۔ للو میاں نے بھی سوچا کہ گلگت

کے وزیرِ اعلیٰ کی طرح خرچہ پانی بند کرنے کی دھمکی لگا دی جائے پر انہیں اخبار کی ایک خبر یاد آ گئی کہ روس میں ایک ناراض بیوی نے شوہر کو چھری مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی للو میاں نے فوراً اپنا یہ پروگرام کینسل کر کے بیگم کو اسکے حال پر چھوڑ دیا۔ بیگم صاحبہ بندر کی طرح ایک دکان سے دوسری اور اور دوسری سے تیسری دکان، آخر کار ساتویں دکان جو کہ سب سے مہنگی اور مشہور دکان تھی وہاں پر انہیں کچھ مال پسند آیا اور وہ بھی دلہنوں والا یعنی لہنگا، فراق، بنارسی، ساڑھی، چکن سوٹ، ویلوٹ سوٹ وغیرہ وغیرہ۔ للو میاں نے لاکھ کہا کہ بیگم اب تمہاری عمر ان کپڑوں کے پہننے کہ نہیں ہے، تم اب لڑکی نہیں، چھ عدد بچوں کی اماں ہو، اپنا ڈیل ڈول دیکھو اور سوٹ دیکھو، کچھ عرصے بعد تم نانی یا دادی بن جاؤ گی، کچھ خیال کرو، مگر بیگم کے الٹے سے جواب نے للو میاں کو لاجواب کر دیا کہ جی عورت کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ للو میاں نے دل میں سوچا کہ واقعی جب پوری ایک میک اپ کٹ ایک بار ہی چہرے پر تھوپ لی جائے تو پھر بڑھاپا کیسا۔ تو جناب کپڑے لینے کے بعد، پھر اسکی میچنگ کے جوتے، میچنگ کی چوڑیاں، پونی، بندے، میچنگ کا میک اپ وغیرہ لیتے ہوئے بھی بیگم موصوفہ نے گھنٹوں لگا دیے۔

اس دوران چھوٹی منی کو لیٹرین کی حاجت ہو گئی، اب للو میاں بیچارہ منی کو گود میں اٹھائے دکانداروں سے لیٹرین کہاں ہے کی انکوائری کر رہا تھا۔ کسی

نے کہا کہ فلاں مسجد میں کرا لاؤ، کسی نے کہا کہ کسی کے بھی گھر میں گھس کر کرا لو، کسی نے بتایا کہ سڑک کے اس پار کرایے کے باتھ روم چلے جائیں، مگر منی میں اتنی تاب نہ تھی کہ برداشت کرتی، للو میاں نے آخر اسے قریبی گزرتی نالی پر بٹھا کر فراغت دلائی۔ تھوڑی دیر بعد ہی منی موصوفہ نے نعرہ لگایا کہ اب وہ مزید پیدل نہیں چل سکتیں لہٰذا اسے گود میں اٹھایا جائے، بیگم اور بچوں نے بھرپور طریقے سے اسکی تائید کی۔ للو میاں کو فوراً ایک جھماکے دار خیال کہ آیا کہ کسی زمانے میں وہ بھی سرور ہیلتھ کلینک، جٹ لائن کراچی میں باڈی بلڈنگ کے ذریعے ڈولے یعنی بازو بناتے تھا انہوں نے فوراً جوش میں آکر پرانے اسٹائل میں گود کی بجائے منی کو ریلوے کی قلی کی طرح مونڈھے پر چڑھایا دوسرے ہاتھ میں بیگم کے شاپنگ کردہ شاپر اور پورے بازار میں سب کی نظروں میں بسے رہے۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چلا کہ بوجوہِ زیادتی وزن سامان اور منی سب کچھ نیچے آرہا اور راہگیروں نے بمشکل بیچارے للو میاں کا سامان جمع کرکے دیا۔

کچھ دیر بعد بچوں نے بھوک لگ رہی کا شور مچادیا اور بیگم کو بھی فوراً فروٹ چاٹ، دہی بھلے اور کولڈ ڈرنک وغیرہ یاد آگئی۔ کھانے پینے کی دکان میں جاتے ہیں وہاں جتنی اشیاء موجود تھیں تمام ہی منگوا لی گئیں اور ہزار کا نوٹ خرچ کروا دیا اور جاتے جاتے آدھا درجن جوس کے ڈبے اور منرل واٹر کی بوتلیں بھی

لے لیں کہ بچوں کو پیاس لگے تو کہاں دکانداروں کے گندے مندے گلاسوں میں پانی پلائیں گے۔ مزید یہ کہ بچوں کو جہاں بھی کوئی نیا کھلونا نظر آیا انہوں نے جھپٹنے میں دیر نہ کی اور نہ ہی کوئی آتا جاتا کھانے پینے کی اشیاء والا ٹھیلے والا چھوڑا، تما اشیاء خوردو نوش ، نوش فرماتے رہے۔

یوں جناب بیگم خود کی شاپنگ سے فراغت پا کر اپنے گھر والوں کی باری پر آئیں ، ایک سے ایک کپڑا پسند کیا۔ للو میاں نے یاد دلایا کہ بیگم ابھی پچھلی عید پر تم نے اپنی چھوٹی بہن کو ہزار کا سوٹ لیکر دیا تھا اس بار ذرا ہلکا والا لے لو، تو اس نے سنی ان سنی کر دی۔ منے کی پینٹ لینے کو گئیں، ٹرائی روم میں جو گھسے بچے اندر ہی لڑ پڑے اور عام اور جیری کی طرح شیشہ توڑ کر باہر نکل آئے دکاندار نے فورا ہی جرمانے کے طور پر ہزار روپے ہتھیا لیے۔ منی سے جب اسکی پسند پوچھی تو وہ بھی ماں کی طرح سیانی نکلی کہ ہر ملٹی کلر کی فراک پر جا کر کہتی کہ مما یہ والی لینی ہے۔ دکاندار نے جو قیمت بتائی تو للو میاں کی جان نکل گئی کہ ایک بچی کی فراک اتنی مہنگی کہ اتنے میں تو بڑے بندے کے دو سوٹ بن جائیں۔ بحث کرنے پر دکاندار نے للو میاں کو سر سے پاؤں تک برا سا منہ بنا کر دیکھا تو للو میاں سمجھ گئے کہ وہ دل میں یہ کہ رہا ہوگا کہ یہ شاید پنڈ سے آئے ہیں۔

تو جناب گھر کے تمام افراد کی شاپنگ سے فراغت پا کر آخر میں للو میاں نے بیگم کو یاد کرایا کہ میری بھی بہت سی چیزیں لسٹ میں شامل تھیں انکا کیا ہوگا۔ بیگم صاحبہ نے بڑی سی جمائی لی اور بولیں کہ بہت تھک گئی ہوں مزید کسی شاپنگ کی گنجائش نہیں، بس جلدی سے پیزا ہٹ سے پیزا کھلا دیں اور ڈسکو بیکری سے کیک اور نمکو کارنر سے پانچ کلو نمکو لے لیں اور بس گھر چلیں۔ آپ کی اشیاء ضروریہ اگلے چکر میں لے لیں گے کیونکہ آپکے تو پہلے ہی بجٹ بھرے پڑے ہیں۔ للو میاں کو غصہ تو بہت آیا پر پھر فوراً ہی صبر والی آیت یاد کرکے صبر کر گئے کہ: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خیر جناب بڑی مشکل سے رات گئے تک یہ تمام کاروائی مکمل ہوئی اور اس کاروان نے واپسی کا قصد کیا۔ سامان اور بچے دیکھ کر کوئی رکشہ اور ٹیکسی والا بٹھانے کو تیار نہ ہو۔ ایک رکشہ والے نے تو سامان اور بچے دیکھ کر آواز ہی کس دی کہ صاحب کو کھوتا ریڑھی کرالیں میرے بس کا کام نہیں۔ آخر کار ایک عدد سوزوکی کیری ہائر کرکے گھر پہنچنا پڑا۔

عید ایک دِل جلے کی

مستانہ صاحب ہمارے محلے کی ایک ہر دلعزیز شخصیت میں شمار ہوتے ہیں، جسکی وجہ انکا مخصوص انداز بیان ہے جو کہ بہت ہی نرالا اور اپنی مثال آپ ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ لوگ انکا ایک انٹرویو ملاحظہ کر چکے ہیں، امید ہے کہ پسند آیا ہوگا۔ عید کے اس پر مسرت موقع پر لیا گیا انکا ایک اور انوکھا انٹرویو پیشِ خدمت ہے۔

سوال: مستانہ صاحب، کہتے ہیں کہ نیا چاند دیکھ کر جو بھی دعا مانگو قبول ہوتی ہے، آپنے عید کا چاند دیکھ کر کیا دعا مانگی تھی ؟

جواب: دیکھا ہلالِ عید تو مانگی یہی دعا
یارب نہ ہو کبھی میرا آئیڈیل مجھ سے جدا

سوال: اچھا یہ تو بات ہوئی دعا کی، تو کیا اسوقت آپ نے اپنی ،،ان،، کو یاد نہیں کیا؟

جواب: عید کا چاند فلک پہ نظر آیا جس دم
میری پلکوں پہ ستارے تھے اسکی یادوں کے

سوال: سنا ہے کہ آپ اس عید پر بھی اپنی ،،ان،، سے نہ مل سکے ؟

جواب: اس عید پر جو مِل نہ سکے ہم تو کیا ہوا

جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزار ہیں

سوال: اچھا۔ سنا ہے آپنے عید پر اپنی ،،ان،، کو تحفہ بھیجنے سے پہلے کچھ پوچھا تھا، کیا آپ بتائیں گے کہ وہ کیا بات تھی؟

: جواب: میں نے پوچھا تھا کہ

کونسی چیز تجھے عید کا تحفہ بھیجوں

پیار بھیجوں کہ دعاؤں کا ذخیرہ بھیجوں

سوال: اچھا پھر آپنے اپنی ،،ان،، کو اس عید پر کیا تحفہ دیا؟

جواب: میری طرف سے عید مبارک ہو آپ کو

بس میرے پاس ہے یہی تحفہ برائے عید

اور یہ کہ: میری طرف سے پیار کے گلہائے گلہائے مبارک

کر لو قبول کہ عید کا موقع ہے جانِ من

سوال: اچھا آپ کی اگر اپنی ،،ان،، سے عید پر ملاقات ہو جاتی تو آپ کیا کہتے؟

جواب: ہو مبارک چاند تم کو عید کا
چاند سا مکھڑا مجھے دکھلادیا تم نے
اور یہ کہ: آج کی عید پہ ہے کیا موقوف
ایسی عیدیں ہزار دیکھیں آپ
سوال: اور اگر اچانک کہیں راہ چلتے عید پر آپ کی ،،وہ،، آپکو مل جائے تو؟
یہ وقت مبارک ہے ملو آ کے گلے سے
پھر ہم سے ذرا ہنس کے کہو عید مبارک
اور یہ کہ: تم مل کے کہو ہم سے ذرا عید مبارک
پھر اور ہی کچھ دے گا مزا عید مبارک
اور یہ کہ: عید کا دن ہے گلے اب تو لگا لو ہم کو
رسمِ دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے
سوال: سنا ہے کہ آپ کا اپنی ،،ان،، سے تھوڑا سا ٹاکرا ہوا تھا مگر انہوں نے شدید غصے کا اظہار کیا تھا؟
جواب: غصے کی تھی کہ پیار کی ہمدم نگاہ تھی
دیکھا جو اس نے میری طرف عید ہو گئی

سوال: اچھا اپنی پچھلی عید کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب: گئے برس کی عید کا دن کیا اچھا تھا
چاند کو دیکھ کر اسکا چہرہ دیکھا تھا

سوال: اچھا آپ کی ،،وہ،، آپ سے اتنی ناراض رہتی ہیں تو آپ انہیں بھلا کیوں نہیں دیتے؟

جواب: بھول جاؤں میں تجھے بھولنے والے لیکن
یاد آ جاتا ہے تو دیکھتے ہی عید کا چاند

سوال: اچھا یہ بتایئے کہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی تو ،،ان،، کے بنا عید کیسی رہی؟

جواب: پھر اسے پہلا سا پہلا پیغام دینا اے عید
کہنا کہ یہ عید بھی بے کیف رہی تیرے بغیر

سوال: اچھا آپکی اپنی ،،ان،، سے ملاقات نہیں ہوئی اور آپ بہت مایوس لگ رہے ہیں، تو اس بارے میں آپ مزید کیا کہیں گے؟

جواب: اپنا تو کسی طور کٹ ہی جائیگا یہ دن
تم جس سے ملو آج تمہیں عید مبارک

اور یہ کہ: عید ہو جاتی میری اے میرے بچھڑے محبوب
عید کے دن جو تیرا چاند سا مکھڑا دیکھ لیتا
سوال: اچھا اب آپکی ملاقات اپنی ،،ان،، سے نہیں ہوئی، ان سے کوئی شکوہ یا بد دعا؟
جواب: بس اتنا کہیں گے
معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گیا برباد اسے عید مبارک
اور یہ کہ: ارے یہ کیسی شرم و حیا کی تم نے
گلے سے آج تو لگ جاتی کہ عید کا دن تھا
مستانہ صاحب کی دردناک شاعری سن کر ہمیں بھی اپنی جوانی یاد آنے لگی اور اس سے پہلے کہ ہم بھی بہکتے، ہم نے مستانہ صاحب سے اجازت چاہی۔
اللہ حافظ۔

انسان آئے روز بیمار کیوں ہوتا ہے؟

سائنس کی کبھی نہ ختم ہونے والی تحقیق جاری ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا کہ ہے اس صدی کے درمیان تک وہ اس حد تک آگے جا چکے ہونگے کہ انسان پر بڑھاپا ہی نہیں آئیگا۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کیا واقعی سائنس نے اتنی بہت سی ترقی کر لی ہے کہ دنیا سے مختلف بیماریوں کا خاتمہ کر دیا گیا ہے؟۔ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں حضرتِ انسان نے بہت سی بیماریوں سے چھٹکارہ حاصل کیا ہے وہیں آئے روز یہ چھ فٹ کا انسان نت نئی بیماریوں کا بھی شکار بھی ہوا چلا جا رہا ہے۔ کہیں چھ طرح کا یرقان ہے تو کہیں ایڈز، کہیں نئی طرح کا فالج تو کہیں دوائیں پلانے کے باوجود پولیو کی دوبارہ ایجاد یا۔ ایک حفاظتی ٹیکہ لگوا لیا جائے تو کئی روز بخار نہیں جاتا، جسم اکڑ جاتا ہے اور انسان اپنے سے انسان کو کھانے کو دوڑتا ہے۔ خصوصا چھوٹے بچوں کو حفاظتی ٹیکہ لگوا دو تو تین روز بخار نہیں اترتا، بچہ گود سے نہیں اترتا اور رو رو کر ہلکان ہو کر پورے گھر کو الگ پریشان کرتا ہے۔ یرقان کے علاج کے لیے سال بھر ٹیکے لگوا لگوا کر اچھا بھلا انسان ادھ موا ہو جاتا ہے اور کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ مگر ڈاکٹروں کے بقول اسکا وائرس پھر بھی نہیں مرتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بیماری دسیوں ٹیسٹ کرانے کے باوجود بھی ڈاکٹروں کی سمجھ میں ہی نہیں آتی یا پھر ڈاکٹر

خود ہی جواب دے دیتے ہیں کہ مریض لا علاج ہے۔ کینسر کا مریض درد سے تڑپتا ہے اور علاج کے دوران پورا جسم فارغ البال ہو جاتا ہے، چند سال بعد اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ انگریزی دوائیں ایسا ری ایکشن کر جاتی ہیں کہ انسان الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ ہارٹ، بلڈ پریشر، شوگر اور دیگر مستقل امراض کی دوائیں کچھ عرصہ بعد اپنے اثر ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ ڈاکٹر حضرات نزلہ کھانسی میں بھی آدھا درجن دوائیں لکھ دیتے ہیں کہ کوئی تو لگے گی۔ دل، شوگر، بلڈ پریشر، جوڑوں کے درد، فالج وغیرہ کی دوائیں روزانہ تینوں ٹائم روٹی کی طرح پھکے مار کر تا عمر کھانی پڑتی ہیں۔ ڈیپریشن، ٹینشن، انگزائیٹی کی دوا سالوں کھانی پڑتی ہے، بیماری پھر بھی نہیں جاتی، الٹا انسان پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔ آخر کیا وجہ؟ آخر یہ کونسی سائنس ہے جو کہ چاند پر تو پہنچ گئی، مزید ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی خواہاں ہے، بڑھاپا نہ آنے کی نوید ہے پر ایک چھ فٹ کا ایک حضرتِ انسان اسکے قابو میں نہیں کہ آئے روز نت نئی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ سائنس انسان کے لیے آجتک کوئی ایسی دوا کیوں ایجاد نہیں کر سکی جو انسانوں کو تمام بیماریوں سے پاک کر سکے؟۔ کیا وجہ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ روز نت نئے وائرس ایجاد کر کے خود ہی اپنے سے انسان کی زندگی اجیرن کیے ہوئے ہے؟؟ یا پھر کہیں قدرت کے کاموں میں بے بس ہے؟ میرے خیال سے ان تمام چیزوں کی بنیادی وجہ انسان کی فطرت سے لڑائی اور اسکے کاموں میں عمل دخل، سہل پسندی اور اسلامی طور طریقوں سے

دوری ہے۔ حدیثِ قدسی کے مطابق انسان کو اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت پر قربان کرنا ہے مگر انسان اپنی خواہش اللہ پر مسلط کرکے اسکے حکم کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی کر رہا ہے پر پھر بھی اسکی رحمت کا طلبگار رہتا ہے ؟کیوں؟ اپنے اندر جھانکیے کہ کیا ہم ان تمام چیزوں کے واقعی مستحق ہیں جو خداوند قدوس ہمیں دے رہا ہے۔ قصہ مختصر آجکل کا انسان اگر دکھ پریشانیوں اور بیماریوں اور مصائب کا شکار ہے اور اتنی سائنسی ترقی کے بغیر بھی پنپ نہیں پا رہا تو یہ سب اسکے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔ اگر قدرت کے طور طریقوں پر زندگی گزاری جائے تو انسان ضرور بہت سی برائیوں اور بیماریوں سے از خود محفوظ رہ سکتا ہے۔

ملتے جلتے اور سائیلنٹ حروفوں کی کارستانیاں

انگریزوں کی عطا کردہ انگریزی یعنی فرنگی زبان شروع ہی سے ہمارے ناکارہ ذہن میں جگہ نہ بنا سکی اور دسویں کے امتحان میں ہم نے انگریزی کا پرچہ کرکے بہت سا خرچہ، بہت مشکل سے، کئی ایک خفیہ طریقے آزما کر پاس کیا تھا۔ مثلاً: ایک پھرا ماسٹر و کرا کے ناڑے کے ساتھ باندھ کر لے گئے تھے، کچھ ہیڈ لائن فٹے پر تحریر کر لی تھیں، کچھ لائنیں شلوار کے پائنچے کے نچلے حصے میں سما گئیں، کچھ قمیض کے پلو کے نیچے کا حصہ کام آیا، کچھ کالر کے پیچھے کا لک ملی، کچھ پانی پلانے والے لڑکے سے جائز تعلقات بنا کر کام چلایا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال جیسے کیسے ہم یہ پرچہ فرنگی پہلی بار میں ہی نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

تاہم ہمیں انگریزی میں جس چیز سے سب سے زیادہ پرابلم اور چڑ ہوتی ہے وہ سائیلنٹ اور ملتے جلتے حروف ہیں۔ اب سائیلنٹ حروف کو ہی لے لیجئے بھئی جب ان لفظوں کی آواز ہی نہیں آنی تو پھر دل آزار کرنے اور بلیکھے میں ڈالنے کو لکھائی میں کیوں؟۔ انگریزوں کی دیگر بہت سی باتوں کی طرح ہمیں انکی یہ سائیلنٹ حروف والی منطق بھی آجتک سمجھ نہ آ سکی۔ مثلاً: Light میں gh سائیلنٹ ہے۔ تو جب ان الفاظ کو نہیں پڑھنا تو بیچ کا بچولا کیوں بنایا؟ ہم ہمیشہ

لکھتے اور لیتے Lite کو ہمیشہ Light اپنے استاد سے اس بات پر پٹتے رہے کہ ہم اس رہے، اور ہمارے استاد صاحب ان سائیلنٹ حروف کے غلط استعمال پر پہلے ہمارے الٹے ہاتھوں پر ڈنڈے مار مار کر فل ٹائم نقش و نگار بناتے پھر دیگر جسمانی اعضاء اور ہڈیاں توڑ کر انکے پکے ہونے کا یقین کرتے اور ہم آئے روز گامو پہلوان ہڈی جوڑ والے کے کو جملے میں استعمال کرنے Bright ٹھیے پر پائے جاتے تھے۔ ایک روز استاد صاحب نے سے کپڑے دھوتی ہیں۔ استاد Brite کو کہا۔ ہم نے جملہ کچھ یوں بنایا کہ: ہماری اماں کا جملہ دیکھیے کہ: میری اماں سویٹر Night صاحب نے ہمیں ہی دھو ڈالا۔ اسی طرح کرتی ہیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ بندا کہاں تک ان سائیلنٹ حروف کو یاد رکھے۔ Nit کے بعد سبھی کچھ R یعنی رَف اسمیں Rough اب آپ دیکھیے کہ انگریزی کا ایک لفظ ہے کا ذکر خیر تک نہیں۔ اسی طرح ایک بار F سائیلنٹ ہے، آواز فے کی ہے مگر کہیں بھی کو جملے میں استعمال کرنے کو کہا گیا تو ہم نے لکھ دیا کہ: میں جب ابا کو دکان Height کر دیا۔ پھر استاد نے ہمیں Hitپر روٹی دینے جا رہا تھا تو ایک کار نے میری سائیکل کو کرنا شروع کر دیا اور Hit ڈنڈے کے بجائے اپنے پاؤں سے فٹ بال کی طرح کرتے رہے جب تک کہ ہم پورے اسکول میں ہِٹ یعنی مشہور نہ Hit اسوقت تک کا جملہ Eight ہو گئے۔ مزید کاروائی سنسر کی جاتی ہے۔ ایک دن استاد صاحب نے کہا کہ کی۔ Ate بناؤ، تو ہم نے لکھا کہ: میں نے آج روٹی گڑ کے ساتھ

کو ہم نے ایک بار یوں جملے میں استعمال کر لیا کہ: میرے ابا اور Caught :اسی طرح کو ایسے لکھا کہ: ابا اور اماں کے Insight پر سوتے ہیں۔ اور Cot اماں ایک ہی سے بند ہوتا ہے۔ بس پھر کیا تھا اگلے روز استاد صاحب گھر پہنچ Inside کمرے کا دروازہ گئے اور ابا سے شکایت کر دی کہ بچہ گھر کی باتیں باہر بتاتا ہے۔ ابا نے ہمیں سزا کے طور یعنی بغیر چارپائی اور کمرہ بدر کر کے پہلے جسم پر مولا Cot-Less پر شدید سردی میں بخش سے مختلف نقش و نگار بنائے پھر برآمدے کے فرش پر سلانے کے آرڈر جاری کر کا جملہ ہم نے Fight دیے۔ پر ہماری انگریزی یہ سزا پانے کے بعد بھی اچھی نہ ہوئی اور ہونے پر اماں نے مجھے پہناFit کچھ اسطرح بنا دیا کہ: میرے بڑے بھائی کے کپڑے کا جملہ ہم Ought دیے۔ اسکے بعد وہی کچھ ہوا جو اس سے پہلے جملے کے بعد ہوا تھا۔ اور کو ہمیشہ Daughter ہوتا ہوں۔ اورOut ایسے بناتے کہ: میں کرکٹ میں ہمیشہ صفر پر لکھتے اور پڑھتے رہے۔ ایک بار تو غلطی کی انتہا ہو گئی کہ ہم نے پوری کلاس کے Doctor اسکے .I witch you all the best :کا جملہ کچھ اسطرح بنادیا کہ Wish سامنے بعد اتنی شرمساری ہوئی کہ شاید اتنا شرمندہ تو کوئی شادی کر کے بھی نہ ہوتا ہوگا۔ ویسے کا مطلب پتہ ہے؟ Witch بائے دی وے کیا آپکو

بہرحال! انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہمارے برادر ملک چین کے لوگ بھی کسی معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور ہر کام میں انگریزوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

Baiduکی جگہ Google مثلا: انگریزوں کی ہر چیز کو مات دینے کی خواہش میں انٹرنیٹ سرچ انجن بنا دی۔ اسی طرح حروف سائیلنٹ کرنے میں بھی انکا جواب نہیں مثلا اگر کسی کا نام : Xiang Kchee :اگر کسی کا نام چنگ چی ہے تو اسے ایسے لکھیں گے Xouho : اگر کسی کا نام ہو جن تاؤ ہے تو Xliue Xping :لی پنگ ہے تو لکھیں گے اب دیکھیں کہ ان ساڑھے دو درجن الفاظ میں سے ایک اورآدھا Gjing Xitahou درجن الفاظ فضول میں استعمال ہوئے ہیں۔ انہیں یاد کرنے ، لکھنے ، پڑھنے میں کتنے ہی مین آور ضائع ہوئے ، کتنی سیاہی فضول خرچ ہوتی ہے، کتنی پنسلیں گھسیں گی اور دماغ کی الگ بتیسی بنتی ہے۔ چین کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سے ممالک ہیں جہاں یہ سائیلنٹ حروف کا پھڈا چلتا ہے مثلا: چیکو سلواکیہ کی چیک، ڈنمارک کی ڈینش، سویڈن کی سویڈش، رشیا کی رشین زبان کے الفاظوں میں بھی یہ بیماری بہت عام پائی جاتی ہے،اور اسکا علاج بھی دستیاب نہیں۔تاہم تفصیل میں نہیں پیتے کہ کم لمحا ہو جائیگا۔ چھڈو، مٹی پاؤ۔

اب آتے ہیں ملتے جلتے حروف کی طرف: کچھ ہم سنتے اونچا ہیں اوپر سے یہ ملتے جلتے الفاظ ہمیں اکثر دھوکہ دے جاتے ہیں: استا صاحب نے ایک بار لکھوایا کہ : ثمینہ کرتی ہے۔ Bi کرتی ہے۔ ہم نے لکھ دیا کہ : ثمینہ بازار میں Buy بازار میں چیزیں کلاس کے بعد ثمینہ نے ہمیں پکڑ لیا اور پھر۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟؟؟؟آپ خود سمجھدار ہیں۔ انڈا دیتی ہے، ہم نے لکھHen : اس طرح ایک بار لکھوایا کہ

خراب ہو Wheel انڈا دیتی ہے۔ استاد نے لکھوایا کہ: عالیہ کی گاڑی کا Pen : دیا کہ خراب ہو جانے سے وہ Heel ہو گئی۔ ہم نے لکھ دیا کہ عالیہ کی Late جانے سے وہ کی جگہ Access یعنی مرحوم ہو گئی۔ اور سب کو بعد میں بتا بھی دیا۔ اسی طرح Late لکھ دینا بھی ہمارے معمولات میں شامل Except کی جگہ Acceptاور Excess تھا۔ ایک بار تو چھٹی کی درخواست میں کچھ ایسا لکھا کہ Application for 2 days : ۔ استاد صاحب نے پوچھ لیا کہ دو دن کہاں رہنا ہے، مولا بخش کے سائے تلے کیسا live رہے گا؟؟

اچھا خیر ! ہماری تو انگلش کمزور ہے مگر ہمارے ایک دوست ہیں وہ ہمیشہ اردو کے ایک جیسے الفاظ میں بھلیکا کھا جاتے ہیں۔ جیسے ،، صدا،، اور ،، سدا،، ایک بار انہوں نے جملہ بنایا کہ: ہماری مرغی صدا ایک انڈا دیتی ہے۔ استاد صاحب نے دھر لیا اور ڈنڈے سے پھینٹی لگادی۔ یہ بار پھر بھی نہ آئے اور اگلے روز سب کے سامنے بلیک بورڈ پر کچھ اسطرح جملہ لکھا کہ: میری آنکھ روز صبح کو مرغ کی سدا پر کھلتی ہے۔ استا صاحب نے سر عام مرغا بنا کر چھترول شروع کر دی۔ ایک بار ،، سہارا،، کا جملہ بنایا کہ: میں اپنے بچوں کو اپنے ماں باپ کا صحارا بناؤں گا۔ اور ،، پر زور اصرار ،، کو ہمیشہ اپنے بہترین دوست اور ساتھی کے نام پر ،، پر اسرار اسرار ،، لکھتے رہے اور اپنے ایک اور دوست ،، عامر،، سے ہمیشہ اس لیے پٹتے اور مار کھاتے رہے کہ اس بیچارے کو ہر جگہ

آمر،، لکھ کر مرحوم اور حالیہ پاکستانی ڈکٹیٹروں کی فہرست میں شامل کیے رکھا۔،،
لہٰذا مذکورہ تمام مشکلات اور کھبڑچوں سے بچنے کے لیے ہماری دنیا کے تمام ممالک سے
استدعا ہے کہ یہ سائیلنٹ اور ملتے جلتے حروف کا چکر اپنی اپنی زبانوں سے بلکل ختم کر
دیں تاکہ الفاظ کی ٹھیک ادائیگی میں آسانی رہے۔اللہ آپ سب کا بھلا کریگا۔

جوتے کی مختلف اقسام اور صحیح استعمال

یوں تو پاکستان میں جوتے کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں، مثلا: بند جوتا، کھلا جوتا، بوٹ، سینڈل، سلیپر، کھیڑی، نوروزی، تلے والی، کھسا، لیڑی والی، بغیر لیڑی والی، چھوٹی لیڑی والی، بڑی لیڑی والی مگر ایک اور جوتا جسے ہوائی چپل کا نام دیا گیا ہے بہت مشہور ہے یا تھا۔ ہوائی چپل کا نام ذہن میں آتے ہیں نئی نسل تو شاید یہ سوچے کہ یہ کسی ہوا سے بنی ہوئی چپل کا نام ہے اور زیادہ جدید نسل یہ بھی سوچ سکتی ہے کہ شاید یہ امریکی اسٹیٹ ہوائی سے آئی ہوئی کوئی قیمتی اور نایاب شے نہ ہو۔ مگر جناب ایسا کچھ نہیں، بلکہ یہ قیمتی چیز ہمارے ہاں کے غریب غرباء کو پاؤں کے چھالوں سے بچانے کے لیے پاؤں میں پہننے کے کام آتی ہے۔ ویسے اسکا استعمال اب قدرے متروک سا ہوتا جارہا ہے۔

اس بیچاری ہوائی چپل سے پاؤں کا تلا چھپانے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے غیر ضروری کام لیے جاتے ہیں مثلا: کسی کی پٹائی کرنی ہو یا کہیں لڑائی مار کٹائی اچانک شروع ہو جائے اور آپ بغیر ہتھیار اور اوزار کے ہوں تو یہ ہوائی چپل اس موقع پر بہت کام آتی ہے۔ آپ اسے پاؤں سے نکالیں ہاتھ میں پکڑیں، دو تین بار ہوا میں آگے پیچھے لہرائیں، اسکے بعد آپ کی اپنی طاقت پر

منحصر ہے کہ آپ اپنے مخالف پر اسے کتنا زور سے ٹکراتے یا مارتے ہیں۔ اگر آپ نے بھی پرانے زمانے کے اصلی گھی کے سالن کے ساتھ روٹی شوٹی کھائی ہوئی ہے اور چٹاخ کی بھرپور آواز کے ساتھ یہ ہوائی چپل واپس وارد ہو جائے تو سمجھیں کہ آپ کا مخالف اب کئی روز تک بیگم کے سَر ہو کر یا گوڈے لگ کر اس سے اپنی متاثرہ جلد کی سکائی کرا کر سی سی کرتا پایا جائیگا اور اگر آپ آجکل کے ٹیکوں کے ذریعے نکالے گئے دودھ اور گریس ملے ڈالڈا کی پیداوار ہیں تو خطرہ رہتا ہے کہ یہ جوتا ہوا میں رہ کر ہی واپس نہ آ جائے اور آپ مخالف کو پیٹنے کی بجائے پٹ پٹا کر واپس لوٹیں۔ ویسے اگر آپ کہیں اسے کسی کے گال مبارک سے گلے ملوادیں تو کیا بات ہے، وہ بیچارہ تو اس ہوائی چپل کے نشان کو گرمیوں میں بھی مفلر سے چھپائے پھرے گا۔

بہرحال ! اس ہوائی چپل کا ایک اور استعمال ناک میں سنگھانے کے لیے بھی ہوتا ہے یا ہوتا تھا۔ پہلے زمانے میں اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑتا تھا تو لوگ ایسے مریض کی نہ تو کوئی دوادارو کرتے تھے اور نہ ہی ڈاک در (ڈاکٹر) کے پاس لے جاتے تھے بلکی ہوائی چپل یا میل کچیل کی خوشبوؤں میں لپٹی معطر ترین کوئی اور چپل متاثرہ شخص کے ناک مبارک سے ملا کر یعنی سنگھا کر اٹھاتے تھے۔ نہ جانے اس چپل میں کیا خاصیت ہوتی تھی کہ مریض فوراً اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ شاید اسکی وجہ اس کے تلے میں بسی ملٹی پل خوشبوؤں کی وہ بہاریں ہوں

جو کہ وہ مختلف لیٹرینوں ، گلیوں اور بازاروں میں سے اپنے اندر سما کر رکھتی ہے اور مریض اٹھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ویسے پیرس کے خوشبوؤں کے بنانے والوں اور سائنسدانوں کو اس کام پر بھی تحقیق کرنی چاہیے کہ مرگی کا مریض ان خوشبوؤں سے کیسے صحتمند ہوتا ہے۔

ویسے آپس کی بات ہے کہ اگر کبھی نزلے زکام سے آپکی ناک بند ہو جائے تو دوا کی بجائے اس چپل یا جوتے ایک دو پف ناک کے ذریعے لیکر تو دیکھیے گا۔ امید ہے کہ آپ ضرور افاقہ محسوس کریں گے۔ آزمائش شرط ہے۔

آجکل ایک اور ٹرینڈ چلا ہوا ہے کہ جب کوئی اپنے اعمال کا ستایا، یا پھر کوئی بیگم کے ہاتھوں پریشان، یا اولاد کے ہاتھوں تنگ، یا کوئی دوسری شادی کے بخار میں مبتلا، یا کوئی نوجوان محبوبہ کے چکر میں گھن چکر، یا امتحان میں کامیابی لینی ہو، یا پھر کوئی یونہی وہم کا مریض کسی نام نہاد عامل یا تعویذ گنڈے والے کے پاس پھنس جائے تو وہ اسے چھوٹتے ہی کہتا ہے کہ آپ پر جادو چلایا گیا ہے اور اسکا اتارا کرنے کے لیے کھلانے ، پلانے، نہانے، جلانے ، مالش کرنے کے تعویذ کے ساتھ ساتھ ایسے تعویذ بھی دیتا ہے جس کی صبح ، دوپہر اور شام سات سات بار اس ہوائی چپل سے کھچا کھچا کر کے چھترول کرنی ہوتی ہے اور بقول ان عامل کے کہ آپ جتنی زور و شور اور خشو و خضوع کے ساتھ

اس تعویذ پر ہوائی چپل برسا برسا کر اسکی تواضع کریں گے تو آپ پر چڑھے جن یا بد اثرات اتنی ہی جلدی بھاگیں گے اور آپ کی قسمت جلد سنور جائیگی ۔ بلکہ بہت سے عامل حضرات تو اس کام کے لیے نوی نکور ہوائی چپل استعمال کرنے کا بھی مشورہ دیتے ہیں۔

بچپن میں ایک کھیل ہوتا تھا جسے بندر کلا کہتے تھے۔ اس کھیل کی خصوصیت یہ تھی کہ اسے بہت سی جوتیاں بشمول ہوائی چپل اکھٹی کرکے ان سے کھیلا جاتا تھا اور آخر میں ہارنے والے کے پیچھے سب لوگ جوتیاں اور چپل لیکر بھاگتے تھے اور اسے اس وقت تک ان ہوائی چپلوں اور دیگر جوتوں سے مارتے کوٹتے ، ٹھکائی اور خاطر تواضع کرتے رہتے تھے جب تک کہ جوتیاں ختم نہ ہوجاتیں ، یا پھر پٹنے والا اپنے گھر کے پچھلے والے کمرے میں گھس کر دروازہ کی کنڈی نہ لگا لیتا تھا۔ تاہم آجکل کے جدید دور میں یہ چپلوں کا کھیل کسی بھی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔ ہاں البتہ کچھ عرصہ پہلے یہ جوتا ماری کا کھیل ہماری اسمبلیوں میں شروع ہونے کو تھا پر کچھ نا معلوم وجوہات کی بناپر زیادہ عرصہ چلا نہیں۔ سوچیں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو وہاں جوتے پہننے پر پابندی لگ جاتی اور ہمارے تمام ایم این اے اور ایم پی اے حضرات ننگے پاؤں اسمبلیوں میں تشریف لا رہے ہوتے اور اسمبلیوں کے باہر مزارات کی طرح جوتے رکھ کر ٹوکن دینے والے بیٹھے ہوتے جو کہ جوتے رکھنے کا کرایہ چارج کرتے۔ اگر

ایسے ہوگیا تو مزید گہرائی میں جا کر سوچیں کہ ہماری ہلکی پھلکی ، دھان پان سی وزیر خارجہ اور دیگر ممبرانِ اسمبلی کے تو جوتے ہی لاکھوں میں آتے ہیں تو انکی حفاظت کے لیے ایک الگ فورس نہ بنانا پڑ جاتی۔

آجکل نئے جوتوں کے چوری کے ڈر سے ہم میں سے بہت سے لوگ مساجد میں نماز پڑھنے کے لیے بھی اسی ہوائی چپل کا استعمال کرتے ہیں کہ کہیں نیا نویلا جوتا مسجد سے چوری نہ ہو جائے ، پھر بیگم کو کیا جواب دیں گے اور یہ جوتے ہم نے گھر میں الگ ہی رکھے ہوتے ہیں۔ اگر بارش کی وجہ سے پھسلن یا کیچڑ کی وجہ سے لات ٹوٹنے کا ڈر ہو تو بھی ہم یہی ہوائی چپل یا سلیپر استعمال کرتے ہیں اور اگر پھسلن سے جوتے کی بدھری یعنی اسکا ازار بند یا طنابیں جس میں انگلیاں پھنستی ہیں، وہ ٹوٹ جائے تو موچی سے نئی ڈلوا لیتے ہیں، مگر اسے بیکار سمجھ کر پھینکتے نہیں۔ پہلے زمانے میں ان پرانی چپلوں اور جوتوں کے بدلے خالص میوہ جات بالخصوص کھوپر اور چھوہارے وغیرہ عام مل جایا کرتے تھے اور گلی گلی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ پرانی جوتیاں دا کھوپرا اور چھوہارے کھا لووووووو۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔ اسی لیے اکثر پرانی چیزوں کو دیکھ کر مثال دی جاتی ہے کہ اسکا کھوپرا یا چھوہارے کھالیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ آجکل یہ ہوائی چپل بھی ایڈوانس ہو کر غریبوں سے نکل کر

امیروں کے لیے بہت سے نت نئے مختلف ڈیزائنوں اور رنگوں میں مارکیٹ میں دستیاب ہے جس سے بالخصوص خواتین کو کپڑوں کے ساتھ میچ کرنے میں بہت آسانی ہو گئی ہے۔ اسکے علاوہ یہ مختلف وزن میں بھی دستیاب ہے۔ بعض تو اتنی ہلکی پھلکی ہوتی ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ چپل پاؤں میں پہنی ہوئی بھی ہے کہ نہیں اور ہاتھی سائز خواتین کے پاؤں میں کیڑی سی لگتی ہیں، جبکہ کچھ ایسی بھاری بھر کم ہوتی ہیں کہ ان سے بادام یا اخروٹ توڑ لیں یا کسی کا سر پھوڑ لیں۔ ہاں البتہ یہ ہوائی چپل خواتین کے لڑائی جھگڑے سے بہت دور ہوتی ہیں کہ اکثر خواتین یہ لڑائی جھگڑے کا کارنامہ بہ نفس نفیس اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک دوسرے کو نوچ کھونچ کر انجام دیتی ہیں، ہوائی چپل کو درمیان میں نہیں آنے دیتیں۔ یا پھر اگر کہیں ضرورت پیش آ بھی جائی تو یہ کام اپنی اونچی اور موٹی وہیل والے جوتے سے لیا جاتا ہے، ہوائی چپل سے نہیں، تاکہ لڑائی میں مزہ تو آئے۔ کچھ کم عقل، کم پڑھے لکھے اور ناہنجار قسم کے بد نصیب شوہر حضرات اپنی بے چاری، قسمت کی ماری، معصوم اور بھولی بھالی بے زبان بیوی پر اس ہلکی پھلکی چپل سے طبع آزمائی کرکے اکثر اپنے گھر خراب کرتے بھی دیکھے گئے ہیں۔ تاہم کچھ کیسس میں یہ معاملہ الٹ بھی ہوا کہ جوتا بیوی کے ہاتھ میں اور جان میاں بیچارے کی۔ ویسے ہمارے پڑوسی ملک میں بیویوں کے ستائے شوہروں کی اچھی خاصی تعداد دستیاب ہے، جن میں اکثریت لیڈیز چپلوں کے مارے اور ستائے ہوئے ہوتے ہیں اور ان شوہر بیچارگان نے ہندوستان میں اس

سلسلے میں مظاہرہ اور کانفرنس بھی کر ڈالی تھی، مگر انکی سرکار نے بخوفِ خونخوار بیگمات کوئی شنوائی نہ کی۔

یوں تو اس ہوائی چپل کی اہمیت سے انکار کبھی بھی نہیں مگر حج اور عمرہ کے دنوں میں اسکی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ شرعی تقاضا یعنی انگلیوں کا اوپر کا حصہ اس دورانِ عبادت خالی چھوڑنا ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ جب دن بھر کا تھکا ہارا بندہ جوتے میں قید گھر پہنچتا ہے تو اسکی کوشش ہوتی ہے کہ بس جلد از جلد اس بند جوتے سے نجات پا کر کسی کونے میں پھینک کر کوئی سادہ سی چپل یا ہوائی چپل اڑا لی جائے۔ لہٰذا اس ہوائی چپل کو ایک عام چپل سمجھ کر کبھی نظر انداز نہ کیجئے گا، یہ آپ کی جنم جنم کی ساتھی ہے اور رہے گی۔ پچھلے دنوں جب امریکی وزیرِ خارجہ ہلیری کلنٹن کا فرانس کے دورے کے دوران جوتا ٹوٹ کر پاؤں سے نکلا تو سنا ہے کہ انہیں بھی فوری طور پر ایمرجنسی میں پاکستان کی بنی ہوئی ایک ہوائی چپل ہی کی پیشکش کی گئی تھی جسے انہوں نے اس لیے رد کر دیا کہ کہیں اس میں بم فِٹ نہ ہو۔ اسکے علاوہ جب سے سابق امریکی پاگل، قاتلوں کا قاتل صدر بش جونیئر کو عراق میں اور دیگر معززین کو ادھر ادھر جوتے پڑے ہیں تب سے بیچارے صحافیوں کو کسی بھی اہم شخصیت کے قریب ننگے پاؤں یا پھر ہلکی پھلکی سی ہوائی چپل پہنا کر پھٹکایا جاتا ہے، تاکہ یہ مطلوبہ مقام یعنی کھوپڑی مبارک تک پہنچ ہی نہ پائے اور لگ بھی

جائے تو ٹنڈ کا زیادہ نقصان نہ ہو۔ مزید یہ کہ مشہور مغل بادشاہ رنگیلا کے بارے میں مشہور ہے کہ اسکی سلطنت اس لئے ختم ہوئی کہ اسکے محل پر حملہ ہونے کے آخری لمحات پر اسکو چپل یا ہوائی چپل پہنانے والی کنیز اس سے پہلے محل چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، اور وہ پکڑا گیا؟۔ لہٰذا : Beware of Hawai Chappal always

ساس بہو کا جھگڑا۔جیت کس کی؟

ساس بہو کا جھگڑا۔جیت کس کی؟

ہمارے معاشرے میں ساس بہو کی لڑائی ، نند بھاوج کی لڑائی ، دو سوکنوں کی لڑائی وغیرہ معمول کی بات ہے۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو کہ جہاں یہ ازل سے ابد تک کا مسئلہ درپیش نہ ہو۔مگر ان تمام لڑائیوں میں جو مشہوری بغیر بینڈ باجے گاجے ، طوطنی اورڈگڈگی بجائے ساس بہو کی لڑائی کو ملی ایسی شہرت تو شاید پانی پت کی لڑائی یا 1857 کی جنگِ آزادی کو بھی نہ ملی ہوگی۔آجکل کی ساس اور بہوؤں میں اینٹ اور کتے کا ویر والا جھگڑا چلتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کو ایک پل بھی (نوے فیصد) قریب پھٹکانا گوارا نہیں کرتیں۔ وجہ جنریشن گیپ یعنی ساس کو دقیانوس اور بہو کو نئے زمانے کی چیز کہا جاتا ہے۔تاہم ابھی بھی کچھ اچھے لوگ باقی ہیں اس جہاں میں ، تاہم اکثریت ایویں ہی سی ہے۔

ہاں تو جناب ہم بات کر رہے ہیں ساس بہو کے پھڈے کی ! ساس بہو کا پھڈا کس بات پر، کس وقت ، کس جگہ شروع ہوجائے، مری کے موسم اور ہمارے ملک کی طوائفوں میں گھری سیاست کی طرح اسکا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔مثلاً ایک ساس نے اتفاق سے یا غلطی سے بہو سے پینے کا پانی مانگ لیا، بہو جو پہلے ہی بہت سے

جھمیلوں میں پھنسی ، سٹار پلس کے ڈراموں اور فیشن کے خیالوں میں مگن تھی، ٹکا سا جواب دے دیا کہ خود اٹھ کر ڈھوک لو۔ اب آپ تصور کریں کہ بیچاری اوورویٹ بوڑھی ساس گھٹنوں کے درد کی ماری، مزید چھ بیماریوں میں مبتلا بھلا کہاں سے خود پانی لے کر پیتی۔ لو جی پھڈا شروع۔ پھڈا بھی ایسا کہ نہ ختم ہونے والا یعنی ہمارے مفاد پرست ، کمینے، سیاستدانوں کے جیسا نہیں کہ جیب میں مال ختم تو رات کو تحفظات کا پھڈا شروع ہوا اور صبح لے دلا کر تمام پھڈے اور تحفظات ختم اور سب شیر شکر۔ لو جناب ! پہلے ساس صاحبہ نے حملہ کیا کہ ؛؛ دیکھو تو آجکل کی بہوؤں کو ایک گلاس پانی کیا مانگ لیا کھانے کو ایسے دوڑ پڑیں جیسے سمندر لانے کو کہہ دیا ہو یا انکے ابا کی جائیداد میں سے حصہ مانگ لیا ہو۔ بلکل کام کی نہ کاج کی دشمن صرف میرے بیٹے کے مال کی، وغیرہ وغیرہ۔ تو جناب ! کوئی طعنہ سنکر جواب نہ دینا، درمیان میں ٹوکنا، دوسرے کی بات پر درمیان میں قینچی چلا کر اپنی ٹانگ بیچ میں اڑانا عورت کی فطری عادت سی ہوتی ہے۔ حسبِ توقع بہو کی طرف سے بمباری شروع ہوئی کہ ؛؛ ہاں جی سارے گھر کے کام کاج تو جیسے فرشتے آ کر کرتے ہیں نہ۔ خود تو سارا دن منہ میں پان چبڑ چبڑ کر کے سارا گھر لال پیلا کیے رکھتی ہو اوپر سے کام نہ کرنے کے طعنے ؛؛۔ ابھی ساس بہو کی یہ جنگ جاری ہی تھی کہ نند صاحبہ جو کہ حسبِ معمول بازار کے دورے پر تھیں واپس آ دھمکیں اور اپنی ماں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھ کر بازو ٹونگ کر اس جنگ میں شامل ہو گئیں۔ اب جناب بہو

ایک اور دشمن دو۔ نند صاحبہ نے آتے ہی اپنی ماں پر ظلم و ستم کا رونا روتے ہوئے شروع ہو گئیں اور دونوں ماں بیٹیوں نے مل کر ڈرون حملے شروع کر دیے کہ ؟؟ بھابی آپ کرتی ہی کیا ہیں سوائے سٹار پلس کے ڈرامے دیکھنے کے، اپنی اماں، ابا، بہن بھائیوں وغیرہ سے گھنٹوں فون پر باتیں کرنے کے۔ بہو نے نند کی سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنے کارنامے اور زور و شور سے گنوانا شروع کر دیے کہ ؟؟ تینوں ٹائم میں ہی پکا پکا کر کھلاتی ہوں، سارے گھر کے کام کاج بھی میں ہی کرتی ہوں، تمہاری ساری بہنیں جب درجنوں بچوں سمیت وارد ہوتی ہیں تو انکے اوجھ کے بوجھ بھی میں ہی کھلا کھلا کر بھرتی ہوں، تم تو اٹھتی ہی دوپہر کو بارہ بجے ہو اور تمہارے ناشتے پانی، کچن کی صفائی بھی میں ہی کرکے رکھتی ہوں، آنے جانے والے تمام مہمان بھی میرے ہی ہاتھوں سے بھگتائے جاتے ہیں، یہ تمام کپڑے بھی میرے ہی دھلے پہنتی ہو، سمجھیں۔ تمہیں آتا ہی کیا ہے سوائے باتیں بگھارنے، سونے اور بازار کے چکروں کے۔ نند صاحبہ کو بھی ہوشیاری آئی کچن کے فرش سے چند استعمال شدہ تیلیاں اٹھا لائی کہ ؟؟ یہ ہے آپکی صفائی، سارا دن کچن میں گندے برتن پڑے سڑتے رہتے ہیں آپ کہتی ہو کہ صفائی کرتی ہوں، اور وہ دیکھو وہ کل سے منے کے گندے پیمپر اور ڈائپر اور نیکریں واشنگ مشین پر پڑے ہیں، آپنے ہاتھ بھی نہیں لگایا، پھر کہتی ہیں کہ میں صفائیاں کرتی ہوں۔ ڈرائنگ روم کی ٹیبل پر دیکھیں کتنی مٹی جمی ہے، چھی چھی چھی۔ اور ذرا اپنے کمرے کا حال تو دیکھیں کہ اب تک صبح کے بستر تک سیٹ

نہیں ہوئے اور ایسا لگ رہے کہ جیسے کوئی سرائے یا ریلوے اسٹیشن ہو یا پھر آپ سیلاب زدگان میں سے ہوں۔ اوپر سے دوپہر ہونے کو ہے اور ابھی تک کچھ پکانے کو بھی نہیں چڑھایا، لگتا ہے کہ دوپہر کا کھانا رات کو ہی ملیگا۔ اسی دوران گھر میں شوروغل سنکر آس پڑوس اور محلے کی عورتوں نے اپنی اپنی چھتوں پر مورچے گاڑ کر اس جنگ کی باقاعدہ مانیٹرنگ بھی شروع کردی تاکہ استعمال شدہ ڈائیلاگ رٹ کر اپنی لڑائی میں کام میں لائیں۔ مورچے لگتے دیکھ کر تینوں موصوفاؤں نے کچھ غیرت کا مظاہرے کرتے ہوئے عارضی جنگ بندی کا اعلان کردیا۔

دن بھر کا تھکا ہارا میاں بے چارا، قسمت کا مارا جب گھر میں داخل ہوا تو ساس بہو اور نند کی نے لڑائی جہاں سے چھوٹی تھی وہیں سے دوبارہ شروع ہو گئی۔ پہلا حملہ پھر ساس صاحبہ کی طرف سے ہوا جب انہوں نے کلاشنکوف کا برسٹ چلایا کہ؛؛ دیکھ لے بیٹا اپنی لاڈلی بیوی کو سارا دن کام شام کچھ نہیں کرتی بس اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھتی ہے اور چائے پیتی ہے، فون پر سہیلیوں اور گھر والوں سے گپیں ہانکتی ہے، تیرے آتے ہی دکھاوے کے لیے کام شروع کر دیتی ہے۔ کیا بس اسی کام کے لیے لایا تھا تو اسے۔ پھر بہو کی طرف سے دستی بم آیا کہ؛؛ یہ آپکی اماں جان سارا دن پان چبڑ چبڑ کرتی ہیں، چارپائیاں توڑتی ہیں، اٹھ کر پانی بھی نہیں پی سکتیں، مگر ایک گھر سے دوسرے گھر کا نا پھونسیاں

کرنے کے لیے انکے گوڈوں اور گٹوں میں سریا لگ جاتا ہے۔ اب صبح سے دونوں ماں بیٹیوں نے میرا جینا محال کیا ہوا ہے، اور پھر بات بڑھتے بڑھتے ہر بہو کی طرح کا وہی پرانا تقاضا کہ گھر فورا الگ گھر لیکر دو ورنہ میں بمعہ بچوں کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔

ساس نے بڑی مثالیں دیں کہ ہمارے زمانے میں تو چھ چھ خاندان اکھٹے رہتے تھے، ایک جگہ کھانا پکتا تھا، ایک جگہ کھاتے سوتے رہتے تھے، مگر آجکل کی بہوویں تو اپنے ساتھ کسی چڑیا کو بھی برداشت نہیں کرتیں۔ تاہم ساس کی صلواتوں سے قطع نظر بہو کی صرف ایک ہی رٹ کہ بس الگ ہٹ اور ساتھ میں دہائی کہ؛؛ اللہ ایسی ساس کسی بد نصیب دشمن ہی کو دے، تاکہ کلیجے میں ٹھنڈ پڑی رہے؛؛۔ ساس صاحبہ بھی بھری بیٹھی تھیں اور میزائل داغ دیا کہ؛؛ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تو اتنی بد تمیز، سڑیل، کام چور اور بد دماغ نکلے گی تو میں کبھی اپنے بیٹے کو تیرا دولہا نہ بناتی اور نہ تمہیں مجھ سے مجھے تم سے پالا پڑتا۔ بہو نے بھی جوابا میزائل داغا کہ؛؛ مجھے بھی آپ کے گھر آ کر پھنسنے، ایسی بد دماغ، جاہل، جھگڑالو، نک چڑھی، بد تمیز ساس اور نندوں سے ملنے کا بھی کوئی خاص شوق نہ تھا۔ یہ تو آپ کے بیٹے صاحب نے مجھے سر سبز باغ دکھا کر، تعویذ گنڈے کرا کر، دن رات میرے ابا کے پاؤں دبا کر اور آسمان سے تارے توڑ کر لانے کے وعدے پر مجھے پھنسایا تھا۔ اور پھر ساسو ماں کا ایک

اور نیزا: ؛ اے ہے تو تو اتنی بھولی تھی نہ کہ فیڈر بھی یہاں آ کر چھوڑا ہے تو نے اور شاید دودھ کے دانت بھی نہیں گرے ہونگے تیرے، کلموہی، میرے معصوم اور پاکباز بچے کو دفتر میں پھنسا کر اب اسکی گردن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پھندے میں جکڑ لی ہے۔

دو نہیں بلکہ تین سانڈوں کے بیچ پھنسا میاں بیچارہ آخر کار صبر کا پیمانہ لبریز ہوتے بول ہی پڑا کہ بیگم تم اپنے بیوٹی پارلر کے اور اماں کے گھر ٹیکسیوں میں آنے جانے کے اور دیگر فضول اخراجات کم کرو تو میں تمہارا کچھ سوچوں۔ اب تو تمہارے خرچوں نے یہ حال کر دیا ہے کہ آسمان کے تارے نہیں بلکہ مارکیٹ کی دکانوں کے تالے توڑنے کی نوبت آ گئی ہے۔ یہ سن کر تو بیگم مزید آگ بگولا ہو گئیں اور دھوئیں والا بم مارا کہ ؛؛ اچھا ! میرے خرچے کی ہر چیز چبھتی ہے جناب کو۔ اپنی ماں صاحبہ کا دو درجن پان روزانہ کا خرچہ یاد نہیں آپ کو اور وہ جو بہن صاحبہ کو ہر ماہ دسیوں سوٹ سلوا کر دیتے ہو، اور اپنے بھانجے بھانجیوں، بھتیجے، بھتیجیوں پر جو پیسے پانی کی طرح لٹاتے ہو وہ سب یاد نہیں، میرا ذرا سا خرچہ بہت یاد رہتا ہے آپکو۔ ساس صاحبہ اپنے دفاع میں بولیں کہ ؛؛ میرے بیٹے کی کمائی ہے میں جیسے چاہے خرچ کروں تو بیگم نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دے ڈالا کہ پھر خوب پان کھایئے اور محلے میں بھی بٹوایئے تاکہ ثواب دارین بھی حاصل ہوتا رہے بلکہ ہوسکے تو ہر جمعہ

والے روز مسجد کے باہر بھی تقسیم کروا دیا کریں، مزید ثواب ملے گا۔

اتنے میں سسر صاحب لاٹھی ٹیکتے اور کھانستے ہوئے وارد ہوئے اور گرجدار آواز میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ کرکے جنگ بند کرائی اور حکم دیا کہ کوئی کہیں نہیں جائیگا بلکہ اس بڑھیا یعنی ساس صاحبہ کو کہیں نکالنے کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ساس صاحبہ کا رخ بہو سے یکدم سسر صاحب کی جانب ہوگیا اور انکی آپس میں تو تکار شروی ہو گئی۔ میاں بیچارہ ہکا بکا ہو کر یہ سب تماشہ دیکھ کر کبھی جی تو کبھی مر رہا تھا۔ خیر جناب بمشکل تمام، سسر صاحب نے ساس صاحبہ کی اچھی طرح چھترول کر کراکر اس معاملے کو رفع دفع کرایا اور ساتھ میں الٹی میٹم بھی دے دیا کہ اب اگر ساس صاحبہ نے بہو سے پھڈا کیا تو ساس کے پان بلکل بند۔ ساس صاحبہ نے پان بند ہونے کا نام سنا تو گھگیا سی گئی اور فورا پوتا پوتیوں کو پکڑ لیا کہ آجا میرے پپو، آجا میری گڑیا، آجا میرے لال، آجا میرے چندا، میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سین دیکھ کر میاں بیچارے نے بھی کچھ سکھ کا سانس لیا کہ چلو پان بند کرنے کی دھمکی کام آ گئی اور گھر میں کچھ عرصہ تو سکون رہیگا۔

بکرا۔ عید آنکھوں دیکھا حال

بقر عید کا نام سنتے ہی انسانی ذہن فورا تکہ، بوٹی، کلیجی، سری، پائے، ران اور چانپوں کی طرف چلا جاتا ہے اور لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ دراصل ہم نے سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اس فریضہ کو سرانجام دینا ہے۔ آجکل ہر شہر گاؤں اور دیہات میں قربانی کے لیے جانوروں کا فیشن شو یعنی منڈی لگی ہے اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق اس شو میں جا کر جیب ہلکی کرنے کے چکر میں ہے۔ سیانے لوگ تلاش جانوراں برائے قربانی سال پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں، جب وہ بلی کے بچو نگڑے کے برابر کا ایک آدھ بکرا، بکری کا بچہ لیکر یا تو گھر باندھ کر چھوٹے بچوں کو بہلانے کا کام بھی لیتے ہیں، یا پھر کسی جاننے والے کی زمینوں پر کھلے ڈھلے پلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ آخر وقت کے ڈھیر سارے خرچے سے بچا جاسکے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہ بیچارہ مظلوم قربانی کا جانور آخری دنوں میں ہی خرید پاتے ہیں۔ بلخصوص بڑے شہروں کے لوگ تنگی مکاں کی وجہ سے ادھر جانور لیا اور ادھر چھری دے تھلے۔ تنخواہ دار سب سے مظلوم طبقہ تو آخری دم تک ادھر ادھر سے کچھ آنے کی امید پر اس خاص شے کے لیے چاند رات ہی کر دیتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز ایڈوانس ہو گئی ہے۔ اب آپ مویشی منڈی یا بکرا پیڑی جائیں ، بکرا، بکری یا جو بھی جانور لینا ہو اسکی ایشوریا یا مادھوری اسٹائل ، مختلف زاویوں سے بہت سی تصاویر بنا کر بیگم اور بچوں کو ایم ایم ایس کریں، پسند کرائیں ، چرچے کے لیے خرچہ کریں اور جانور گھر لے آئیں۔ تاہم ہمارے ملک میں جانوروں کے ساتھ ساتھ چار پانچ جگہوں پر کچھ انسانوں کی بھی منڈیاں لگتی ہیں جہاں انکی خوبصورتی سے نہیں انکی ہمدردی اور پیسے سے مطلب ہوتا ہے، پیسا دیں اور انسان نما جانور اپنے ساتھ ہانک لیں (مطلب آپ سمجھ گئے ہونگے ؟)۔ بہرحال ! عیدین پر سب سے زیادہ شامت بیچارے سرکاری ملازم کی ہی آتی ہے کہ لگی بندھی تنخواہ اوپر سے اضافی خرچہ ۔ حضرت کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بڑے جانور میں سستا سا حصہ ڈال لیا جائے، مگر بچے اور بیگم میاں بیچارے کو ان نیک ارادوں سے باز رکھتے ہوئے بکرے کی فرمائش اور رٹ برابر ایسے جاری رکھتے ہیں جیسے امریکہ ڈومور کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔ بلکہ بعض بیگمات تو اسی مریکہ کی بی بی طرح سے اپنے اپنے میاؤں کو تڑیاں بھی لگا دیتی ہیں کہ بکرا لائیں تو گھر آنا ورنہ باہر ہی کہیں ڈیرہ لگا لینا اور انجام کے لیے تیار رہنا۔ یوں بیچارہ ملازم نہ چاہتے ہوئے بھی ادھار شدھار کرکے بکرا گھر لے ہی آتا ہے۔
لو جناب ! بکرا گھر آیا نہیں کہ اس کی منہ دکھائی کی رسم شروع ہو جاتی ہے۔

بچے محلے والوں کو پکڑ پکڑ بکرا دکھانے کو لا رہے ہوتے ہیں، بیگم اپنے رشتہ داروں کو فون پر اور بہ نفس نفیس بکرے کی خوبیاں بیان کر رہی ہوتی ہیں، مثلاً بکرا بہت ہی اعلیٰ نسل کا ہے، دو دانت کا دوندا ہے، بہت ہی خوبصورت ہے، اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو تقریباً ایک من گوشت ضرور نکل آئے گا؟؟؟ (بکرا نہ ہوا گائے ہو گئی) ، مزید یہ کہ بس اس نسل کا یہ ایک ہی بکرا تھا جو ہم لے آئے، اسکے بعد اسکی نسل ہی ختم ہے وغیرہ وغیرہ ۔ دوسری طرف بچے اپنی اپنی پلاننگ میں مصروف کہ گھاس کون لائے اور کھلائے گا، پانی کی ڈیوٹی کس کی ہو گی، کھل اور بھوسی ٹکڑے اور چنے کون کھلائے گا، وغیرہ غیرہ مگر صفائی کی ڈیوٹی کی طرف کوئی نہیں جاتا کہ گند صاف کرنے کی ڈیوٹی ماں یا ماما کی لگا دیجاتی ہے یا پھر بیچاری چھوٹی بہن رگڑے میں آتی ہے۔ بچوں نے مگر سب سے پہلے یہ پلان بنایا گیا کہ اس بکرے موصوف کو پہلے کسی انیمل بیوٹی پارلر میں لے جایا جائے تاکہ اسکی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو۔ بلکہ آدھا درجن بچوں کی تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک دوست تو للو میاں کو پہلے ہی مشورہ دے چکے تھے کہ آپ اس بار بقر عید کے سیزن میں انیمل بیوٹی پارلر کھول لیں انشاء اللہ بہت چلے گا۔ کام بھی زیادہ مشکل نہیں بس یہی کہ جانوروں کے بال تراشنا، ناخن تراشنا، انہیں مہندی کے نقش و نگار سے گل و گلزار کرنا، انکے گلے اور ٹانگوں میں انیمل جیولری کی سیٹنگ کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ کام بہت اچھا رہیگا۔ مگر بیگم کے ایک ہی ڈائیلاگ نے للو میاں کی ساری کیتی کرائی پر

پانی پھیر دیا کہ اب میرے بچے کیا یہ کام کریں گے ؟۔

تو جناب ! گھر میں ہو بکرا اور بچے باہر لیکر نہ جائیں ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ للو میاں کے ساتھ گذشتہ عید سے ایک روز قبل پیش آیا، جب آخری نمبر والے بچے کو، جسکا ہاتھ بھی ابھی بکرے کی دم تلک نہیں جاتا، انہیں بکرے کو سیر کرانے کا شوق چرایا۔ ماں کی آنکھوں میں دھول اور لال پسی مرچ جھونک، بکرا کھولا اور باہر لے گئے۔ بکرا صاحب کو گلی میں کسی گھر سے مظلوم میڈم بکری کی آواز آ گئی، بکرا صاحب نے وہیں سے مولاجٹ کی طرح آواز لگائی کہ میں آ ریا واں گلابوووووووو، اور وہ رسی چھڑا کر چھوٹے میاں کو کوڑے کی اروڑی پر گیند کی طرح اچھالتے اپنی بکری کو لیکر ایسے لاپتہ ہوئے کہ جیسے ہمارے سیاستدان الیکشن جیتنے کے بعد۔ شام کو للو میاں گھر آئے تو ماجرا سن کر پہلے تو اپنا سر پکڑ کر رہ گئے، پھر تلاش جانوراں میں نکل کھڑے ہوئے۔ قریبی مساجد میں اعلانات کرائے، میونسپل کمیٹی کے گمشدہ جانوروں کے بھانے میں تلاش کیا، لوگوں سے ادھر ادھر پوچھتے پاچھتے پتہ چلا کہ محلے کی ایک عدد بکری بھی غائب ہے اور بکری کا مالک بکری کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ موقعہ کی مناسبت سے ایک صاحب نے تو مشورہ دیا کہ آپ بھی چیف جسٹس صاحب کہ خط لکھ دیں کہ سو موٹو ایکشن لیکر ہماری بکری اور بکرا بازیاب کرایا جائے، کیونکہ آجکل یہی ٹرینڈ چلا ہوا ہے کہ کسی کا طوطا یا بلی بھی

گم ہو جائے تو فوراً چیف جسٹس صاحب کو تار بھیج دی جاتی ہے جیسے انکے پاس سیاستدانوں کی طرح کرنے کو کوئی اور کام نہ ہو۔ خیر جناب ! کچھ تلاش بسیار کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک جگہ بکرا اور بکری دونوں ہی مل گئے، مگر دونوں نے اپنے اپنے مالکوں کو دیکھ کر دوبارہ دوڑ لگا دی اور رراستے میں آنے والی ہر چیز کو چنگیز خان کی طرح تہس نہس کر دیا۔ مثلاً گول گپے والے کی ریڑھی الٹا دی، سبزی والے کا ٹھیلا کلٹی کر دیا، دودھ والے کی سائیکل کو ٹکر ماری سارا دودھ نالی میں، بلو حجام کا بیٹا جو کہ گلی میں بنٹے کھیل رہا تھے اسکی بازو توڑ دی۔ بکرا بکری آگے اور دونوں مالک پیچھے، آخر ایک جگہ دونوں تھک ہار کر رک ہی گئے اور رحم طلب نظروں سے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کہ رہے ہوں کہ :

اک تم ہی نہیں تنہا الفت میں ہماری رسوا

اس شہر میں آجکل تم جیسے دیوانے ہزار ہیں

اور واقعی اسوقت سب لوگ انکے دیوانے تھے کہ کل ان صاحب کو قربان جو کرنا ہے۔ بالآخر درجن بھر لوگوں کی مدد سے دونوں مالکان اپنے اپنے مال کو قابو کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے اور للو میاں بکرا لیکر بڑے فاتحانہ انداز میں گھر میں داخل ہوئے کو آج تو بیگم کے آگے ٹور بن جائے گی۔ ابھی للو میاں لہک لہک کر اپنی بہادری کے قصے بیگم اور بچوں کے گوش گذار کر ہی رہے تھے کہ گول

گیے والا، سبزی والا اور دودھ والا اپنا اپنا معاوضہ وصول کرنے پہنچ گئے اور ساتھ میں بلو حجام بیٹے کے بازو پر پٹی چڑھائے موجود میڈیکل الاؤنس کا تقاضا کر رہا تھا۔ان تمام حضرات کو دیکھ کر تو للو میاں کی جان ہی نکل گئی کہ اتنے کا تو بکرا انہیں جتنا معاوضہ مذکورہ صاحبان طلب کر رہے ہیں۔ پھر رات گئے محلے کے چند بزرگوں کی میٹنگ کال کی گئی جسمیں فیصلہ ظاہر ہے کہ اکثریت سے للو میاں کے خلاف آیا اور پھر تمام لوگوں کا نقصان پورا کرنا پڑا۔ اور یوں یہ بکرا صاحب بچھڑے کی قیمت میں جا پڑے۔

صبح صبح عیدی ویدی اور دیگر غیر ضروری اخراجات سے فراغت کے بعد، بیگم کو چھریاں بگدے اور کھوڑی وغیرہ محلے والوں سے مستعار لینے بھیجنے کے بعد، ابھی عید کی نماز، میں تھوڑا سا ٹائم باقی تھا للو میاں نے سوچا کہ قصائی کو ذرا ریمائنڈ کرا آئیں کیونکہ محلے دار ہونے کے ناطے اسنے بہت قریب کا نمبر یعنی چوتھا نمبر دیا تھا اور دو سو روپیہ ڈسکاؤنٹ بھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ عید کی نماز کے ٹھیک سات منٹ بعد انکے گھر ہوگا اور آپ ہر چیز تیار رکھیے گا۔ قصائی موصوف کے گھر سے پتہ چلا کہ وہ تو صبح سات بجے والی مسجد میں نماز پڑھ کر درجن بھر جانور ڈھا بھی چکے ہیں۔ خیر جناب للو میاں بھی جلدی جلدی نماز پڑھ کر گھر پہنچے کہ قصائی صاحب آ چکے ہونگے، مگر وہ لاپتہ تھے اور فون بھی بند تھا۔ اب للو میاں کبھی بکرے کو دیکھیں اور کبھی بیگم

کو کیونکہ بیگم اپنے اہل خانہ کو دوپہر کے قیام و طعام کا پہلے ہی کہ چکی تھیں۔ للو میاں نے محلے کی چھ گلیوں میں چھپیوں بچوں کو دوڑایا کہ جو بھی قصائی کو ڈھونڈھ کر لائے گا اسے سو روپیا انعام، گھنٹے بعد منجھلا والا بیٹا سر پر قصائی کی کھوڑی اٹھائے فاتحانہ انداز میں داخل ہوا اور کہا کہ لایئے سو روپیا، قصائی باہر ہے۔ لو جناب ! قصائی صاحب تشریف لائے بمعہ دو ہیلپرز، آتے ہی نہ سلام نہ دعا، نہ عید مبارک، آؤ دیکھا نہ تاؤ بکرا ڈھایا چھری چلائی، بکرے نے ایک دو پلٹیاں ادھر ادھر ہمارے ایک مشہور مذہبی سیاستدان کی طرح ماریں اور ٹھنڈا ہوگیا۔ قصائی صاحب نے جلدی جلدی کھال اتارنے کا افتتاح کیا اور ہیلپروں کے حوالے کر یہ جا وہ جا۔ جاتے جاتے ہیلپروں کو تاکید کر گئے کہ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد سرور پرچون والے کے گھر آ جانا اگلا پروگرام وہیں ہے۔ للو میاں نے قریب ہو کر دیکھا تو بکرے کی آنکھیں کچھ کھلی کھلی سی نظر آئیں جیسے اپنی بکری سے کہ رہے ہوں کہ:

مر کر بھی آنکھیں رہیں گے شام و سحر یونہی کھلی میری
کہ آنکھوں کو سونپ دیں گے سدا تیرا انتظار ہم

تاہم ہیلپر قصائی نے بعد میں کلیئر کر دیا کہ صاحب جی یہ تو یونہی کھلی رہتی ہیں۔ آدھے گھنٹے میں دونوں ہیلپروں نے بکرے کی بوٹی بوٹی الگ کر دی۔ اور خرچہ پانی لیکر فرار، اگلے معرکے کے لیے۔

اب جناب گوشت کی تقسیم کا مرحلہ۔ سب سے پہلے تو بیگم نے آواز لگائی کہ کھال اور سری پائے وغیرہ کسی مدرسے ودرسے یا کسی بھی تنظیم کو نہیں دینی ہے، یہ چیزیں میں نے فلاں بابے کو دینی ہے جسنے پہلے پہلے منے کی دفعہ میں تعویذ دیا تھا اور پائے اس والی اماں کو دینے ہیں جو میرے سر سے جویں نکالتی ہیں اور اوجھڑی فلاں بابے کو دینی ہے جسنے سب سے چھوٹے منے کی دفعہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ہاں جس ماسی نے چھوٹے منے کا چھلا بھگتوایا تھا اسکا حصہ ضرور رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ کِلو کِلو کے درجن بھر شاپر لیکر وہیں بیٹھ گئیں اور اماں کے، بھائی کے، بہن کے، ابا کے گوشت کے شاپر پہلے ہی الگ الگ کرا لیے گول بوٹی والے۔ خاص طور سے ابا کے لیے ران کا گوشت بغیر ہڈی کے الگ کرا لیا کہ ابا کی بتیسی میں کہیں ہڈی نہ پھنس جائے۔ فقرا اور مساکین کا حصہ بھی یہ کہ کر الگ کرا لیا کہ میری چھوٹی بہن کا تو کوئی کمانے والا ہی نہیں تو اس سے زیادہ حقدار کون؟۔ للو میاں نے یاد کرایا کہ بیگم جن اشخاص کے شاپر آپنے الگ الگ رکھوائے ہیں انہیں تو آپنے دعوت پر بھی بلایا ہے، تو کیا وہ پکا بھی کھائیں گے اور کچا بھی؟ بیگم نے گھور کر دیکھا اور کہا کہ توبہ ہے سال میں ایک ہی بار تو ایسا ہوتا ہے، میں کونسا روز رو ز گوشت بھجواتی اور کھلاتی ہوں۔ للو میاں نے مزید یاد کرایا کہ بیگم شادیوں کا سیزن شروع ہونے والا ہے، نئے جوڑوں کی جو دعوتیں شعوتیں کرنی ہیں، انکے لیے بھی کچھ بچا

لیں گوشت کا خرچہ بچ جائیگا، فورا بولیں کہ جو ادھر ادھر سے آئے گا، اسمیں سے رکھ لیں گے، فی الحال میرے عزیز و اقارب کے حصے پورے کریں۔

یوں جناب ! بیگم صاحبہ نے اپنے گوشت کے شاپر پورے کرانے کے بعد سب سے پہلے گردے کلیجی وغیرہ بھون کر بڑے فخریہ انداز میں سب کو چکھوائے اور پھر ٹائم کی شارٹیج کو مد نظر رکھتے ہوئے آدھا گوشت، آدھے بال لگے، آدھے اترے یونہی بغیر دھلا پکنے کے لیے چڑھا دیا گیا۔ کیونکہ درجن بھر مہمان بڑی بیتابی سے قربانی کے گوشت پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے بے چین بیٹھے تھے اور بتیسی والے حضرات اپنی اپنی بتیسیاں بھی رگڑوا اور صاف کرا چکے تھے۔ پھر جناب کھانا تیار ہونے پر سب نے اسکے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور تمام مہمان ہاضمے کے لیے آدھا درجن سپرائٹ اور ڈیو کے دو لیٹر پیک بھی ساتھ چڑھا گئے۔ بقر عید ہو اور بچوں اور بڑوں کے پیٹ خراب نہ ہوں انہونی سی بات ہے، کئی صاحبان تو کھانے کے دوران بھی کئی بار باتھ روم کی حاضریاں لگانے گئے، مگر کھانے سے ہاتھ انہوں نے پھر بھی نہ اٹھایا اور اسی رفتار اور ذوق اور شوق سے باتھ روم آتے جاتے اور کھانا تناول فرماتے رہے۔

شام کو تمام گھر والے سالے صاحب کے ہاں انوائیٹڈ تھے، بیگم نے رقعہ بھجوایا کہ بھائی کے گھر جانا ہے پانچ کلو مٹھائی اسپیشل کا ٹوکرا لیتے

آیئے اور ٹیکسی کار کا بھی بندوبست کر لیں ہم چنگ چی رکشہ یا منی بس پر نہیں جائیں گے۔ للو میاں نے کہا کہ بیگم ہم کھانا کھانے جا رہے ہیں، نہ کہ بڑے منے کی سگائی کرنے، تو پانچ کلو مٹھائی اور ٹیکسی کا کیا کام، بیگم نے بینگن کی طرح برا سا منہ بنا کر جواب دیا کہ درجن بھر بچے ہیں خیر سے میرے بھائی کے، کم از کم چار چار دانے تو حصے میں آئیں، ایک کلو میں کیا بنے گا اور یہ کہ ٹیکسی کی اپنی ٹور ہوتی ہے۔ للو میاں نے بھی سڑ کر جواب دیا کہ بیگم تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے تمہاری ریٹنگ گھر میں سب سے ڈاؤن ہے۔ بیگم نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے ملک کے بڑے بڑے حکمران منفی 48 سے منفی 40 تک ریٹنگ ہوتے بھی تمہارے سروں پر سیمہ کی طرح زبردستی مسلط اور برا جمان ہیں، میری تو حیثیت ہی کیا ہے۔ بیگم کے اس جواب نے للوں میاں کو ایسے ہی خاموش کر دیا جیسے سیاستدان پیسے لیکر خاموش ہو جاتے ہیں۔

چار خواتین اگر کہیں اکٹھی بیٹھ جائیں تو پھر آپ کم از کم دو چار گھنٹے کے لیے انہیں بھول جائیں۔ یہی کچھ سالے صاحب کے گھر ہوا کہ کھانے سے فراغت کے بعد مذکورہ خواتین کہیں کپڑوں اور نئے ڈیزائنوں کا اور ایک دوسرے کی برائی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھیں اور آدھی رات کر دی۔ بقول ایک سروے کے کہ عورت کوئی بھی راز صرف تئیس گھنٹے اور سینتالیس منٹ تک چھپا سکتی ہے اسکے بعد وہ راز راز نہیں رہتا۔ یہی کچھ شاید یہاں ہوا کہ ایک دوسرے کے میاؤں کے پول کھلنے

شروع ہوئے اور ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا۔ میاں نے بچوں کے ہاتھ بہت سے پیغام بھجوائے، یو فون کی طرح لڑائی جھگڑے کے انداز کے ایس ایم ایس بھی بھیجے مگر ہر بار یہی جواب آتا کہ بس ابھی آئی۔ ادھر للو میاں کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ آدھے بچے سو چکے تھے جنھیں تیسری منزل سے نیچے گود میں یا کمر پر لاد کر اتارنا اور پھر اپنے گھر کی پانچویں منزل پر چڑھانا بھی تھا۔ اللہ اللہ کر کے بیگمات کی یہ محفل برخاست ہوئی اور سالے صاحب سے اجازت چاہی۔ سالے صاحب نے اوپری دل سے پوچھا ضرور کہ بچوں کو نیچے تک پہنچوا آؤں، مگر بیگم نے فوراً منع کر دیا کہ نہیں بھیا آپ کہاں اتنی تکلیف کریں گے یہ خود ہی اٹھا لیں گے۔ لہٰذا پھر خود ہی للو میاں کو یہ کارہائے نمایاں سرانجام دینا پڑا۔

رات کے تین بجے دن بھر کا تھکا ہارا، پریشان حال، میاں بیچارہ لٹا پٹا بستر پر لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور بے اختیار اسکے لبوں پر یہ شعر مچلنے لگا:

دکھ جھیلیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں
میاں کی جیب کرے خالی، مزے بیوی بچے اڑائیں

ابھی میاں اپنے دکھ اور پریشانیوں کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ اسے اپنے

سے بھی زیادہ کسی دل جلے کی غزلیں سننے کی آوازیں سنائی دیں، جنکے بول کچھ اسطرح تھے:

ہم کو تو گردش حالات پہ رونا آیا
رونے والے تجھے کس بات پہ رونا آیا
کہیں دیپ جلے کہیں دل
ذرا دیکھ لے آ کر دیوانے تیری کونسی ہے منزل
ادھر زندگی کا جنازہ اٹھے گا
ادھر زندگی انکی دلہن بنے گی
وغیرہ، وغیرہ

مذکورہ دل جلے کی حالت دیکھ کر للو میاں کو اپنے غم بہت ہی چھوٹے محسوس ہونے لگے اور وہ مطمئن ہوتے نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

دِیا سِلائی کے کمالات

دِیا سلائی ۔ گھبرایئے نہیں یہ نہ کوئی کسی پرانے وقتوں کی شہزادی کا نام ہے، نہ ہی کسی مرچ مصالحے کا نام اور نہ ہی کسی سلائی کڑھائی کا نام ہے بلکہ ہماری روز مرہ کی لازمی جزو یعنی ماچس کا پرانا نام ہے جسے آگ لگانے کے لیے استعمال کیا جاتا۔ ویسے تو وطنِ عزیز میں بغیر ماچس کے آگ لگانے والے بھی بہت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں اقتدار سے زیادہ دن دور رہنا ہو تو پورے ملک میں انہیں انتشار کی آگ نظر آتی ہے تاہم اس دیا سلائی یعنی ماچس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ارے ہاں انتشار پر یاد آیا کہ معروف اداکارہ؟؟ مسرت شاہین بھی ایک بار فرما رہی تھیں کہ ملک میں انتشار پھیلانے والوں کو پھانسی دی جائے۔ تو آپ کے خیال میں زیادہ انتشار کون پھیلاتا ہے؟؟؟ سوچیں اگر ایسا ہوا تو سب سے پہلے تو تمام اسٹیج اداکاراؤں اور ڈانسروں کو ملک میں انتشار پھیلانے پر سزائے موت ہو جائیگی نہ ؟؟؟؟ خیر جناب بات ہو رہی تھی ماچس کی تو آجکل لوڈ شیڈنگ اور سردی کی وجہ سے اسکی اہمیت اور بھی دو چند ہو گئی ہے۔ چولہا جلانا ہو تو ماچس، ہیٹر جلانا ہو تو ماچس، موم بتی جلانی ہو تو ماچس، سگریٹ جلانی ہو تو ماچس، لکڑی جلانی ہو تو ماچس۔ ویسے اگر دل جلانا ہو تو ۔۔۔۔۔۔؟ اور دل جلانے پر یاد آیا کہ جب سے اداکارہ ریما کی ایک پہلے سے شادی شدہ

ڈاکٹر کے ہمراہ امریکہ میں شادی ہوئی ہے، ہمارے جیسے کنوارے تو کیا شادی شدہ حضرات بھی آہیں اور ہونکیں بھر بھر کر بغیر کسی ماچس یا لائٹر کے دل جلاتے پائے جارہے ہیں۔ حالانکہ مادھوری بیگم امریکہ کے ایک ڈاکٹر سے شادی کے بعد دو بچیوں کو لیکر واپس اپنے دیش سدھار چکی ہیں۔ بہرحال ! ہم ریما صاحبہ کی خوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے دعا گو ہیں۔

سوری یار ! ہم پھر لائن سے اتر گئے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہماری پرانی بڑی بوڑھیاں اس آئیٹم یعنی ماچس کو دیا سلائی کے مبارک نام سے یاد کرتی تھیں۔ ایک بار ایک پرانی ساس نے نئی نویلی دلہن سے کہہ دیا کہ بہو ذرا دیا سلائی دینا میرے کان میں خارش ہورہی ہے، بہو نے بڑی زور سے ایسے ہائیں کہا جیسے کہ ساس نے دیا سلائی نہیں بلکہ کان کے جھمکے اتارنے کے لیے کہہ دیے ہوں اور جناب اسی بات پر بہو اور ساس کا پھڈا ہوگیا جسے شام کو شوہر نے آکر بمشکل سنبھالا۔ اسی طرح ایک گھر میں بچوں نے کھیل کھیل میں ماچس کہیں چھپا دی، اماں بیچاری ڈھونڈ ڈھونڈ مر گئی مگر اسے آگ لگانے کو ماچس نہ ملی۔ آگ سے خود کشی کرنے میں بھی ماچس ہی اصل ملزم ہوتی ہے مگر اسپر کبھی کوئی مقدمہ نہیں بنتا۔ نہ یہ ماچس ہو نہ خود کشی ہو۔ اب تو یہ ماچس لارج سائز کے ساتھ ساتھ سمال سائز میں بھی بآدستیاب ہوتی ہے۔ نئے لونڈے لپاڑے، نئے سگریٹ پینے کے شوقین اس سمال سائز ماچس اور ایک آدھ سگریٹ کو توڑ موڑ کر

بآسانی اپنے جوتے یا جراب میں سما لیتے ہیں اور موقعہ ملتے ہی کسی کونے کھدرے میں اپنا کام سرانجام دے لیتے ہیں۔ ایک بار ایک صاحب جنہیں لیٹرین میں سگریٹ پینے کی عادت تھی، دورانِ حاجت انکی سگریٹ بجھ گئی اور ضروری کام میں خلل واقع ہو گیا، پھر انہوں نے جو واش روم سے بیگم کو آوازیں لگائیں تو سارے محلے نے سنیں پر بیگم نے نہ سنیں اور اچھا خاصا پھڈا شروع ہوگیا۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ماچس بھی ایڈوانس ہو کر گیس اور الیکٹرک لائٹر کی شکل اختیار کر چکی ہے مگر فی زمانہ اسکی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

آسانی دستیاب ہے۔ لونڈے لپاڑے نئے سگریٹ کے شوقین اسے جوتوں، جرابوں، قفوں یا کالر میں ایک آدھ سگریٹ کے ساتھ بآسانی چھپا لیتے ہیں اور پھر موقعہ ملتے ہی کہیں کونے کھانچے میں سوٹے کھینچ لیتے ہیں۔

اس آفت کی پرکالہ کے نقصانات بھی بہت ہیں۔ ایک بار تو بچوں نے کھیل کھیل میں ماچس چلا کر پورا گھر جلا کر راکھ کر دیا تھا اور ماں باپ بیچارے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اس ماچس کا ایک دوغلا پن یہ بھی ہے کہ خود ایک بار ذرا سا جل کر دوسرے کو ہمیشہ کے لیے جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ نقصانات کے ساتھ ساتھ اس ماچس کے فائدے بھی بہت ہیں۔ مثلاً دانتوں کے خلال کے لیے، کان کا میل

نکالنے کے لیے، بچوں اور بڑوں کے ناک اور کان صاف کرنے کے لیے ماچس کی ضرورت، بجلی کے شو میں تار پھنسانی ہو تو ماچس کی ضرورت۔ پچھلے زمانے میں تو خواتین اس ماچس کی خالی ڈبی میں بھانج یعنی اکنی، دونی، چونی، اٹھنی، روپیہ وغیرہ رکھنے اور کانٹے بندے چھپانے کا کام بھی لیتی تھیں۔ کچھ بھی ہے، ہے بہت ہی کام کی چیز۔

ہیروئن پینے والوں کے لیے تو یہ ماچس اور اسکی تیلی ہمیشہ اکثیر کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اسکی تیلی کے بغیر انکا سانگ ادھورا رہ جاتا ہے۔ ہم نے ایک بیچارے ہیروئنچی کو اللہ جھوٹ نہ بلوائے ایک ماچس کے لیے سارا دن مزدوری کرتے بھی دیکھا۔ ایک بار تو دو ہیروئنچی آپس میں صرف اس بات پر لڑائی کے لیے صف آرا ہوگئے کہ پہلی ماچس کی تیلی کون جلائے گا۔ ان بیچاروں کے ہاں ماچس کی تیلی اور پنی کے الگ الگ ایکسپرٹ پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح شبِ برات میں پٹاخے اور پھل جھڑیاں بھی اس ماچس کے بغیر ادھورے ہیں۔ چائنا نے تو ماچس کی تیلی کا پٹاخہ ہی ایجاد کر دیا ہے، اسے ماچس کی تیلی کی طرح رگڑیں اور ہوا میں اچھالیں ٹھاہ۔ کسی کے گھر میں اچھال دیں ٹھاہ۔ کسی راہ چلتے کے پاؤں میں ڈال دیں ٹھاہ۔ کسی گھوڑے یا گدھے دم کے نیچے رکھ دیں پھر دیکھیں تماشہ ہوتا کیا ہے؟؟۔ بس ڈرائیور اور کنڈیکٹر حضرات اس ماچس کو تعویذ کی طرح اپنے ساتھ رکھتے ہیں، سگریٹ سلگا کر اس تیلی کو کبھی یونہی بیکار میں نہیں ڈالتے بلکہ کچھ دیر اسے دانتوں میں چبا چبا

کر، خلال کرکے اچھی طرح پیسے وصول کرکے تباہ و بر باد کرکے پھینکتے ہیں۔ ایک بار بچوں نے ایک گھوڑا چڑھی بارات میں گھوڑے کی دم کے نیچے یہ ماچس پٹاخہ پھینک دیا، پھر کیا تھا، دولہا بیچارہ کئی روز بعد دوسرے شہر کے ہسپتال سے ناقابلِ شناخت حالت میں وصول ہوا۔ یونہی ایک بچے نے مویشی منڈی میں بیچ جانوروں کے ایک ماچس پٹاخہ چلا دیا، بس پھر کیا تھا کہ قصائیوں کی موج ہو گئی اور ہر مسجد میں کئی روز تک گمشدہ جانوروں کے اعلانات ہوتے رہے۔ اسی طرح ایک گدھا ریڑھی والا آٹے کی بوریاں لادے جا رہا تھا کہ ایک بچے نے پھر وہی ماچس پٹاخے والی شرارت کر دی، نتیجہ پھر وہی کہ پہلے گدھے نے مالک کی دولتیوں سے اچھی خاصی تواضع کی پھر پوری سڑک اور بازار میں آٹا ہی آٹا کرکے کہیں انجان راہوں کا راہی بن گیا۔ شاپنگ میں مصروف خواتین کی وہ حالت بنی کہ گھر پہنچنے پر گھر والوں نے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا۔

کئی ایک مواقع پر اس ماچس کی ایک تیلی سے کئی کئی سگریٹ سلگا کر انرجی سیونگ بھی کی جاتی ہے۔ ویسے رات برات اگر گھر میں اسکی شارٹیج ہو جائے تو بہت مسئلہ بنتا ہے کہ محلے والوں کے کنڈے بجانے پڑتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پڑوسیوں کے ہاں ماچس کی ڈبی میں بھی ایک ہی تیلی بچی ہوتی ہے اور وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ اس ایک تیلی کو پڑوسی کو دیکر ثوابِ دارین حاصل کریں، یا پڑوسیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا گناہ برداشت کریں۔ ماچس کی

خالی ڈبیاں اور استعمال شدہ تیلیاں بھی مرا ہا تھی سوا لاکھ ہیں۔ چھوٹے بچے ماچس کی خالی ڈبیاں جمع کرکے انسے تاش کے پتوں کا کام لیتے ہیں تو کچھ حضرات اسکی تیلیوں سے نوادرات بنا کر اپنا نام روشن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماچس کا ایک اور استعمال یہ بھی ہے کہ پولیس سے بچنے کے لیے، نشئی حضرات نشہ آور اشیاء اسمیں چھپا لیتے ہیں اور بچوں کو شبِ برات پر ابا پٹاخوں کے لیے پیسے نہ دیں تو بچے بہت سی تیلیوں کا مصالحہ جمع کرکے اسے بجا کر اپنا دل پشوری اور لہوری کر لیتے ہیں۔ آجکل ملکی حالات کے پیش نظر کسی بھی ادارے میں جاؤ تو سب سے پہلے تلاشی کے دوران ماچس یا لائٹر کو ہی نکال باہر کر دیا جاتا ہے اور سکینیر سے گزرتے ہوئے یہ اپنی موجودگی خود ہی ظاہر کر دیتی ہے۔

لہٰذا آپ سبھوں سے گذارش ہے کہ اس چھوٹی سی آفت کی پرکالہ کو معمولی نہ جانیے گا اور خاص طور سے اسے بچوں سے ہمیشہ دور رکھیں۔ پہلے زمانے میں لوگ اسے دیا سلائی کہتے تھے، پھر ماچس، پھر گوروں نے اسکا نام میچ بکس رکھا، نہ جانے ہمارے بڑھاپے میں اسکا کیا نام ہوگا؟ آپکے کمینٹس کا انتظار رہیگا۔

پتنگ اڑانے، کاٹنے اور لوٹنے کا صحیح طریقہ

ویسے تو پتنگ بازی کا موسم، موسمِ بہار سے شروع ہوتا ہے۔تاہم پورے سال بھی ملک بھر میں پتنگ بازی جاری رہتی ہے۔ویسے آجکل ملک میں سیاسی پتنگ بازی کا سیزن عروج پر ہے۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کے مابین بھی بوکاٹا اور پتنگ کی کاٹ ماری اور لوٹ کھسوٹ جاری ہے، دیکھیے کہ کس کا مانجھا کس کی ڈور کاٹتا ہے۔ کچھ لوگوں کی پتنگ تو بڑے بڑے پیر صاحبان اڑا رہے ہیں اور نہ کٹنے کے لیے باقاعدہ چلے کاٹے جارہے ہیں، بکرے دیے جارہے ہیں، جبکہ کچھ بیچارے اصلی پری کے کچے دھاگے سے پتنگ اڑا رہے ہیں جس کا اڑنا اور پیچ لڑانا تو دور کی بات کہ وہ اڑ ہی نہیں پاتی ۔ کچھ لوگوں کی پتنگ کو دیارِ غیر سے کنی اور ٹھگی ملتی ہے ۔ انکے مانجھے اور ڈور میں شریش، دھاگہ اور سیسہ بھی غیر ملکی ملا ہوتا ہے۔ یوں انکی پتنگ بجائے کٹنے کے صرف کاٹتی ہی رہتی ہے ۔ کچھ لوگ پتنگ اڑا کر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر انہیں خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ انکی پتنگ کون اڑا رہا ہے۔ ؟؟کچھ لوگ اکیلے پتنگ اڑاتے ڈرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ مل کر پتنگ بازی کرتے اور روٹی شوٹی کھاتے ہیں۔ ایک صاحب بڑے ذوق و شوق سے سیاست میں اصول پرستی کی پتنگ لیکر آئے، ہر کوئی انکی پتنگ کاٹتا رہا اور وہ اکیلے رو گئے۔ آخر کار اب وہ بچی کھچی ڈور کی گڑی ہاتھ میں لیے اپنے پرانے رفقاؤں کے ساتھ پتنگ بازی کی

تیاری میں مصروف ہیں۔آجکل ہمارے کچھ بڑے صاحبان ایک سالوں پرانی کٹی پتنگ کو زبردستی ناجائز پیچے قرار دلوانے کے لیے عدلیہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ جبکہ کچھ صاحبان اقتدار کی پتنگ کچھ عرصہ سانجھے میں اڑا کر، ناراض سے ہو کر آجکل چھٹیوں پر ہیں۔

پتنگ بازی کی تاریخ بڑی پرانی ہے اور اسکا ذکر خیر ہمیں ولندیزیوں، چینیوں، ہندوستانیوں، پرتگالیوں اور دنیا کی اور بہت سی اقوام کی تواریخ میں ملتا ہے۔ ویسے تو ہر بندے کی زندگی ہی ایک کٹی پتنگ کی مانند ہے کہ ایک روز اس پتنگ کے کسی سے پیچ لڑتے ہیں (عورت) ، کبھی بندہ اپنی پتنگ کٹواتا ہے (عورت کی سنتا ہے) تو کبھی دوسرے کی کاٹ دیتا ہے (عورت کو جھاڑ دیتا ہے) ، اور یوں کٹنے پھٹنے میں اور پیچے لڑنے میں (لڑائی جھگڑے) یہ پتنگ (زندگی) کسی کے ہاتھوں اٹ پٹ کر، کرچی کرچی ہو کر ایک دن یونہی ختم ہو جاتی ہے۔ (عورت کے ہاتھوں)۔افغانستان کے ایک صحافی نے بھی ایک کتاب پتنگ باز سجناں کے نام سے لکھی تھی لیکن ہمیں شاید اسمیں کہیں پتنگ کا ذکر تواتر سے نہیں ملا؟؟ تاہم ہمارا یہ آرٹیکل آپکو پتنگ پتنگ کے ذکر سے لبریز ملیگا۔

ہماری پرانے زمانے کی فلموں میں بھی پتنگوں کے بہت سے سین پائے جاتے ہیں۔ جب کالے بالوں میں سرسوں کا تیل چپڑے، آنکھ میں سرما لگائے محبوب اپنی

سانولی سلونی، اونچی قمیض پہنے، کاجل کے ڈورے آنکھوں میں کھینچے، آنکھیں مٹکاتی اپنی محبوبہ کو نامہ بر اپنے لال خون سے لکھ کر پہنچانے کے لیے نامہ بر پتنگ کی لنگر میں باندھ کر پتنگ محبوبہ کے گھر کی چھت پر ڈھا کر ساتھ میں سیٹی بجا کر اطلاع بھی کر دیتا تھا۔ جواب میں محبوبہ اپنی چوٹی کو پتنگ کی لنگر بنا کر، اپنا خط چھپا کر، گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر واپس ٹھگی یا کنی دیکر پتنگ کو اڑا دیتی تھی۔ یوں منٹوں میں خطوط کا تبادلہ بذریعہ پتنگ ہو جاتا تھا۔ یا پھر کوئی محبوب پتنگ کی ڈور محبوبہ کے پاؤں میں الجھا کر پہلے اسے گرا کر، پھر اٹھا کر ہیرو یا ہیرو بننے کی کوشش میں رہتا (تھا۔تاہم اکثر لوگ سر بازار تماشہ ہی دیکھتے تھے۔ (ٹھکائی کی صورت میں

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پتنگ کی شکلیں بھی ایڈوانس ہو گئی ہیں۔ چوکور کے ساتھ ساتھ اب پتنگیں کئی قسم کی شکل اور سائز میں دستیاب ہیں۔ اب انکے اڑانے والے انہیں مختلف ناموں سے اڑاتے ہیں۔ مثلا: مادھوری پتنگ کے پیچے سلمان خان کے ساتھ، ایشوریا پتنگ کے پیچے عامر خان یا ابھیشک کے ساتھ، (ابھیشک کے ساتھ پیچے کا رزلٹ تو آ بھی چکا)، ریما پتنگ کے پیچے شان یا سعود کے ساتھ (اب تو بیچاری امریکی ڈاکٹر سے پیچا لڑا کر اس کی ہو چکی) وغیرہ وغیرہ۔ اب یہ پتنگ بازی اتنی ایڈوانس ہو گئی ہے کہ لوگ پتنگ پارٹیوں کے باقاعدہ

کارڈ چھپوا کر، کھانا شانا، ڈانس گانا کرا کر، بڑے بڑے لوگوں کو بلا کر، پیلے سوٹ پا کر ڈے اینڈ نائٹ پتنگ پارٹی کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایک طرف پتنگ کے پیچے چل رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف اکھ مٹکے چل رہے ہوتے ہیں۔ جونہی کوئی پتنگ کٹتی ہے سب ترنگ میں آ کر ایک دوسرے پر جھولے کی طرح جھول جاتے ہیں، اور رات کے آخری پہر تو ایک دوسرے کا ہوش ہی نہیں رہتا کہ پتنگ کٹی کہ ناک کٹی۔

پتنگوں کے موسم میں ہر بندہ پتنگ بازی میں ایسا مصروف نظر آتا ہے کہ دوسرے ہر کھیل کود اور کام سے بیگانہ سا ہو جاتا ہے۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ اسکول کے بچے بھی، پتنگ اڑانی آئے یا نہ آئے، پتنگیں کاٹنے میں ایسے مگن ہوتے ہیں کہ ہوم ورک بھی بھول جاتے ہیں اور پھر اسکول میں انہیں بوکاٹا کے ساتھ کاٹا بٹا کاٹا ملتا ہے۔ پتنگیں اڑاتے ہوئے ماں باپ کے بار ہا بلانے پر انکا بس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ بس ایک پتنگ اور کاٹ لوں، وہ لال پری، ابھی آیا۔ بلکہ کسی بچے سے پتنگ نہ اڑے تو ماں سے شکایت کر دیتا ہے کہ گھر کی چھت بہت چھوٹی ہے، بڑا گھر لیں، تاکہ پتنگ آسانی سے اڑائی جا سکے۔ یعنی ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ بلکہ ایک بار تو غصے میں ایک بچے نے ماں سے یہ بھی کہ دیا کہ ہم پتنگ اڑائیں، کبوتر اڑائیں، مکھیاں اڑائیں، افواہیں اڑائیں، پیچے لڑائیں آپ ہمیں نہ روکا کریں۔ ماں نے لاکھ سمجھایا کہ بیٹا ہم نے بھی پیچے

لڑائے تھے اور آج تک بھگت رہے ہیں، ان جوانی کے پیچوں کا نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہے۔ مگر وہ کیا کہ جوانی میں یہ سب باتیں کم کم سمجھ میں آتی ہیں۔ لہٰذا بچے بڑے سب پتنگیں لوٹنے اور کاٹنے میں عبادت کی طرح مصروف نظر آتے ہیں۔

پتنگ بازی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ چھت پر چڑھکر پتنگ اڑانے کے دوران تانک جھانک سے یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ پڑوسیوں کے ہاں کیا پک رہا ہے ؟؟ اگر گھر کی مرغی دال برابر، یعنی اپنا سالن پسند نہ آئے تو برابر والوں کے ہاں سے بھی کچھ نہ کچھ منگا کر ڈکارا جا سکتا ہے۔ پتنگ لوٹتے ہوئے کسی غیر متعلقہ شخص سے ٹکر ہو جانا یا کر لینا بھی معمول کی بات ہے۔ تاہم اس ٹکر کا انجام کھوپڑی پر جوتے کے صورت میں نکلے یا مسکراہٹ کی صورت میں (کبھی کبھار) ، یہ آپکی قسمت پر منحصر ہوتا ہے۔ ویسے زیادہ تر انجام نا قابلِ بیان ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح جھانویں سے پتنگ لوٹنے کا بھی اپنا ہی مزہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کو اس کام میں خاص مہارت حاصل ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہوتا کہ پتنگ پانچ روپے کہ ہوتی ہے، اصل شوق اس کو لوٹنے اور جمع کرنے کا ہوتا ہے، جو زیادہ پتنگیں جمع کرے وہ پتنگ پہلوان کہلاتا ہے۔ پتنگ کو بیری اور جامن کے درخت میں الجھا کر پھر کھینچ کھینچ کر بہت سے سیانے بیر اور جامن گرا گرا کر خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔

اس پتنگ کو گڈا اور گڈی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ چھوٹی پتنگ کو گڈی اور بہت بڑی سی پتنگ کو گڈا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی لڑکیوں کے نام گڈی اور لڑکوں کا نام گڈا یا گڈو بھی ہوتا ہے۔ ایک صاحب غلط فہمی میں مار کھا گئے کہ انہوں نے گڈی کے ابا کے سامنے کہہ دیا کہ میں نے گڈی کاٹ دی، گڈی کے ابا ڈنڈا لیکر پیچھے دوڑ پڑے۔ اسی طرح ایک اور غلط فہمی میں ایک صاحب گڈے کے ابا کے سامنے کہ بیٹھے کہ میں نے آج ایک گڈا کاٹا ہے، ابا نے سمجھا بیٹے کو کاٹ دیا، پھڈا شروع، پھر لوگوں نے سمجھا بجھا کر دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

ایک صاحب کو پتنگوں پر مختلف جملے لکھنے اور پتنگیں کٹوانے کی عادت تھی: مثلاً: ایک پتنگ پر انہوں نے لکھا کہ : لوٹنے والے تیرا کچھ نہ روے۔ دوسری پر لکھا: شرم نہیں آتی اتنے بڑے ہو کر پتنگیں لوٹتے ہو۔ تیسری پر لکھا: ہمیشہ لوٹ کر اڑاتے ہو، کبھی پیسے بھی خرچ کر لیا کرو۔ چوتھی پر لکھا: لگتا ہے آپکو مفتے کی عادت پڑ گئی ہے اسی طرح ایک پتنگ پر لکھ دیا کہ جو اس پتنگ کو لوٹے اسکی بیوی گونگی ہو جاوے یا مر جاوے، سارا دن شادی شدہ لوگ اس پتنگ کو کاٹ کاٹ کر بار بار لوٹتے اور چومتے چاٹتے رہے۔ایک بار لکھ دیا کہ انعامی نمبر کے لیے فلاں نمبر پر رابطہ قائم کریں اور نمبر محبوبہ کے ابا

کا لکھ دیا، اسکے بعد آپ خود سمجھدار ہیں ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ایک صاحب کو صرف پتنگ کی ڈور لوٹنے کی عادت تھی، لوگ پتنگ لوٹ رہے ہوتے تھے اور وہ ڈور لپیٹ رہے ہوتے تھے اور اسکی وجہ یہ بتاتے تھے کہ یہ ڈور بیگم کی رضائیوں میں ڈورے ڈالنے اور منے کی بچھونیاں سینے میں کام آتے ہیں۔ اور کبھی کبھا یہ ڈور وہ موچی کو جوتے سینے کے لیے بھی بیچ دیتے تھے۔ ایک صاحب نے واہگہ بارڈر کے نزدیک ایک پتنگ پر لکھا کہ : ست سری اکال، آپ سب کے سر میں جویں ہیں: اور پتنگ انڈین پنجاب کی طرف چھوڑ دی۔ پتنگ ایک سردار جی کے ہاتھ لگ گئی ۔ پھر کیا تھا جناب کہ گاؤں کا ہر سردار جی اپنی پگ کھول کر کھول کر اپنی جورو سے جویں نکلوا رہا تھا۔

اسی طرح مختلف کمپنیاں اپنی مشہوری کے لیے مختلف پیغامات کی پتنگیں تقسیم کرتی ہیں اور آسمان پر اڑتی مختلف پتنگیں آگے پیچھے ہونے سے پیغام کچھ اسطرح گڈ مڈ ہو جاتا ہے کہ: سیل ۔ سیل۔ سیل۔ لوٹ سیل۔ عرصہ پچاس سال سے آپکا اپنا با اعتماد ادارہ پیش کرتا ہے، خواتین کی اعلیٰ ورائٹی، مضرِ صحت اجزا سے پاک، خالص امپورٹیڈ مٹیریل سے تیار شدہ، خراب نہ ہونے کی پانچ سالہ گارنٹی، مختلف کلر اور ڈیزائن کی وسیع رینج، ارزاں نرخوں پر ، ایک کی قیمت میں دو، حاضر اسٹاک فری ہوم ڈیلیوری کے ساتھ، پانچ سال کی گارنٹی میں دستیاب ہیں۔ یہ آفر صرف آج اور کل پتنگیں اڑانے والوں کے لیے ہے۔ اپنے آرڈر

کی تیز ترین بکنگ ، مزید معلومات اور ہوم ڈیلیوری کے لیے فورا فری رابطہ قائم کریں ۔
ہمار وعدہ منافع کم سیل زیادہ۔

چھت پر پتنگ بازی کرتے ہوئے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے ، مثلا آپ کی نگاہ کسی غیر محرم پر نہ پڑے اگر پڑے بھی تو انکے بڑوں سے بچ بچا کر ، ورنہ ہمسایے سے پھڈا بھی ہو سکتا ہے۔ پتنگ اڑاتے اڑاتے آپ چھت کے کنارے پر پہنچ کر جان بوجھ کر اپنے آپ کو سلپ کر کے نیچے گرا کر اپنی ، ہمسایوں یا گھر والوں کی ٹانگ یا بازو بھی تڑا سکتے ہیں۔ جسکے نتیجہ میں بستر سے آپکا رشتہ کچھ عرصے کے لیے لمبا بھی ہو سکتا ہے ۔اسکے علاوہ خیال رہے کہ پیچے صرف پتنگوں کے لڑیں آنکھوں کے پیچے ہمیشہ نقصاندہ ثابت ہوئے ہیں۔اسکے علاوہ پتنگ کی ڈور سے مخالفین کو قتل کرنے کی کوشش بھی نہ کریں۔
ویسے یار اگر چہ پتنگ بازی تفریح کا ایک بہترین ذریعہ ہے، مگر جسطرح اس پتنگ بازی کے غلط استعمال سے آجکل لوگوں کی گردنیں کٹ رہی ہیں، بہتر یہی ہے پتنگ اڑانے، کاٹنے اور لوٹنے کی بجائے بندہ اپنی تفریح کا کوئی اور ذریعہ تلاش کر لے ! ! کیا خیال ہے آپکا؟؟

کتے کو ٹھکانے لگانے کا صحیح طریقہ

للو میاں ڈیوٹی بھگتا کر تھکے ماندے گھر پہنچے تو گھر میں محلے بھر کے بچوں کا جلسہ عام سا ہوتا پایا اور صدارت کے فرائض بیگم صاحبہ سنبھالے ہوئے تھیں ۔ تمام لوگ کسی نایاب سی شے کے گرد گھیرا ڈال کر ایسے کھڑے تھے کہ جیسے مداری کوئی تماشا دکھا رہا ہو یا پھر سب مل کر مرغی پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہے ہوں۔ للو میاں نے سوچا کہ پہلے کپڑے شپڑے بدل لیے جائیں ، چائے شائے پی لی جائے تو پھر بیگم کے لتے لیتے ہیں کہ گھر میں دفعہ 144 کے باوجود بغیر اجازت بچوں کا جلسہ عام منعقد کرانے کا پروگرام کس نے طے کیا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر للو میاں نے کپڑے بدلنے کے لیے شلوار اٹھائی تو اسکی نالیوں میں ناڑا یعنی ازار بند موجود نہ پا کر بہت دل آزاری ہوئی اور آزردہ سا ہو کر بیگم کو آواز دی کہ کیا ماجرا ہے۔ موصوفہ نے وہیں سے آواز لگائی کہ پچھلے سال کے لائے گئے تمام ازار بند ختم ہو چکے ، لہٰذا اگر بازار بند نہ ہوا ہو تو اور لے آیئے یا پھر ازار بند کو چھوڑیں بس آج نیکر ہی پہن کر باہر آ جائیں۔ للو میاں نے نیکر تو پہن لی مگر اپنی منحنی جسامت اور پیپسی کی بوتل کی طرح کی ٹانگوں کی وجہ سے شرم سے پانی پانی ہونے سے بچنے کی خاطر محلے کے بچوں کے سامنے نہ جاسکے اور منہ ہاتھ دھو کر وہیں کمرے میں ہی فراش ہو رہے کہ بیگم چائے لاتی ہی ہو گی تو

پی کر ایک ہی بار نکلیں گے۔ مگر آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد بھی نہ چائے آئی اور نہ اسکی کوئی اطلاع۔ للو میاں نے بیگم کو پھر آواز لگائی تو جوابی آواز سماعت سے کچھ یوں ٹکرائی کہ آج چائے نہیں ملیگی، دودھ کہیں اور کام آگیا ہے؟؟۔ للو میاں بیچارے نے غصے میں پاؤں پٹخے اور اپنی ٹانگیں کسی ماڈل کی طرح لہراتے باہر آئے تو کیا دیکھا کہ بڑے منے نے اپنی ایک دیرینہ خواہش نا تمام پوری کرتے ہوئے کہیں سے ایک عدد کتے کا پلا گھر میں پال لیا ہے اور پورے گھر والے بشمول محلے کے تمام بچے اسی عجوبہ روزگار کا دیدار کرنے اور اسکی خاطر مدارت میں مصروف ہیں۔ للو میاں کا ناڑا مطلب ازار بند اس پلے موصوف کی گردن میں زنجیر کا کام دے رہا تھا اور میاں کی چائے کا دودھ وہ صاحب بڑے مزے لے لے کر نئی نکور پیالی میں ڈکار رہے تھے۔ للو میاں نے فورا بیگم کو یہ بچکانہ دربار برخواست کرنے کے آرڈر جاری کیے اور میدان صاف کراتے ہی کون لایا، کیوں لایا، کہاں سے آیا، کہاں سے پایا، کس کی ہمت ہوئی وغیرہ وغیرہ، سارے سوالات بیگم اور بچوں کو اکٹھے ہی داغ دیے۔ پہلے تو بیگم اور بچے کچھ گھبرائے مگر پھر بیگم نے آستینیں اور ناک دونوں اکٹھی چڑھا کر جواب دیا کہ بچوں کا شوق تھا، لے آئے، اب کیا اس بیچارے کو گھر سے نکال دیں، وغیرہ وغیرہ۔ اور ساتھ ساتھ اس کتے کے پلے کے اوصافِ حمیدہ بھی ایسے گنوانا شروع کر دیے جیسے کہ لیڈی ڈیانا کی خوبیاں گنوا رہی ہوں مثلا: کہ دیکھیں کلر کتنا پیارا ہے، کان کیسے خوبصورت ہیں، بال کتنے پیارے ہیں، آنکھیں دیکھو تو

ذرا، بلکل رشین ڈوگ لگتا ہے، ہیں نا، مزید یہ کہ ذرا بڑا ہو جائے تو اسے کتوں کی کیٹ واک میں بھی حصہ دلائیں گے اور فائدے دیکھیں کہ رات میں ہماری رکھوالی بھی کیا کریگا۔ چور اچکے تو پاس سے بھی نہ پھٹک پائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ماں کو پھیلتا دیکھ کر بچوں نے بھی ہمت پکڑی اور سارے گھر کے بچوں نے للو میاں کے خلاف اور کتے کے پلے کے حق میں نعرے بازی شروع کر دی۔اب تمام گھر والے ایک طرف اور للو میاں بیچارے دوسری طرف۔ للو میاں نے لاکھ کہا کہ موصوف کا گھر میں رہنا شرعی اور معاشی حساب کتاب سے ٹھیک نہیں کہ ایک اور خرچہ بڑھ جائیگا، بجٹ آؤٹ ہو جائیگا، مگر بیگم کے تیور، بچوں کا مزاج اور گھر میں غدر مچنے کے امکان کے پیشِ نظر للو میاں کو بھی اس کتے کے پلے کو مجبوراً اپنے گھر کا ایک فرد تسلیم کرنا پڑا۔

کھانے میں اس روز گوشت کی باری تھی مگر دال دیکھ کر للو میاں صاحب کے ہوش اڑ گئے اور پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ تو کب کا اس پلے میاں کی نذر ہو چکا ہے۔ میاں صاحب نے سر پیٹ لیا کہ بڑی مشکل سے ہفتے میں ایک بار تو پاؤ بھر گوشت پکا پاتے ہیں اور وہ بھی اس پلے کی نظر ہو گیا۔ مزید انکوائری پر بیگم صاحبہ گویا ہوئیں کہ کیا ہوا اگر اس ہفتے گوشت نہیں کھایا اگلے ہفتے صحیح، ویسے بھی بچے گوشت کھاتے ہی کب ہیں، ہر بار ایک پلیٹ تو چھینکنی ہی پڑتی ہے۔ کتے کے پلے کے آنے سے کم از کم یہ پلیٹ ضائع تو نہیں ہوا کریگی۔ للو

میاں نے مزید پوچھا کہ چائے کی پیالی ان صاحب کو کیوں لگا کر ناپاک کرائی؟ کسی پرانے گھی کے ڈبے یا کسی ٹوٹے پھوٹے برتن یا لوٹے میں دودھ پلا دیتیں، تو جواب ملا کہ وہ تو میں ٹین ڈبے والے کو دے چکی آپ اور لے آیئے گا، کہ اب سلور یا سٹیل کے برتن تو خراب کرنے سے رہے۔ اور مزید حکم صادر ہوا کہ کل سے اضافی آدھا کلو دودھ اس کتے کے پلے کا بھی آیا کریگا اور کبھی کبھار اس خوش قسمت کو کھیر اور کسٹرڈ بھی کھلایا جایا کریگا اور گوشت تو ہے ہی مست۔ للو میاں نے اپنی قسمت پر کفِ افسوس ملتے ہوئے بیگم سے پوچھا کہ ہمیں تو آپ نے پچھلے چھ ماہ سے مذکورہ ناپید اشیاء نہیں کھلائیں تو یہ مہربانی اس پلے پر ہی کیوں؟ تو بولیں کہ یہ تو بیچارہ بے زبان جانور ہے اسکی خدمت کرنا ضروری ہے۔ میاں کو اس ڈوگی کے بچے بیچارے کی قسمت پر رشک آنے لگا اور دل ہی دل میں بڑبڑایا کہ بیگم کے آگے میاں بھی ہے تو بے زبان جانور ہی بیچارہ؟۔

اب جناب گھر میں یہ پوزیشن ہو گئی کہ کچھ کھانا ہو، پینا ہو، کوئی پھل فروٹ ہو، غرضیکہ کوئی بھی کھانے پینے کی چیز ہو، پہلے کتے کے پلے کو، بعد میں کسی اور کو حتیٰ کہ آم شام بھی کھا رہے ہوں تو سب ایک دوسرے سے باقاعدہ پوچھتے کہ آم پلے کو دیا تھا کہ نہیں؟ یہاں تک کہ پیپسی کولا بھی اسے ضرور پلائی جاتی۔ سوتے ہوئے اسکا ازار بند للو میاں کی چارپائی سے باندھ دیا

جاتا تا کہ پلا محفوظ رہے (میاں نہیں) اور یہ پلے صاحب رات بھر چاں چاں لگائے رکھتے اور للو میاں غریب کی نیند میں خلل ڈلتا۔ پھر ایک روز بیگم موصوفہ کو ہمدردی سوجھی کہ بیچارہ سارا دن بندھا رہتا ہے اور اسکے رات کے آزادی سے گھومنے پھرنے کے آرڈر جاری کر دیے۔ پھر موصوف رات بھر ہر ممنوعہ اور غیر ممنوعہ اشیاء سونگھتے پائے جاتے ایک بار رات میں میاں کی آنکھ کھلی تو موصوف بازو میں لیٹے بیگم کی طرح جیب سونگھ رہے تھے جیسے کہ پیسوں کی تلاش میں ہوں۔ اور ایک بار منے کا پاؤں چاٹتے ہوئے پائے گئے۔

پھر جناب! سردی کا موسم آتے ہی بیگم نے یہ کیا کہ بچوں کے نئے سویٹر، جرسیاں اور ٹوپے کاٹ پیٹ کر اس پلے صاحب کی بری تیار کردی کہ بے زبان جانور ہے سردی میں تنگ نہ ہو اور بچوں کے لیے نئے جرسی سویٹرز اور ٹوپے شوپے لانے کا حکم صادر کر دیا۔ للو میاں غریب نے نئے جرسی سویٹروں کا حال دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا اور بیگم کو پیٹنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ پچھلی لڑائی دماغ میں گھوم گئی جب اس معرکہ میں جیت بیگم کی ہی ہوئی تھی اور میاں موصوف کو ایک ماہ ہڈی جوڑ والے کے درشن کرنے پڑے تھے۔

غرضیکہ پلے صاحب کے اخراجات روز بروز بڑھتے جارہے تھے۔ اور للو میاں صاحب اب روزانہ اسے ٹھکانے لگانے کا سوچنے لگے۔

کتے کے پلے کو گھر سے نکالنے کے لیے ایک روز للو میاں کے ذہن میں ایک ترکیب آئی جسے انھوں نے رات کی تاریکی میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ رات گہری ہوتے ہی للو میاں نے بیگم کی پرانی شلوار میں سے ایک اور ناڑا نکال کر پلے کی گردن میں ڈال کر اسکی رسی لمبی کرکے اسے اغوا کرکے باہر لیجانے کی کوشش کی، مگر اس نے گلا بھنچنے پر اتنی زور سے چوں چاں شروع کی کہ بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی اور پھر میاں بیوی کی جو سرکس گھر میں لگی وہ تمام محلے والوں نے رات کے بارہ بجے کے شو میں بغیر ٹکٹ دیکھی۔ خیر جناب ! للو میاں باز پھر بھی نہ آئے اور ایک روز پھر دوسری ٹرائی ماری ایک روز رات کے پچھلے پہر آخر اپنی کوشش میں کامیاب ہو ہی گئے اور پلے کو پکڑ کر ٹہلاتے اور بچکارتے ہوئے گلی میں لے ہی آئے۔ مگر گلی میں آتے ہی اسکے دوسرے بھائی بند اسکی آواز سنتے ہی پتہ نہیں کہاں سے منٹوں میں سیلابی پانی کی طرح درجنوں جمع ہوگئے اور اپنی اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں، لگتا تھا کہ للو میاں صاحب کو ہڑپ کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ للو میاں صاحب نے اپنی جان خطرے میں محسوس کرتے ہی فورا پلے سمیت واپس گھر کی راہ لی، یوں اس بار بھی کامیابی نے قدم نہ چومے۔ پھر ایک روز آخر کار للو میاں کو موقعہ مل ہی گیا کہ جب بیگم اور بچے سسرال سدھارے تو موقعہ پا کر للو میاں دن دیہاڑے، خوش خوش اس پلے کو کئی محلے دور چھوڑ آئے اور گھر آ کر سکھ کا سانس لیا۔ مگر یہ کیا کہ موصوف صبح سویرے ہانپتے کانپتے پھر دروازے پر آن دھمکے۔ اسکے منہ کو

اتنا حرام لگ چکا تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑنے کو کسی حال بھی تیار نہ تھا۔ اگر اس کتے کے پلے کو دودھ نہ ملتا یا ملنے میں دیر ہو جاتی تو بڑے بوڑھوں کی طرح روٹھ کر بیٹھ جاتا یا پھر گھر میں پالی گئی اکلوتی بکری کے تھنوں پر حملہ کر دیتا۔ اگر گوشت نہ ملتا تو گھر کی کسی بھی جاندار چیز کا گوشت کھانے کو تیار رہتا۔ تمام گھر والوں کو للو میاں کی اس حرکت کا پتہ چل چکا تھا لہٰذا اس واقعے کے بعد تمام گھر والے اسکی رکھشا اور زیادہ توجہ سے کرنے لگے کہ اس ڈوگ کا ایک راکشس بھی اس گھر میں موجود ہے۔

تاہم للو میاں نے ہمت پھر بھی نہ ہاری اور پلے صاحب کو گول کرنے کے چکر میں لگے ہی رہے۔ پھر آخر کار ایک دوست کے مشورے پر ایک روز موقعہ پا کر پہلے تو للو میاں نے پتنگ کی ڈور سوتنے والا شریش اس کتے کے پلے کو کھلایا، جس سے اسکی آواز بند ہو گئی اور پھر اسکی آنکھوں پر کالی پٹی باندھ کر، آٹے کے خالی گٹو میں ڈال کر، کرائے کی سائیکل لیکر، دس میل دور ایک نہر کے اندر ڈال آئے اور گھر آ کر سکھ کا سانس لیا کہ جان چھوٹی سو لاکھوں پائے۔ پھر واقعی وہ کتے کا پلا مڑ کر دوبارہ نہ آیا۔ شاید واقعی گھر کا پتہ بھول گیا تھا۔ یا پھر۔۔۔؟؟ تاہم اس واقعے کے بعد گھر بھر میں کئی روز تلک فوتگی کا سا سماں رہا اور پورا گھر ہی للو میاں صاحب کے خلاف ہو گیا۔ سیدھے منہ بات کرنا تو دور کوئی پاس سے گذرنا بھی گوارا نہ کرتا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کیا للو

میاں نے اس کتے کے پلے کو ٹھکانے لگا کر غلط کیا ٹھیک ؟؟

گورے اور کالے نیا سال کیسے مناتے ہیں؟

ہیپی نیو ائیر۔ جی ہاں اس کا مطلب ہے کہ انگریزوں کا نیا سال مبارک ہو۔ جیسے ہی سال کے 365 یا 366 دن ختم ہو کر اگلے سال کی شروعات ہونے لگتی ہے تو نسلی گورے لوگ ان دنوں پچھی سدھی تقریبات کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے شروع کر دیتے ہیں۔ اگر چہ انکے ہاں ہمارے ہاں کی طرح، بینڈ باجا گاجا، یا ڈھول شول نہیں ہوتا، مگر اس کمی کو یہ لوگ پی پلا کر اور ہلا گلا کر کے پورا کر دیتے ہیں۔ اس رات یہ لوگ ایسے ندیدوں کی طرح مختلف ممنوعہ مشروب پیتے ہیں کہ جیسے پہلے کبھی پیا یا تو کیا دیکھا ہی نہیں۔ اِن دنوں پینے پلانے کی وجہ سے وہاں سب سے زیادہ شکایت الٹی اور متلی کی ہوتی ہے (جب کہ ہمارے ہاں الٹی اور متلی سے کچھ اور مطلب لیا جاتا ہے؟) ۔ کچھ سیانے قسم کے گورے حضرات الٹا سیدھا کھا پی کر تے یعنی الٹی کی ادویات بھی ساتھ ہی استعمال کر لیتے ہیں، جس سے کہ کچھ بچت رہتی ہے۔ مگر زیادہ تر گورے بیچارے صبح دم، بوجوہِ اوور استعمال آف ممنوعہ مشروبات یونہی اوندھے موندھے دنیا و مافیہا سے بے خبر، کپڑے لیس پڑے نظر آتے ہیں جس سے انکی غربت اور بیچارگی بھی صاف عیاں ہوتی ہے۔ ویسے تو یہ گورے لوگ کپڑوں کے معاملے میں ہوتے ہی بہت ماٹھے ہیں مگر اس رات شدید سردی ہونے کے باوجود بھی یہ لوگ اپنی تنگ دستی چھپا نہیں پاتے۔ یعنی ہمارے ہاں

سات میٹر میں اگر ایک بندہ کپڑے سلواتا ہے تو انکے ہاں اس سات میٹر میں سات بندے نمٹ جاتے ہیں۔ کچھ گورے بیچارے کھا پی کر اپنے آپ سے اتنے بیگانے ہو جاتے ہیں کہ رات میں انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ اپنے گھر میں ہیں یا ساتھ والے ہمسائے کے۔ بعض دفعہ تو دو چار روز بعد انہیں پولیس دروازہ توڑ کر گھروں سے نکال کر بتاتی ہے کہ آپ کے گھر کون کون سے ہیں اور تمام گوری بیگمات کو قابو کر کے انکے متعلقہ میاؤں اور گھروں تک بھی بحفاظت پہنچاتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق خوش باش افراد زیادہ عمر پاتے ہیں جبکہ پریشان حال افراد جلد لڑھک جاتے ہیں۔ اسلیے یہ گورے حضرات پی پلا کر خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ کنوارہ اور رنڈوا چونکہ جلد تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اسلیے انکے ہاں کنوارے اور رنڈوے خواتین اور حضرات کم کم ہی پائے جاتے ہیں۔؟؟

ہمارے ہاں یعنی کالوں کے ہاں لوگ ایک دوسرے کو گلے لگ کر مبارکباد دیتے ہیں جبکہ گورے لوگ اپنے اپنے مشروبات کے گلاس ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر یا پاش پاش کر کے وِش کرتے ہیں۔ پینے پلانے کے بعد انکے ہاں ڈانس پارٹی کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے تاکہ کھایا پیا ہضم ہو سکے۔ اس ڈانس پارٹی میں یہ قید نہیں ہوتی کہ آپ کا ہاتھ کس خاتون کے ہاتھ میں ہے، اپنی کہ پرائی۔ پھر جب لائٹیں بند کر کے دوبارہ کھولی جاتی ہیں تو۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟ غرضیکہ نیو ائیر پر یہ لوگ ایسی ایسی اوچھی حرکتیں کرتے ہیں کہ پھر ہفتہ دس روز کسی کو منہ

دکھانے کے قابل نہیں رہتے ، اسی لیے انکی سرکار پورا یورپ اور امریکہ آٹھ دس روز کی چھٹی دیکر پکہ ہی بند کر دیتی ہے۔ ٹین ایجرز کی موج مستی بھی ان دنوں عروج پر ہوتی ہے وہ بھی گھر سے چھٹی لیکر اِدھر اُدھر یاروں دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے نکل پڑتے ہیں، اور پھر آٹھ دس روز بعد انہیں یاد آتا ہے کہ انکے موم اور ڈیڈ بھی ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم پاکستانیوں کی عادت ہے کہ ہم گوروں کا ہر اچھا کام چھوڑ کر برا کام استعار تے ہیں۔ ہیپی نیو ائیر بھی انمیں سے ایک ہے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا کے مصداق ہم بھی گوروں کی نقالی میں ہرا، نیلا، پیلا پانی پی کر گھر یا ہسپتال کی بجائے سیدھے ساتویں آسمان پر سدھار جاتے ہیں اور گھر والے بیچارے شرمندگی سے بچنے کو فوتگی کا اعلان تک نہیں کراتے یونہی داب آتے ہیں۔ اتفاق سے اگر کوئی پوچھ بھی لے تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ کھنگ والا شربت زیادہ پی لیا تھا۔ اللہ معاف کرے ایک بار تو نیو ایئر نائٹ سے پہلے ہی ملتان میں پچاسیوں بندے اس ممنوعہ مشروب کمبخت کے پینے سے لڑھک گئے تھے اور تقریباہر سال ہی اس کام کی وجہ سے آبادی میں کافی حد تک کمی آجاتی ہے۔ ویسے سرکار کو چاہیے کہ یہ مشروب عام ہی کردے تاکہ بے روزگاری، مہنگائی اور لوڈ شیڈنگ اور بلوں سے تنگ عوام کو بغیر ٹکٹ اوپر جانے میں آسانی رہے!

ہمارے کالوں کے ہاں اکتیس دسمبر کی رات بارہ بجے گاڑی سڑک پر لاکر ہارن کی پوں پوں سے پورا شہر سر پر اٹھا لینا بھی منچلوں کی معمول کی بات ہے۔ کئی شوقین حضرات تو اس رات نئے ڈیزائن کے ہارن بڑے شوق سے گاڑی میں لگواتے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کے کانوں کی صفائی ہوسکے۔ کچھ بیچارے نوجوان جنہیں لال پیلا پانی نہ ملے، کوکا کولا کی بوتل ہاتھ میں پکڑے گاڑی کی چھت پر چڑھے ایسے ڈانس کرنے لگتے ہیں جیسے کہ مائیکل جیکسن مر گئے پیچھے انکو چھوڑ گئے۔ اس رات گاڑیوں کے ڈیکٹ بھی بلخصوص ٹھیک کرا لیے جاتے ہیں تاکہ گانے شانے سن کر انجمن، نرگس اور دیدار والے کام کرنے میں آسانی رہے۔

ون ویلنگ کے شوقین نوجوان موٹر سائیکل کے سلینسر نکال کر، سنگل شرٹ میں، دسمبر آخری یخ بستہ رات، ایک منڈا موٹر سائیکل پر پیچھے بٹھا، مائکل شوماکر بنے فیراری ریس کی طرح ایسے ریسیں لگا رہے ہوتے ہیں کہ پولیس پیچھے اور وہ آگے آگے ہوتے ہیں۔ پکڑے گئے تو جیل، پھسل گئے تو ہسپتال یا اللہ سے میل۔ یہ ہیں ہمارے نیو ائیر نائٹ کے افسانے۔ جن کا انجام ہر سال سیکڑوں اموات کی صورت میں نکلتا ہے۔ نیو ائیر پر کچھ منچلے پکڑے بھی جاتے ہیں اور پھر ان پر بغیر کاغذات گاڑی، تیز رفتاری، شراب کا نشہ، جیب سے چرس برآمد، غیر ملکی کرنسی، موبائل چوری وغیرہ وغیرہ، تمام جرم سر ڈال دیے جاتے ہیں

اور پھر کچھ دے دلا کر ہی جان چھوٹ پاتی ہے۔البتہ گوروں کے دیس میں دے دلا کر جان نہیں چھوٹتی کہ ایک بار ایک امریکی سینٹر کی بیٹی پر شراب پی کر گاڑی چلانے پر جرمانہ ہو گیا تھا، پورا ادا کرنا پڑا۔ بہرحال ! کچھ چلتر قسم کے منڈے پولیس کو چکمہ دیکر بچ بچا کر گلیوں سے موٹر سائیکل گزار کر، ضروری کاموں میں مصروف لوگوں کو ڈسٹرب کرکے ساحلِ سمندر، اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہاں انھوں نے کرنا کرانا کچھ نہیں ہوتا بس یونہی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار کر، بیہودہ سی آوازیں نکال کر، اگر کچھ کھانے پینے کو ہے تو کھا پی کر، یا کوئی لونڈی لپاڑی مل گئی تو اسے لائن شائن مار کر واپس گھر، ہسپتال، تھانے، یا اوپر اللہ میاں کے پاس۔ صبح ابا تمام رشتہ داروں کے ہاں فون کھڑکا کر پپو کی موجودگی کے بارے میں پوچھ رہے ہوتے ہیں اور ہر جگہ سے یہی جواب ملتا ہے ہمارا اپنا بچہ بھی کل سے غائب ہے، ملنے پر مطلع کریں۔ جن شہروں میں سمندر کی سہولت میسر نہیں وہ بیچارے ندی، نہر یا نالے پر ہی گزارہ کرتے ہیں۔

نیو ایئر کی رات ناچنے اور گانے والے اور والیوں کی بھی بڑی موجاں ہوتی ہیں اور انکے ریٹ بھی سونا کے ریٹ اور ہمارے کچھ وی آئی پیز کی طرح آسمانوں سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کچھ اداکارائیں، سوری ناچنے والی اداکارائیں اس رات بڑی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔،، تو نوٹ وخا میرا

موڈ بنے،، کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے وہ سیٹھوں کے نوٹوں کی ویلیں دیکھ دیکھ کر ایسے ایسے موڈ اور ایکشن میں ڈانس کرتی ہیں کہ اسمیں پہلوانوں کی کشتی اور کبڈی کی سی حرکتیں، باڈی بلڈرز کی طرح کے پوز، جوڈو کراٹے کے سے ایکشن، اور یوگا کے آسن کا سا مکسچر بن جاتا ہے۔ کچھ ڈانسرز اتنے ذوق و شوق اور تن من دھن سے ڈانس پیش کرتی ہیں کہ آپے سے باہر ہو جاتی ہیں اور کپڑوں تک کا ہوش نہیں ہوتا اور اتنا زور زور سے پاؤں اسٹیج پر مارتی ہیں کہ ڈائریکٹر اسٹیج ٹوٹنے کے ڈر، یا زمین سے پانی نکلنے کا خدشے کے پیشِ نظر پردے کے پیچھے سے آواز لگا رہا ہوتا ہے کہ بے بی ہتھ ہولا رکھ۔ ہمسایہ ملک میں تو ایک مشہور اداکارہ نے فائیو سٹار ہوٹل کی نیو ائیر نائٹ میں پرفارم کرنے کے دو کروڑ روپے لیے۔ جس سے انکی اور اس رات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے ہاں بھی کچھ بڑے لوگ اس موقع سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے ہوٹلوں، بڑی بڑی کوٹھیوں یا بڑے بڑے محلوں میں بڑی پارٹیاں ارینج کرکے، بڑے بڑے کھانے پکوا کر، بڑے بڑے برانڈ کے مشروبات پر بڑے بڑے لوگوں کو بلا کر، بڑے بڑے گلوکاروں اور بڑی بڑی اداکاراؤں گوا اور نچوا کر، بڑے بڑے کام نکلواتے ہیں۔ اس موقع پر علاقائی رکھوالے ان سیٹھوں کا تن من دھن سے بھرپور انداز میں ساتھ دیتے ہیں۔ تاہم اگر کسی جماعت کی ڈنڈا بردار فوج کے حملے کا

خدشہ ہو تو یہ پارٹیاں اندرونِ گھر تہہ خانے میں بھی رکھ لی جاتی ہیں۔ بعض ہوٹل مالکان ڈنڈا بردار وں کے خوف سے پہلے ہی اخبارات میں اشتہار چھپوا دیتے ہیں کہ ہمارا ہوٹل فلاں تاریخ کو بند رہے گا۔ مگر ڈنڈا بردار پھر بھی ایک آدھ شیشہ توڑ کر اپنے دِل کی بھڑاس نکال کر اپنی موجودگی ضرور ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ سند رہے۔ اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

غرضیکہ نیو ایئر منانے کے شوقین حضرات اگلے کئی روز تک اس نیو ایئر نائٹ کی مستی میں ٹن رہتے ہیں۔ مگر ان بیچاروں کو کیا پتہ کہ ہم مسلمانوں کا نیو ائیر تو یکم محرم الحرام کو شروع ہوتا ہے، تو کیوں نہ مسلمانوں کا نیا سال ابتدائے ربِ ذوالجلال کے با برکت نام سے یکم محرم الحرام کو ہی شروع کریں تاکہ:

انگریزی سال کو بھول کر اسلامی سال میں گم ہو جا
نہ رہے شراب، نہ کباب، نہ حرام، نہ کوئی گناہ باقی

کیا خیال ہے آپکا؟؟

سیاسی ڈائیلاگ بمقابلہ ڈرامہ اور فلمی ڈائیلاگ

ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے ملک کے ٹی وی ڈرامے اور فلمیں بہت شوق سے دیکھے جاتے تھے اور انکے ڈائیلاگ بھی بہت مشہور ہوتے تھے۔ مثلا: ہائے میرا انگلا، وہ جماعت پاس حوالدار، پٹے گئے، مولے نوں مولا نہ مارے تے مولا ں نئیں مردا، ۔۔۔۔۔ ٹھک ٹھک دی آواز آئیگی۔ نواں آیا ئیں سو نیے۔ پہلی گولی میں تینوں اسلیئی ماراں گا کہ توں میری بھینڑ دا ڈوپٹا لایا سی ۔۔۔۔۔۔ او ہو ہو ہو ہو ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم اب یوں لگتا ہے کہ عوام اور لیڈروں نے کچھ دوسرے قسم کے ڈائیلاگ اور نعرے رٹ لیے ہیں جنکا تسلسل کے ساتھ استعمال جاری ہے۔ مثلا: میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ میں باغی ہوں۔ سونامی ۔انقلاب انقلاب۔ گو گو گو۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نہیں مانتا: تو ہمارے لوگوں کے ذہنوں پر ایسا سوار ہوگیا ہے کہ اب وہ ہر بات اور کام، چاہے جائز ہو یا ناجائز، ٹھیک ہو یا غلط، میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ مثلا: ایک سیاستدان کے اعصاب پر ۔۔ میں نہیں مانتا۔۔ کچھ اسطرح سوار تھا کہ نکاح کے دائم قاضی نے پوچھا کہ ۔۔۔ فلاں بنت فلاں ۔۔۔۔ اتنے حق مہر کے عوض آپکو دی۔۔۔ ابھی قاضی نے۔۔ کیا آپ کو قبول ہے؟؟۔۔ بھی نہیں کہا کہ پہلے ہی بول اٹھے ۔۔ میں نہیں مانتا۔

میں نہیں مانتا۔ ایک لیڈر کی بیوی نے گھر میں لیڈر سے کہا کہ آج تو سالن میں نمک ٹھیک ہے۔ تو بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ بیگم کی چھترول کرتے ہوئے بیگم نے یاد دلایا کہ کل بھی کی تھی، تو آج پھر کیوں؟۔ بولے میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا اور پھر نوے سِروں مار کٹائی میں شروع ہو گئے۔ ایک رپورٹر نے ایک لیڈر سے پوچھا کہ ملک میں شدید لوڈ شیڈنگ، بیروزگاری، مہنگائی اور بدامنی ہے۔ گیس کی شدید قلّت کے باعث لوگوں کو بلیک میں دس دس روپے کی روٹی خریدنی پڑ رہی ہے، تو بولے کہ میرے گھر میں تو سب کچھ ہے لہٰذا میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ بلکہ ساتھ یہ بھی لگا دیا کہ میں نہیں جانتا۔ جب انہیں کہا گیا کہ جی لوگ لوٹے ہو رہے ہیں، بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ جب میں لوٹا بنوں گا تو مانوں گا۔ جب پوچھا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپنے رشوت لی، شراب پی، پلاٹ لیا، بنک لون لے کر واپس نہیں کیا، بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ ان لوگوں کی کل تک جن کے ساتھ گاڑھی چھنتی تھی، مل بیٹھ کر کھاتے پیتے تھے آج انہی کو کہتے ہیں کہ میں انہیں نہیں مانتا، نہیں مانتا۔ یہ لوگ چار سال تک انہی اسمبلیوں میں بیٹھ کر ہر سرد و گرم میں شامل ہو کر عوام کا خون چوستے اور چسواتے رہے۔ سب نے مل کر عوام کو ایسے ایسے درد دیے کی پونسٹان فورٹ سمیت تمام پین کلر کام چھوڑ گئیں۔ چار سال میں سینکڑوں بار بجلی، گیس اور پیٹرول بم عوام پر گرتے رہے، یہ اسمبلیوں میں سوتے رہے، اب کہتے ہیں کہ میں ان اسمبلیوں کو

ہی نہیں مانتا۔۔۔ نہیں مانتا۔ایک ڈکٹیٹر صاحب کو سروے کرکے بتایا گیا کہ آپکی ریٹنگ گر گئی ہے لہٰذا آپ از خود گھر چلے جائیں، بولے کہ ایسے سروے مروے کو میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ پھر آخر کار انہیں منوا کر ہی بڑے گھر سے نکالا گیا۔اور آجکل قابلِ احترام عدلیہ کے ہر فیصلے کو کہا جارہا ہے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ کیوں بھئی؟؟؟؟

میں باغی ہوں: آجکل کا سیاستدان کیا کہتا ہے سنیئے نام نہاد اصولوں پر سمجھوتہ نہ ہوا تو۔ میں باغی ہوں۔ بچوں سے ناراضگی تو میں باغی ہوں۔ بیگم سے ناراضگی تو میں باغی ہوں۔ وزارت نہ ملی تو میں باغی ہوں۔ فنڈ نہ ملے تو میں باغی ہوں۔ طبیعت کے مطابق عہدہ نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ پان، سگریٹ، نسوار، گٹکا نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ ملاقات کا ٹائم نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ غرضیکہ انکے مزاج کے خلاف کوئی بھی بات ہو جائے تو یہ لوگ۔۔۔ ہاں میں باغی ہوں، ہاں میں باغی ہوں کا نعرہ مستانہ شروع کیے دیتے ہیں۔ عوام آئے روز مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، گیس شیڈنگ، بیروزگاری۔۔۔ دہشت گردی کے عفریت کا شکار ہیں اسکے لیے یہ کبھی باغی نہیں ہوئے۔ عوام پر ڈرون حملے ہوتے رہے یہ کبھی باغی نہیں ہوئے۔ لاکھوں عوام گھربار چھوڑ کر بے گھر ہوئے یہ باغی نہ ہوئے۔ سیلاب زدگان آجتک جھگیوں میں سسک رہے ہیں، انکے لیے یہ باغی نہ ہوئے۔ خودکشیاں، فاقے اور بجے فار سیل کے بورڈ لگے ہوئے دیکھ کر بھی یہ

باغی نہ ہوئے۔ بجلی، گیس، تیل کی قیمتیں روز بڑھ جاتی ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ آٹا، گھی، چینی، چاول اور دالیں ہمسایہ ملک میں سستی اور ہمارے ہاں مہنگی ہوتی ہیں یہ باغی نہیں ہوتے۔ منفی ریٹنگ رکھنے والے حکمران عوام پر مسلط ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ عوام کے نام نہاد وزیروں اور مشیروں پر چار سال میں لگ بھگ ایک کھرب روپے اڑ چکے عوام کو کوئی ریلیف نہ ملا، پر یہ باغی نہ ہوئے۔ ستر فیصد عوامی نمائندگان اسمبلیوں میں چار سال سے چپ کے روزے رکھ کر عوام کے پیسے سے عیاشی کر رہے ہیں، یہ باغی نہ ہوئے۔ عدلیہ پر سرِ عام زبان کے نشتر اور گھاؤ لگائے جا رہے ہیں، شعلہ بیانیاں دکھائی جا رہی ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ ریلوے، پی آئی اے، اسٹیل مل اور دیگر قومی ادارے دیوالیے کے قریب پر یہ باغی نہیں ہوتے۔ آمریت آتی جاتی رہی ملک برباد ہوتا رہا یہ باغی نہ ہوئے۔ اغیار کی جنگ میں اربوں ڈالر کا نقصان ہوتا رہا، ہزاروں جانیں گئیں پر یہ باغی نہ ہوئے۔ اپوزیشن چار سال تک گہری نیند سوتی رہی، عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے پر کوئی باغی نہ ہوا۔ کرپشن کی مثالیں قائم ہوتی رہیں، کوئی باغی نہ ہوا۔ ہمارا کشکول دنیا بھر میں پھر کر ہمیں ذلیل و رسوا کرتا رہا، کوئی باغی نہ ہوا۔ اگر باغی ہوئے تو صرف اپنے فائدے اور مفادات کے لیے۔ کیوں ؟آخر کیوں۔؟؟

سونامی : سونامی کا لفظ کبھی کبھار سمندری طوفان کی شکل میں سننے کو ملتا

ہے، پر اب سیاستدان چند ہزار کے مجمعے کو سونامی کا نام دیکر ایک دوسرے کو ڈرا رہے ہیں۔ بلکہ اب تو مائیں بھی بچوں کو گبھر سنگھ یا کتے بلی کی بجائے سونامی سے ڈرا کر سلاتی ہیں کہ بیٹا سو جا ورنہ سونامی آ جائیگا۔ پتہ نہیں یہ کونسے سونامی کی بات کرتے ہیں۔ حالانکہ عوام تو پہلے ہی بجلی، گیس، بیروزگاری، دہشت گردی اور دیگر خرافات کے سونامی کا شکار ہیں اس مری، پٹی اور لٹی عوام کو پتہ نہیں مزید کونسے سونامی سے ڈرایا جا رہا ہے؟۔ جناب والا! سونامی اگر لانا ہی ہے تو حقیقت میں ایک سمندری سونامی، کسی وائرس یا زہرِ ہلاہل کا سونامی لے آیئے تاکہ یہ دکھوں کی ماری عوام، روز روز کی جھِک جھِک سے ایک ہی بار اس سونامی کی نذر ہو کر سکون کی ابدی نیند سو سکے۔ آجکل سونامی کو ایک نیا نام زرو۔ نامی بھی دیا گیا ہے۔ زرو کا مطلب چڑیا گھر ہوتا ہے اور نامی سے آپ کوئی بھی نتیجہ اخذ کرلیں؟؟

انقلاب: ایک اور نعرہ انقلاب بھی آجکل بہت مقبول ہوا ہے: سب کہہ رہے ہیں ہمیں ووٹ دیجئے گا، انقلاب ہم لائیں گے۔ ہمارے للو میاں بھی انقلاب کے بہت شوقین ہیں اور اپنے گھر میں ہمیشہ نت نئے انقلابات لانے کے تجربے کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً:

ایک بار گھر میں بچت کا انقلاب لانے کے لیے انہوں نے یہ کیا کہ: بچوں کو دودھ کی جگہ پانی میں سفید رنگ ملا کر پلانا شروع کر دیا۔ گوشت کی جگہ شام کو قصائی کے چھٹے پر سے چھیچھڑے لا کر پکانے شروع کر دیے۔

بھینس کے پائے کی جگہ مرغی کے پائے پکانے شروع ہوئے۔ سبزی کی جگہ شوربے والی گھاس، دال کی جگہ مختلف پتوں سے اترے بیج۔ بجلی کی جگہ اپنی چندیا، گیس کی جگہ بائیو گیس یعنی گٹر کا استعمال۔ روٹی کی جگہ صرف بھنے چنے جو کہ پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ گیس بنانے کے کام بھی آئے اور تمام گھر میں آرڈر دیے گئے کہ جونہی گیس اخراج کی حاجت ہو فوراً سلنڈر پر بیٹھ جائیں اور اس میں جمع کریں۔ للو میاں کے اس گھریلو انقلاب سے تنگ انکی بیگم ایک روز پھٹی تو ایسی پھٹی کہ سیاستدانوں کے لتے لینے لگیں کہ یہ لوگ اقتدار میں آکر ہی کیوں انقلاب لانا چاہتے ہیں؟۔ کیا انقلاب یا عوام کی خدمت اقتدار کے بغیر نہیں ہو سکتی؟۔ اربوں روپے جلسے جلوسوں پر لگانے سے بہتر نہیں کہ یہ پیسہ عوام کی فلاح پر خرچ کرکے انقلاب لایا جائے؟۔ یہ لوگ ملک میں تعلیمی انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ زرعی انقلاب کیوں نہیں لاتے۔؟ روزگار انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ بجلی گھروں کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟، صنعتی انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ اللہ کے احکام پر چلنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ ہم جیسوں کی غربت دور کرنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ کرپشن دور کرنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ اگر لاتے ہیں تو صرف نعروں کا انقلاب ہی کیوں لاتے ہیں؟۔

اس سے پہلے بھی اسی طرح کے انقلاب کی باتیں ہوتی رہیں پر عوام کو ہمیشہ مسائل کے انقلاب کا سامنا رہا۔ للو میاں سمیت گھر میں کسی کے پاس بھی بیگم

للو میاں کے سوالوں کو کوئی جواب نہ تھا؟؟

گو گو :اب رہ بات گو گو کی ، تو للو میاں کے بچے اکثر ٹی وی پر یہ نعرے سنکر اسے گو گو پان مصالحہ سمجھتے رہے اور اکثر فرمائش کرتے کہ ہمیں وہاں ضرور لیجایا جائے تا کہ وہاں مفت میں بٹتا گو گو پان مصالحہ مل سکے۔ تاہم ایک روز للو میاں نے انہیں سمجھایا کہ بچو۔۔۔۔ گو گو۔۔ کوئی پان مصالحہ نہیں ہے بلکہ یہ نعرہ اس شخصیت کے لیے لگایا جاتا ہے جس سے کہ لوگ اسکی پالیسیوں کی وجہ سے ناخوش ہوں اور دیس نکالا کرنے کے چکر میں ہوں ۔ بس پھر کیا تھا، اگلے روز جیسے ہی للو میاں کام سے واپس گھر میں داخل ہوئے تو گھر کے تمام در و دیوار گو گو کے نعروں سے بھرے پڑے تھے۔ اسکے ساتھ ساتھ للو میاں کے تمام کپڑے پھاڑ کر انکے بینر بنا کر گھر میں لگا دیے گئے تھے جن پر مختلف قسم کے نعرے درج تھے جنہیں پڑھ کر للو میاں کے ہوش اڑ گئے ۔ مثلا: چھوٹی منی کی طرف سے بینر پر لکھا گیا کہ: میرے چاکلیٹ اور چپس کے بجٹ میں اضافہ کر ورنہ گو ابا گو۔ بڑی بیٹی کا بینر کچھ یوں تھا کہ: پچھلے دو سال سے میرے کپڑے اور جوتے نہیں بنے ، فورا کپڑے سلواؤ ، میرے نئے ناپس لاؤ ، میرے جیب خرچ میں اضافہ کر۔ ورنہ گو بابا گو۔ بیٹے صاحب کا بینر کچھ یوں تھا کہ : مجھ پر مار دھاڑ کا بوجھ کم کیا جائے، مجھے دوستوں کے ساتھ آزادی سے گھومنے پھرنے دیا جائے، پڑھائی اپنی مرضی سے کرنے دی جائے، ورنہ گو پاپا

گو۔ دوسرے بیٹے صاحب کچھ یوں گویا تھے کہ: گھر سے مار پیٹ کے تمام اوزار ہٹائے جائیں اور مجھے رات گئے تک گھومنے پھرنے کی آزادی دی جائے، نیا فون بلیک بیری بمعہ بلوٹوتھ کے لیکر دیا جائے ورنہ گو ابو گو۔ للو میاں کی بیگم بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں اور انکا بینر کچھ یوں تھا کہ: فوراً گھر میں لارج سائز کا رنگین پلازما ٹی وی لایا جائے ورنہ گو میاں گو۔ ایک اور بینر پر لکھا تھا کہ: میں گھر کے کام کاج کر کر کے کھپ چکی ہوں ڈیوٹی سے آکر میرا ہاتھ بٹایا جائے یا پھر فالتو کاموں کے لیے ماسی رکھوائی جائے اور پچھلے بیس سال میں کیے گئے تما وعیدوں، بالخصوص میرے جھمکوں والا وعیدہ فوراً پورا کیا جائے ورنہ گو منے کے ابا گو۔ للو میاں نے یہ صورتحال دیکھی تو فوراً اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اسوقت کو کوسنے لگے جب انہوں نے گو گو کے معنی ان بچوں کے گوش گزار کیے تھے۔ اچانک سب سے چھوٹی اور للو میاں کی پیاری بیٹی اپنا بینر لیکر کمرے سے نمودار ہوئی جس پر لکھا تھا: میرے پیارے بابا جانی آپ ہی ہیں ہم سب کا سہارا۔۔ آپ کہیں نہ گو کہیں نہ گو، میرا ہے بس یہ ایک ہی نعرا للو میاں نے آگے بڑھ کر اپنی پیاری بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

لیڈر۔ لوٹا کیوں اور کیسے بنتا ہے؟

پاکستان میں لوٹوں کا موسم کب ، کہاں اور کس وقت شروع ہو جائے ، مری کے موسم اور کسی بدمزاج بیوی کی طرح اسکا بھی کوئی وقت مقرر نہیں۔ پہلے قومی اسمبلی میں لوٹا لوٹا ہوئی، پھر پنجاب سمبلی میں لوٹا لوٹا ہوئی اور اب اسمبلیوں سے باہر لوٹا لوٹا ہو رہی ہے۔ پہلے تو ایسے ہوتا تھا کہ لوٹا ہو کر بھی لوگ ڈھٹائی کے ساتھ اسمبلیوں میں براجمان رہتے تھے اور ہم عوام کی محنت کی کمائی خوب سیر ہو کر کھاتے اور مٹی پلید کرتے تھے۔ تاہم اب صد شکر یہ کہ لوٹے بھی کچھ باغیرت سے ہو گئے ہیں اور ریزائن کر جاتے ہیں۔ آجکل ایک صاحب منہ میں کچھ پھونک کر دانہ ڈالتے ہیں کبوتروں کی پوری لاٹ اڈاری مار کر انکے چھجے پر آ کر بیٹھ جاتی ہے اور ساتھ میں دوسروں کی اڈاری سے بھی کچھ نہ کچھ مال کھینچ لاتی ہے جو کہ فورا جھپ لیا جاتا ہے۔ اب جب سے اسی سال الیکشن ہونے کی خوشخبری مارکیٹ میں آئی ہے تو امید ہے اس لوٹا ماری میں مزید اضافہ ہو جائیگا۔

ہم کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ آخر یار یہ لیڈر لوگ لوٹے ہی کیوں ہوتے ہیں؟ بالٹی، تسلا، پتیلا، پتیلی، کڑاہی، چمچ، کفگیر، ڈوئی، توا یا چمٹا وغیرہ کیوں نہیں ہوتے؟۔ کچھ غور و فکر اور ادھر ادھر سے پوچھ پاچھ کے بعد

پتہ چلا کہ دراصل میں یہ بیچارے لیڈر لوگ لوٹے عوام کے غم میں گھل گھل کر ہوتے ہیں۔ انہیں عوام بیچاری کی اتنی فکر ہوتے ہے کہ لوٹا گیری بھی انکے دامن میں ڈال کر بچ بچاکے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً: ایک صاحب نے از خود فرمایا کہ وہ لوٹے اس لیے ہوئے ہیں کہ انکے حلقے میں ترقیاتی کام ناپید تھے، لوٹا ہونے پر انہیں بے بہا فنڈ مل گئے ہیں اور میرے حلقے میں دودھ دہی کی نہریں بہنے لگی ہیں۔ مزید فرمایا کہ پہلے مجھے کوئی گھاس نہیں ڈالتا تھا اب اعلیٰ قسم کی امپورٹیڈ گھاس ملنے لگی ہے۔ میرے حلقے کے لوگ ترقیاتی کام نہ ہونے پر میرے پیچھے جوتے لیکر دوڑتے تھے، اور اس چکر میں اپنی بہت سی قیمتی کمالیہ کی دھوتیاں گنوا بیٹھا تھا، نوکریوں کے لیے بوری بھر بھر درخواستیں ملتی تھیں میں کچھ نہیں کر پاتا تھا البتہ گندم کے لیے سال بھر کی بوریاں جمع ضرور ہو جاتی تھیں۔ پہلے میں سالوں اپنے حلقے اور گھر میں نہیں جا پاتا تھا کہ میرے بچوں نے بھی مجھے ماموں کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر جاتا بھی تھا تو رات کے اندھیرے میں پچھلے بوے سے جاکر پچھلے سے ہی مال شال رکھ کر واپس آ جاتا تھا۔ پر اب جب سے میں لوٹا بنا ہوں سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب تو میں جب چاہوں، جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ دورانِ اجلاس بھی کسی بھی درخواست پر کسی بھی منسٹر یا وزیرِ اعظم سے سائن کرا کر اپنا کام نکال لیتا ہوں۔ ہیں نہ فائدے ہی فائدے لوٹا بننے کے۔

ہر چیز کی طرح لوٹے کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں مثلاً: ۔۔ایک نمبر کا لوٹا۔ یہ لوٹا کچھ زیادہ دن چل جاتا ہے جبکہ دو نمبر لوٹا کچھ عرصے بعد جواب دے جاتا ہے اور عجیب و غریب آوازیں نکالنا شروع کر دیتا ہے جو نوٹ دکھا کر بند کی جاتی ہیں ۔ سستا لوٹا۔ یہ وہ لوٹا ہوتا ہے جو کہ عموما صرف پیسوں سے خریدا جاتا ہے جبکہ مہنگا لوٹا بعض دفعہ فنڈ کے ساتھ وزارت بھی مانگ لیتا ہے۔ کچھ لوٹے بہت ہی قیمتی قسم کے ہوتے ہیں کہ بعض اوقات انہیں لوٹا کرنے کے لیے بڑے ہینڈسم اماؤنٹ ، وزارت ، گاڑی اور، بنگلے شنگلے کی پیشکش بھی کی جاتی ہے۔ کچھ لوٹے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکے ایک ووٹ سے حکومت ڈانواڈول ہو جاتی ہے ۔ایسے لوٹے بہت زیادہ نخرے والے ہوتے ہیں اور انکے ناز و نعم اٹھانے کے لیے حکومتی چمچے ہر وقت انکے ساتھ دم چھلے بنے رہتے ہیں کہ چھینک بھی آ جائے تو فورا سپیشل جہاز کرا کر باہر کے ملک علاج کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ کچھ لوٹے خاندانی ہوتے ہیں کہ جنکا کام ہی لوٹا ہونا ہوتا ہے، ان لوٹوں کو جہاں کچھ ملتا نظر آئے فورا وہیں گر جاتے ہیں۔ بلکل ایسے جیسے کہ بنیے کا بیٹا کچھ دیکھ کر ہی گر تا ہے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بس ہر حال میں لوٹا ہونا ہے چاہے کوئی کچھ بھی کہتا رہے اور یہ عادت ،، چھوٹتی نہیں یہ کافر منہ کو لگی ہوئی ،، کے مصداق قبر تک انکے ساتھ جاتی ہے۔ انکا بس نہیں چلتا کہ مرنے کے بعد بھی دوسرے کی قبر میں لیٹ جائیں۔ ویسے آجکل سیاست میں کچھ ایٹی کیٹس آنے سے لوٹا ہونے والے کچھ لوٹے ریزائن بھی کر

دیتے ہیں اور کچھ اس تکلف میں نہیں پڑتے بلکہ فاروڈ لوٹا، بیک لوٹا، فرنٹ لوٹا وغیرہ جیسے قافیے ساتھ لگا کر کام چلا لیا جاتا ہے۔ کچھ ایسے لوٹے بھی ہوتے ہیں جو کہ بوجوہ ۔۔۔۔۔ ؟؟؟ کافی عرصے سے لوٹے نہیں ہوئے ہوتے اور ہر وقت لوٹا ہونے کے لیے مچلتے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انہیں لوٹا بننے کی کھرک ہو رہی ہو تو ایسے لوگ اپنی یہ عادتِ قدیمی وقتی طور پر اپنے گھر میں ہی پوری کر لیتے ہیں کہ کبھی بیگم کی طرف تو کبھی بچوں کی طرف ہو کر لوٹا بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سرائیکی کی مشال ہے نہ کہ۔ سِر ونجے تے عادت ونجے۔ ہمارے ہاں کچھ لوٹے ایسے بھی ہیں کہ جو باجماعت لوٹے بننا پسند فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ گروپ کی صورت میں تو بعض دفعہ اپنی پوری جماعت، قبیلے، اہل و عیال اور دیگر تمام افراد کے ساتھ لوٹے ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوٹے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو حکومت اور اپوزیشن دونوں میں شامل رہتے ہیں۔ اگر انکی بات نہ مانی جائے تو جھکائی اپوزیشن کی طرف اور اگر مال پانی اچھا مل جائے تو حکومت کی طرف۔ تاہم اسکی بھی مدت ہوتی ہے، جونہی مال ختم ہوتا ہے یہ پھر سے لوٹا بننے کو ہر دم تیار ہو جاتے ہیں۔ لوٹے کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں لوٹیاں بھی دستیاب ہوتی ہیں پر ان پر نہ ہی لکھا جائے تو بہتر ہے کہ ہم نے شام کو اپنے گھر بھی جانا ہوتا ہے؟؟؟ تو جناب ! اب حال یہ ہے کہ اس لوٹا گیری کو ہم سب کے قائد یعنی قائدِ اعظم سے ملا دیا گیا ہے کہ جی انہوں نے بھی تو پارٹی بدلی تھی۔۔۔۔۔۔ یعنی دوسرے لفظوں میں وہ بھی لوٹا ہوئے تھے۔۔۔۔

دیکھیے کیسی کیسی خرافات بکتے ہیں زمانے میں یہ لوگ۔

ایک لیڈر صاحب کا قصہ سنیے جو کہ تازے تازے لوٹے ہو کر اپنے آبائی گاؤں پہنچے تو انکا پر تپاق استقبال ہوا۔ ڈھول کی تاپ پر لوگ بھنگڑے ڈال رہے تھے اور کچھ اس طرح کے نعرے لگا رہے تھے۔۔۔۔۔ لوٹا ساڈا شیر اے باقی ہیر پھیر اے۔ آوے آوے لوٹا آوے۔ آیا آیا لوٹا آیا۔ لوٹے دے نعرے وجن گے۔ ہمارے آن ہماری شان۔۔۔ لوٹا خان لوٹا خان۔ انکی شان میں اتنا کچھ ہونے کے با وجود مجال ہے جو لوٹا صاحب نے ذرا بھی برا منایا ہو کیونکہ سیاست کے کاروبار میں تو سب چلتا ہے نہ۔ اسکے علاوہ ان کی شان میں مختلف بینرز کچھ اسطرح کے تھے: ہم اپنے عظیم قائد کو لوٹا ہونے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے کچھ نہیں کیا بس درجن بھر مختلف سائز اور رنگ کے لوٹے ایک ڈنڈے پر لٹکائے جلوس میں موجود تھے۔ میڈیا کے نمائندوں نے اسکے تاثرات لیے تو پتہ چلا کہ موصوف کی لوٹوں کی دکان ہے اور اسکی مارکیٹنگ کے لیے جلوس میں شریک ہیں۔ ایک بینر کچھ اسطرح کا تھا۔ لوٹا ہونے والے تیری عظمت کو سلام۔ ایک اور بینر کچھ اسطرح تھا۔ لوٹے رے لوٹے تیری ٹونٹی کدھر ہے؟؟ لوٹا صاحب نے مجمع سے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا: میرے محلے اور حلقے کے پیارے لوگو جیسا کہ آپکو معلوم ہے کہ مجھے لوٹا ہونے کا کوئی خاص شوق نہ تھا پر میں آپ لوگوں کے گٹروں کے ڈھکن لگوانے کو لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کی نالیاں بنوانے کے

لیے لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کے ڈنگروں کے بھانے بنوانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کو تھانے اور پٹواریوں کے چنگل سے چھڑانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں۔ مجمعے سے کسی نے آواز لگائی کہ آپکے تو اپنے بھائی بند پٹواری اور تھانیدار ہیں، ایک جَنا ڈھکواتا ہے اور دوسرا جَنا لے دلا کر چھڑواتا ہے، پر ان صاحب نے بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی اور مزید بولے کہ میں آپ لوگوں کو آپ کی بیگمات کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کو لوٹا ہوا ہوں۔ اس پر مجمعے میں بہت زور سے تالیاں ایسے پیٹی گئیں کہ جیسے وہاں سارے ہی رن مرید یعنی صنفِ نازک کے ظلم کا شکار ہوں۔ مزید گویا ہوئے کہ میں آپ لوگوں کو بھتہ خوروں اور اٹھائی گیروں اور رشوت ستانی سے نجات دلانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں۔ مجمعے سے پھر آواز آئی کہ آپکا اپنا لختِ جگر یہ کام بحسن و خوبی یہ کارنامہ انجام دے رہا ہے تو انہوں نے بھرپور بہرے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی اور بولے کہ میں لوٹا آپ لوگوں کی بھلائی کے لیے ہوا ہوں، ہوتا رہا ہوں اور اگر آپ کے حقوق ؟؟ادا نہ کیے گئے تو آپکا یہ پڑھا لکھا لیڈر آپ لوگوں کے لیے سو بار لوٹا ہوتا رہیگا۔ تالیاں۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ آپنے مجھے لوٹا ہونے کے باوجود سینے سے لگایا اور عزت دی۔ اسکے علاوہ میرے وہ بھائی بند جو مجھے لوٹا ہونے کا بار بار طعنہ دیتے ہیں وہ سن لیں کہ میں طعنوں سے ڈرتا ورتا نہیں ہوں اور اگر انہوں نے اپنی گندی زبان بند نہ کی تو میں انکی وہ ۔۔۔۔؟؟ والی فلمیں یو ٹیوب پر

چلا دونگا۔ مجھے سے پھر آواز آئی کو سرجی ! آپ کی بھی ایک ویسی ہی ؟؟؟ ویڈیو یو ٹیوب پر پڑی ہے اسکے بارے میں آپکا کیا خیال ہے ؟؟؟

لیڈر صاحب دھیان دوسری طرف کرکے پھر بولے کہ میرے لوٹا ہونے کی ایک اور وجہ میرا اپنی پالٹی سے اختلاف ہے، جہاں میری بات نہیں سنی جاتی تھی ۔ مثلا: میں انہیں کہتا تھا کہ وینا ملک کے کیس میں آپ کچھ کریں، وہ مجھے پیسہ وغیرہ دے کر چپ کرا دیتے تھے۔ ایک بار میں نے تیسری جنس کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی تو انہوں نے مجھے فری ریٹرن ایئر ٹکٹ ، سات ستارہ ہوٹل میں قیام و طعام، لیموزن کار اور ایک مشہور اداکارہ کے ساتھ باہر کے ملک کانفرنس میں بھجوادیا۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ میں اَدھا درجن بچوں کا باپ ہوں ، انگریزی تو کجا میری تو اُردو بھی ٹھیک نہیں، اور یہ کہ مجھے تو سائیکل بھی نہیں چلانی آتی تو لیموزن کار اور کڑی کیوں دی؟؟ پر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور آخر کار میں وہاں کار کا چالان کرا بیٹھا۔ بی بی کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی صحت کا بھی خیال رکھیں گی اور انگریزی بھی سکھائیں گی اسلیے ساتھ لے جائیں، حالاآنکہ میری صحت ویسے بھی بہت اچھی ہے صرف بارہ گولیا ں روزانہ کھاتا ہوں، اور وہ بی بی جیسے گئی تھی ویسے کی ویسے ہی واپس آ گئی بغیر کچھ سیکھے سکھائے ؟؟۔ ایک بار پھر میں نے انکی ایک اور بات پر اختلاف کیا تو انہوں نے مجھے ایک فلاں کمیٹی جس کا مجھے نام

ٹھیک طرح نہیں آتا اسکا چیئر مین بنا دیا اور میں آجتک اسکا چیئر مین ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ چور مین بننے کے بعد سے میری دال روٹی اچھی چل رہی ہے۔۔ان تمام باتوں کی وجہ سے مجھے اپنی پرانی پالٹی چھوڑنی پڑی۔۔۔اب آپ بتائیں کہ یہ لنے غلط کیا یا ٹھیک؟؟ مجمع سے کچھ مری مری سی آواز آئی کہ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔آواز کچھ کم ہونے پر انتظامیہ کے کسی بندے نے آواز لگائی کہ یار پانچ پانچ سو روپیہ دے کر نعرے مارنے کو لایا ہوں، کچھ تو آواز نکالو۔یوں پھر سے نعروں میں تیزی آ گئی۔

ذرا وقفے کے بعد لیڈر صاحب دوبارہ گویا ہوئے کہہ: لوٹا ہو کر اب میں دوبارہ الیکشن و لیکشن لڑ کر ملک اور قوم کا پیسہ اور آپکا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔لہٰذا آپ نے مجھے جیسے پہلے قبولا تھا اسی طرح جہاں ہے اور جیسے ہے کہ بنیا دپر اسی حال میں قبول لیں۔مزید یہ کہ اللہ کا شکر ہے مجھے فنڈ بہت سارے مل گئے ہیں آپ لوگ اپنے اپنے علاقے کے ترقیاتی کاموں کا حساب کتاب اور میرا دال روٹی کا خرچہ لگا کر مجھے بتادیں، انشائاللہ میں آپکے تمام مسائل حل کرا دونگا۔قریب کھڑے ایک چیلے نے لیڈر کے کان میں کھسر پھسر کی کہ سر جی اذان کا ٹائم ہو رہا ہے اس ٹائم پر جھوٹ ذرا کم بولیں، بلکہ بہتر ہے کہ اپنی تقریر یہیں اینڈ کر دیں اس سے پہلے کہ لوگ ہم پر لوٹے برسانا شروع کریں۔لیڈر صاحب نے پوچھا کہ کیا عصر کی اذان؟ چیلے نے چپکے سے

پھر کان میں کہا کہ سر جی ! سورج غروب ہوتے وقت مغرب کی اذان ہو تی ہے، عصر کی نہیں ۔ مزید کہا کہ اس سے پہلے کہ لوگ آپ سے عشاء کی نماز کی رکعتیں پوچھ لیں، یا کوئی سورت سنانے کا کہیں، جو کہ آپ کو نہیں آ تیں، آپ یہاں سے کھسکنے والی بات کریں۔ لیڈر صاحب نے بھی پھر وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔

گدھوں کی گول میز کانفرنس

گدھے کے بارے میں تو ہم سبھی جانتے ہیں کہ یہ بیچارہ واقعی ایک بہت مظلوم جانور ہے اور یہ کہ یہ بار برداری یعنی سامان ڈھونے کے کام آتا ہے۔ تو جب ہم دنیا جہاں کے موضوعات پر لکھتے ہیں تو وائی ناٹ آن گدھا۔ اصل میں ہمیں گدھے پر لکھنے کے لیے اکسانے والی وہ گدھا منڈی ہے جو کچھ عرصہ پہلے ہمارے پیارے صوبہ سندھ میں منعقد ہوئی۔ ٹی وی پر ان گدھوں کی کیٹ واک، سج دھج اور اٹھکیلیاں دل میں عجیب سی گدگدی کر رہی تھیں کہ کیا گدھے بھی اتنے خوبصورت ہو سکتے ہیں؟؟ ہم تو اب تلک یہ سمجھتے تھے کہ یہ گدھے فری میں بکتے ہونگے پر پانچ پانچ لاکھ تک کے گدھے دیکھ کر بے ویلیو انسان پر غصہ آنے لگا کہ جسے جب چاہے، جو چاہے، جہاں چاہے پھڑکا دے۔ اس گدھا واک یعنی منڈی کو دیکھ کر پتہ چلا کہ انکے چاہنے والے بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ مختصر کپڑے پہنے ان ماڈلز پر بھی ترس آیا کہ جنہیں بعض دفعہ ٹانگیں مٹکانے اور لہرا لہرا کر ریمپ پر چلنے کا شاید گدھوں سے بھی کم معاوضہ ملتا ہوگا؟؟

گدھوں میں کچھ گدھے بیچارے لاوارث ہوتے ہیں، جنہیں آوارہ پھرتا دیکھ کر کوئی بھی ہانک کر لیجاتا ہے، یا پھر اگر کہیں میونسپل کمیٹی کا قید خانہ یا

بھانہ ہو تو وہاں بند کر دیا جاتا ہے۔ کچھ گدھے بیچارے ایسے لاچار ہوتے ہیں کہ بوجھ تو کیا اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل بھی نہیں ہوتے اور مالک انہیں بوڑھا ہونے پر گھر سے نکال باہر کر دیتا ہے۔ یوں وہ بیچارہ سارا دن ادھر ادھر پھر کر کھجل خوار ہوتا رہتا ہے۔ کچھ گدھے اتنے شریف اور سدھائے ہوئے ہوتے ہیں کہ سامان لاد کر صرف اشارہ کرد و سیدھے مطلوبہ مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ گدھے بڑے غصیلے قسم کے ہوتے ہیں اور غصہ میں آ کر کبھی کبھار اپنے مالک کا ہاتھ پاؤں بھی کاٹ کھاتے ہیں، لہٰذا بچ بچا کے موڑ توں۔

ویسے اگر آپ لوگ ناراض نہ ہوں تو ایک بتاؤں کہ گدھے اور شوہر میں بھی بہت سی چیزیں کامن ہوتی ہیں۔ مثلاً: گدھا اور شوہر دونوں ہی سر ڈھا کر کام میں لگے رہتے ہیں۔ گدھا دن بھر مشقت کرتا ہے، شام کو مالک پیٹ بھر کے کھانا بھی نہیں دیتا۔ اسی طرح شوہر بیچارا بھی دن بھر مشقت کرتا ہے، شام کو بیوی اور بچوں کے کوسنے سنتا ہے اور بچا کھچا کھاتا ہے۔ گدھے کا مالک خود اچھا کھاتا پہنتا ہے گدھے کو گندمند کھلاتا ہے۔ اسی طرح شوہر بیچارہ گھر بھر کے لیے کما کر چوری کھلاتا، خود اس بیچارے کو بعض دفعہ سوکھی روٹی بھی نہیں ملتی۔ گدھے کا مالک اسکی پٹائی چھوٹی لکڑی سے کرے یا بڑی سے، گدھا چپ کر کے برداشت کرتا ہے۔ شوہر کی پٹائی بیوی چاہے زبان سے کرے، ہاتھ سے کرے یا برتنوں سے کرے شوہر بیچارہ بچوں کی خاطر برداشت ہی کرتا رہتا ہے۔

گدھے پر

جتنا بھی وزن لاد و اسے اٹھانا پڑتا ہے۔ شوہر پر بھی بیوی جتنے اخراجات کا بوجھ ڈال دے اس بیچارے کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ گدھا بیچارہ اگر کبھی تنگ آ کر کہیں بھاگ بھی جائے تو کوئی دوسرا پکڑ کر اس سے پھر وہی کام زیادہ لینا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر میاں بھی کسی اور بیوی کے چکر میں پڑ جائے تو وہ پہلے والی سے بھی دو ہاتھ آگے ہی پائی جاتی ہے۔

اگر ہم بیوی سے گدھے کا موازنہ کریں تو یہاں بھی بہت سی مشترکہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً: کہتے ہیں نہ کہ گدھے کی کھال اور دماغ بہت موٹا ہوتا ہے اسلیے اس پر کوئی مار یا بات جلد اثر نہیں کرتی، بیوی کا بھی کچھ یہی حال ہوتا ہے۔ ہمیں ایک ایسے انگریز کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا جو کہ چین میں بھی کام کر چکا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ اتنا عرصہ چین میں رہنے کے باوجود آپ نے چین میں شادی کر کے بیوی کیوں نہ بنائی ؟ اس انگریز کے جواب نے ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ: آپ کسی گدھی سے شادی کر کے بیوی بنالیں پر چائنیز لیڈی کو بیوی نہ بنائیں۔ پر اسنے وجہ نہیں بتائی ؟؟ گدھے کو کچھ کھانے پینے کا سامان نظر آ جائے تو اسکی سپیڈ فورا تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی میاں کی طرف سے کچھ زیور یا پیسے آتے نظر آئیں تو اسکی بھی کام اور چاپلوسی کی رفتار فورا تیز ہو جاتی ہے۔ گدھے کو آپ لاکھ میک اپ میں تھوپ دیں، گدھا تو گدھا ہی رہتا ہے، اسی طرح پانچ بچوں والی بیوی پر لاکھ میک اپ

کا خرچہ کر لیں، جتنی چاہے میک اپ کی اسٹکیں یا کٹیں لگا دیں، جتنا چاہے فیشل کروا دیں ا سکے بوتھے پر بھی گھٹ ودھ ہی تبدیلی آتی ہے۔

اور اب اپنے ملک کے عزیز و غریب سیاستدانوں سے انتہائی معذرت کے ساتھ کہ سیاسی لوٹے تو آپ نے بہت سنے ہونگے جن میں ہم کافی حد تک خود کفیل ہیں۔ تاہم سیاسی گدھے، سوری، میرا مطلب کہ سیاستدانوں اور گدھوں میں بھی بہت سی باتیں کامن ہوتی ہیں۔ مثلاً: حالیہ قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی کی سالانہ کارکردگی رپورٹ کے مطابق اسمبلی میں جو کچھ بھی ہوتا رہا ممبران کی زیادہ تعداد خاموش ہی رہی۔ گدھے کے ساتھ بھی کچھ بھی کر لیں زیادہ تر خاموش ہی رہتا ہے۔ ہمارے اکثر ممبرانِ اسمبلی اتنے بھولے ہیں کہ انگریزی تو کیا اردو زبان سے بھی نابلد ہیں۔ اسی طرح گدھا بھی ہر طرح کی زبان سے نابلد ہوتا ہے۔ ہمارے معصوم سیاستدانوں کو ہمیشہ صرف آمر کے ڈنڈے کی زبان سمجھ میں آتی ہے، اسی طرح گدھا بیچارہ بھی صرف ڈنڈے کی زبان سمجھتا ہے۔ سیاست دان دولت کی مار مارتے ہیں، گدھا دولَت یعنی دولَات مارتا ہے۔ سیاستدان کبھی کسی ایک کا نہیں ہوتا۔ گدھا بھی کسی ایک کا نہیں، جو پکڑ لے اسی کا ہو جاتا ہے۔ گدھا ایک عام آدمی سے زیادہ ہی کھاتا ہے۔ سیاستدان کو بھی جتنا کھلا دو کم ہے۔ گدھے کو زیادہ دیر کچھ نہ ملے تو ڈھینچوں ڈھینچوں دھاڑنا شروع کر دیتا ہے، سیاستدان کو بھی اگر وزارت نہ ملے تو میڈیا پر چیخ چیخ، حکومت میں کیڑے

نکال نکال کر سارا ملک سر پر اٹھا لیتا ہے۔ گدھے کے آگے جتنے بھی بین بجالو اسے کچھ اثر نہیں ہوتا، ہمارے سیاستدانوں کے کالے کرتوتوں پر بھی جتنا چاہے چیخ لو ان پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایک مشہور واقعہ تو شاید سبھوں کو یاد ہوگا کہ: ایک مشہور و معروف سیاستدان سے میڈیا والوں نے پوچھا کہ جناب آپ کے کالے کرتوتوں سے اخبارات بھرے پڑے ہیں تو کیا آپکی ریپوٹیشن ؟؟پر کچھ فرق نہیں پڑیگا؟ تو موصوف بولے کہ میرے حلقے کے لوگ اخبارات ہی نہیں پڑھ سکتے!

ایک بار جنگل میں گدھوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، آیئے اپنے نمائندے سے اسکا لائیو حال جانتے ہیں۔ گدھا نمبر ا: بھئی میرا خیال ہے کہ ہمیں اب یہ بوجھ اٹھانے کا کام چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ انسان اب ہم سے زیادہ وزن اٹھانے کے قابل ہوگیا ہے۔ مثلا: سرکار آئے روز بجلی، گیس، تیل کی قیمتیں بڑھاتی ہے، مہنگائی بڑھ جاتی ہے مگر یہ انسان بلا چوں چراں تمام بوجھ باآسانی اٹھا رہا ہے۔ گدھا نمبر 2: میرا خیال ہے کہ ہمیں آئندہ دنوں میں ہمیں اپنی خوراک کی شدید قلّت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔۔۔۔ تمام گدھے چونکے اور متوجہ ہوئے۔۔۔۔۔ گدھا بولا کہ مجھے ڈر ہے کہ انسان مہنگائی کی وجہ سے اپنی خوراک نہ خرید سکے گا اور ہماری گھاس کھانا شروع کردے۔ گدھا نمبر3: میں انکی بات سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں اور مزید اضافہ کرنا چاہونگا کہ شوگر

کی بیماری چونکہ روز بروز بڑھ رہی ہے اور شوگر کے مریض چنے بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں، جو کہ ہماری غذا کا لازمی جزو ہے، اسکی بھی قلت ہو سکتی ہے، لہٰذا اس سلسلے میں بھی محتاط رہا جائے۔ اسکے علاوہ یہ کہ کیونکہ انسان کی اپنی روٹی شوٹی بھی پوری نہیں ہو پا رہی تو ہمارے بھوسی ٹکڑے، چھان بور وغیرہ کی بھی کمی ہو سکتی ہے۔مزید یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ انسان خود ان اشیاء کا طالب ہو۔ اگر ایسا ہو تو ہمارے لیے بھوسی ٹکڑے اور چھان بور امپورٹ کرنے کا جلد بندوبست کیا جائے۔ گدھا نمبر 4: چنگ چی رکشے آنے سے لوگوں نے گدھا گاڑی کے بجائے چنگ چی گاڑی کا استعمال زیادہ شروع کر دیا ہے، لہٰذا ہمیں اپنی حیثیت کھونے کے ڈر کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ گدھا نمبر 5: انسان آجکل ہمارے اوپر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، ہم اگر تھکے ترٹے بھی ہوں تو ڈنڈے مار مار کر ہمیں زبردستی کام پر مجبور کیا جارہا ہے جو کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس سلسلے میں امریکہ سے مدد لینی چاہیے۔ گدھا نمبر 6: آجکل ایک اور ٹرینڈ چلا ہوا ہے کہ ریس میں ہمیں تیز دوڑا کر شرطیں جیتنے کے لیے ہماری بیک پر ٹین کے ڈبے سے زخم لگائے جاتے ہیں، جس سے ہم لہو لہان ہو جاتے ہیں، میرا یہ مطالبہ ہے کہ اس طرح کے زخم حکومت کو بھی لگائے جائیں تاکہ وہ بھی تیز تیز کام کرے۔ اسکے علاوہ میں اپنی گدھا برادری سے اپیل کرونگا کہ وہ اپنا پرانا جدی پشتی کام یعنی دولتی مارنا اب چھوڑ دے کیونکہ انسانوں کو انکے اپنے جیسے انسان آئے روز دولتیاں

مار مار کر اسکا حشر نشر کے ہوئے ہیں۔ گدھا نمبر 7: ہمارا حکومتِ وقت سے ایک دیرینہ مطالبہ یہ ہے کہ چونکہ ہم میں سے زیادہ تر گدھے کنوارے ہی مر جاتے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے کثیر تعداد میں گدھیوں کا بندوبست کیا جائے، بے شک باہر لے ممالک سے ہی کیوں نہ منگوائی جائیں۔ اس قرارداد کی تمام گدھوں نے ہاتھ اٹھا کر پرزور اندار میں تائید کی۔ گدھا نمبر 8: شہر کے پوش علاقوں میں جانے سے پابندی ہٹائی جائے تاکہ ہم وہاں جا کر اپنی پسند کی خوراک نوش فرما سکیں۔ اگر یہ پابندی ہمارے فضلے کی وجہ سے لگائی گئی ہے تو اسکا الٹرنیٹ انتظام کرکے اس سے بائیو گیس پیدا کرکے ملک میں خوشحالی لائی جائے۔ ہم سے سوتیلی ماں والا سلوک بند کرکے ہمارے تمام حقوق دیے جائیں۔ ورنہ جس طرح کراچی کے بنگالی بھائی پارلیمنٹ کا گھیراؤ کی دھمکی دے رہے ہیں تو ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اگر ہماری حق تلفی یونہی جاری رہی تو ہم اقوامِ متحدہ میں علیحدہ ملک کے لیے قرار داد پیش کروائیں گے۔ گدھا نمبر 9: جناب عالی! کراچی کے علاقے لیاری اور کھڈہ مارکیٹ والوں کے لیے شکریہ کی قرار داد پاس کی جائے کیونکہ صرف انہی علاقوں کے لوگ ہماری سیوا ٹھیک طرح کرتے ہیں، باقی سب جگہ ہماری انسلٹ کی جاتی ہے۔

اسکے علاوہ صوبہ سندھ کے شہر بدین میں ہماری منڈی لگانے والوں کے لیے ایوارڈز اور انعامات کا اعلان کیا جائے گدھا نمبر 10: کبھی کبھار سرِ راہ

اتفاق سے اگر کسی گدھی سے ٹاکرا ہو جائے تو ہمارے مالک ہمیں اس سے حال چال نہیں ونڈنے دیتا، ہماری پر زور فرمائش ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں تخلیے میں دس منٹ گپ شپ کے لیے لازمی دیے جائیں۔ گدھا نمبر11: ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ انسانوں کی طرح ہمارے بھی مٹی سے بھرے کھیل کے گراؤنڈ بنائے جائیں جہاں ہم اپنی مرضی سے اس میں لوٹ پوٹ ہو کر مٹی کا غسل کر سکیں۔تاہم یہ گراؤنڈ امریکی امداد کی بجائے حکومت اپنی جیب سے بنائے۔ گدھا نمبر12: چونکہ ہماری اور انسانوں کی حرکتوں میں زیادہ فرق نہیں رہا، لہٰذا حکومت ہمارے لیے اسمبلی میں سیٹیں مخصوص کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری نوکریوں کا کوٹہ بھی مختص کرے۔اسکے علاوہ چونکہ ہمارے گدھوں میں تعلیم کا فقدان ہوتا ہے لہٰذا ہمارے لیے ہمارے ہی جیسے اوصاف کا مالک جنکی کہ کثیر تعداد ایوانوں میں موجود ہے) موجودہ اسمبلی سے وزیر مقرر کیا جائے، جو) کہ ہماری زبان باآسانی سمجھ سکے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو انہیں ہماری زبان کا کورس کرایا جائے۔

اب جناب باری تھی کچھ گدھیوں کی: گدھی نمبر1: میری گزارش ہے کہ ہمارے عادات سے ملتی جلتی کچھ گدھیاں بھی ایوانوں میں موجود ہیں، انکے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ گدھی نمبر2 : جس طرح انسانوں کی عورتوں کے لیے الگ پارک، الگ بسیں، الگ بنک وغیرہ بن رہے ہیں، اسی طرح کا انتظام ہمارے لیے بھی کیا

جائے۔ اس کے علاوہ ہمارا سامانِ آرائش و زیبائش کی کمی کی وجہ سے اسے امپورٹ کرنے اور ڈیوٹی ٹیکسس میں چھوٹ دی جائے۔ گدھی نمبر3 : ہماری بہتر افزائشِ نسل اور ہماری آبادی میں اضافے لیے اسمبلی میں ہمیں ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اس بات پر اتنا زیادہ شور شرابا ہوا کہ کئی گدھے اکٹھے کھڑے ہو کر بولنے لگے اور پھر مزید گدھیوں بیچاریوں کو بولنے کی اجازت نہ مل پائی۔

اور پھر آخری گدھا صاحب کچھ یوں گویا ہوئے کہ: آجکل انسان لوگ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا کہ رٹ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ بات تو ہم پر صادق آتی ہے کہ ہمیں جتنا بھی مار کوٹ لیں ہم بھی کسی کی نہیں مانتے ، لہٰذا۔۔۔۔۔ ہمیں انسانوں کے برابر درجہ دیکر انکے جیسے تمام حقوق دیے جائیں۔ اسکے علاوہ یہ کہ ہمارے اس ایکے یعنی اکٹھے رہنے کی کارگزاری اور کانفرنس کے تمام فیصلوں پر فوری عمل درآمد کی ایک کاپی انسانوں کو بھی بھیجی جائے تاکہ انہیں پتہ چل سکے کہ ہمارے ہاں کوئی ڈرتا ورتا کسی سے نہیں اور تمام فیصلوں پر من و عن عمل ہوتا ہے نہ کہ انکی طرح جو کہ عدلیہ کے فیصلوں کو بھی کہتے ہیں کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ اسکے علاوہ اگر انسانوں کو کہیں خط لکھنے میں دقت ہو، لکھنے کا طریقہ نہ آتا ہو تو ہم سے رابطہ بھی کر سکتے ہیں؟؟

اور پھر آخر میں دعا کچھ یوں ہوئی: اے اوپر والے ہمارے حال پر رحم فرما۔ ہمیں انسانوں کے شر سے محفوظ فرما۔ اے اوپر والے جس ہاتھ سے یہ انسان ہمیں مارتے اور زخم لگاتے ہیں، اے نیلی چھت والے انکے وہ ہاتھ توڑ دے۔ اے سب کی سننے والے ہماری گھاس اور چنے کی فصل کی پیداوار میں اضافہ فرما۔ ہمیں اتنی عقل دے کہ لوگ ہمیں بے عقل ہونے کا طعنہ دینا چھوڑ دیں۔ اے اوپر والے یہ انسان لوگ اپنے سے انسانوں کو ہمارے نام سے موسوم گالیاں دیتے ہیں مثلاً: گدھے کا بچہ، گدھا کہیں کا، گدھے کی سی حرکتیں کرنے والا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو اصل میں آجکل خود ہمارے ہی جیسی حرکتیں کر رہے اور ہمارے ہی جیسی زندگی جی رہے، اے مالک تو ہمیں ان جیسا نہ بنائیو۔ اے سننے والے جسطرح بڑے لوگوں کے کتے امپورٹیڈ خوراک کھاتے ہیں ہمیں بھی وہ خوراک نصیب فرمادے۔ اے مالک تما عالم گدھا پر اپنا خاص رحم کر دے۔ جس طرح انسان آجکل ہم سے بھی بدتر زندگی گزار رہا ہے اس سے ہمیں بچائیو اور ہمیں اپنے خواص میں شامل فرمالے۔ ہمیں نیک اور صالح زوجائیں عطا فرما۔ اس پر اتنی زور سے واہ واہ ہوئی کہ جنگل کے تمام شیر نیند سے جاگ اٹھے اور پھر تمام گدھے آگے آگے اور شیر انکے پیچھے پیچھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نوٹ: اگر میرے کسی پڑھنے والے کو یہ آرٹیکل برا لگے تو میں پیشگی معذرت

چاہونگا۔ شکریہ

ہیجڑے اسمبلی میں آئے تو کیا ہوگا؟

ایک خبر کے مطابق ہمارے ملک میں موجود تیسری جنس یعنی خواجہ سراؤں نے بھی اسمبلی میں نشستوں کا مطالبہ کر دیا ہے۔لیں جناب ! بیچاروں کو قبرستان میں سیٹ ملتی نہیں ، چلے اسمبلی میں سیٹیں لینے۔ جب سے یہ ہمارے عزت مآب چیف جسٹس صاحب ان پر مہربان ہو کر انہیں نادرا شناختی کارڈ، نوکریوں میں کوٹہ، قرضوں کی وصولی میں مدد اور دیگر طریقوں سے انکی ہیلپ کرنے میں لگے ہیں نہ تو یہ لوگ؟ کچھ زیادہ ہی نہیں پھیلتے جارہے کہ جی اب اسمبلی میں کوٹا۔۔۔ہونہہ۔۔ کل کلاں کو کھڑے ہو کر کوئی نیا ممنوعہ مطالبہ کر دینگے۔ ویسے پڑوسی ملک ہندوستان میں تو یہ لوگ جنس کے خانے میں اپنا نام لکھوانے کی منظوری بھی لے چکے ، اب پاکستان میں دیکھیں کہ انہیں کیا کچھ ملتا ہے۔ سوچیں کہ اگر ان لوگوں؟ کو اسمبلی میں آنے کی اجازت مل جائے تو کیسا ہوگا پاکستان؟

الیکشن لڑنے کے لیے ٹکٹ کیسے لیا جائیگا: اس قوم کی بھی کیونکہ کئی قسمیں ہوتی ہیں ، لہٰذا الیکشن کے لیے ٹکٹ لینا انکے لیے ایک مشکل مرحلہ ہوگا کہ ٹکٹ کونسی قوم قبیلہ کو جاری کیا جائے اور پھر اسطرح سے انکا آپس میں پھڈا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک کہے گی یا کہے گا کہ الیکشن میں نے لڑنا ہے دوسرا کہے

گا یا گی کہ میں نے لڑنا ہے۔ آپس میں سوال جواب کچھ ایسے ہونگے کہ: اے ہے تجھے تو لڑائی مار کٹائی بھی ٹھیک سے نہیں آ تی تو الیکشن کیا لڑے گا۔ گی۔ دوسرا کہے گا۔ گی۔ کہ ہے ہے تجھے تو ڈانس بھی ٹھیک طرح سے نہیں آتا تو الیکشن کیا لڑے گی، گا۔ پھر کہیں گے آؤ پہلے لڑنے کا مقابلہ کر لیتے ہیں جو جیتا وہی سکندر یعنی ٹکٹ وہ لیگا۔ لیگی۔۔۔ لو جناب ۔ لڑائی کا مقابلہ شروع ۔۔۔۔۔۔ تھپڑ پے تھپڑ۔ مکے پہ مکا۔ چپیڑ پہ چپیڑ۔ منہ کی نونچائی۔ بالوں کی کھینچائی۔ کان کی پکڑائی۔ ناک کی مڑائی اور تڑائی۔ اب جناب ہاتھ آ گئے نام نہاد دوپٹے جو کسی کسی کے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ پھر جناب باری آ تی ہے کپڑوں کی پھاڑا پھاڑی کی۔۔۔ اور پھر کپڑے۔۔۔ کپڑے۔۔۔۔۔ چلیں کپڑے سینسر کر کے جوتے کی طرف چلتے ہیں۔ لو جناب آخر میں بچا جوتا۔ اب جوتے سے ایک دوسرے کی لترول شروع۔۔۔ اور پھر ایک جنا یا جنی تھک ہار کر ہار جاتی ہے یا جاتا ہے۔۔ ارے ٹھریے جناب اس لڑائی مار کٹائی کے دوران ان کے منہ سے جو پھول جھاڑے گئے انکا ذکر بھی تو سنیں ۔ پر نہیں، آرٹیکل گندا ہو جائیگا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ کچھ ممنوعہ اقسام کی گالم گلوچ کا تبادلہ ہوا جنہیں ہم شارٹ فارم میں اسطرح استعمال کر سکتے ہیں مثلا: تجھے کیڑے ۔ یعنی ٹی سے TKP پڑیں۔ اس جنس کی ایک عام سی گالی ہے۔ اسکی شارٹ فارم ہم تجھے۔ کے سے کیڑے۔ اور پی سے پڑیں۔ تو تمام گالیاں شارٹ فارم میں کچھ اسطرح TKNR ، TMM، TBM، تھیں۔

وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ مطلب آپ خود اخذ کرلیں۔ آخر آپ خود بھی تو سمجھدار ہیں نہ! اسکے بعد متعلقہ پارٹی اس بیچارے یا بیچاری کی فوٹو دیکھ کر ہی ٹکٹ دیں گی۔

الیکشن مہم اور جلسے جلوس: الیکشن مہم اور جلسے جلوس کے بغیر تو ہمارے ہاں الیکشن ہی نہیں ہو سکتے۔ ویسے ایک بات ہے کہ ان کے جلسے جلوسوں میں عوام کی کثیر تعداد تو صرف اپنے من پسند کھسرے دیکھنے جایا کریگی۔ انہیں تو اعلانات کرانے کی بھی ضرورت نہیں پڑیگی کہ منہ در منہ ہوتی بات کوٹھوں چڑھ کر ہر جگہ پہنچ جائیگی۔ آجکل جلسے جلوسوں میں گانا بجانا ہو رہا ہے پر انکے جلسوں میں گانا بجانے کے ساتھ ساتھ ناچ کا آئیٹم بھی اضافی طور پر شامل ہو جائیگا جسے عوام کی کثیر تعداد پسند کرے گی۔ کچھ شوقین قسم کے حضرات تو اس جنس کو صرف ہاتھ لگا کر ہی تسکین حاصل کر لیتے ہیں جو کہ وہ وافر مقدار میں کرینگے۔ اسکے علاوہ انکے جلسے جلوسوں میں تالیاں پیٹنے کا بھی مقابلہ ہوا کریگا۔ نعرے کچھ اسطرح ہونگے۔ ہائے ہائے زندہ باد۔ ہائے ہائے مردہ باد۔۔۔۔ ہائے ہائے تجھے ووٹوں کی جگہ کیڑے پڑیں۔ مخالف کے خلاف نعرہ: مرد ہے تو میدان میں آ۔۔۔ ساڈے نال متھا لا۔۔۔ کون کرے گا کم مہنگائی۔۔۔ ہائے ہائے رانی مائی، رانی مائی۔ گلابو باجی ساڈی شیر اے۔ باقی ہیر پھیر اے۔ کون کرے گا قرض وصولی۔۔۔ باجی صائمہ باجی چنبیلی۔ تیرا نعرہ میرا نعرہ۔۔۔ ریما نے آنا، بوبی نے آنا۔۔ ہماری آن ہماری شان۔۔۔ نصیبو خان، ریما خان۔ ہائے ہائے آپکا

یا آپکی خادم خادمہ ۔۔۔۔ فلانی فلانی۔۔۔ بیٹر کچھ اسطرح ہونگے : پاکستان بچانا ہے تو تیسری قوم کو لانا ہے۔ ہم حلقہ فلاں کے عوام تمام کھدڑوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمیں ہمارے حقوق دو ورنہ تالیاں پیٹ پیٹ کر پاگل کر دینگے۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اب جناب تقریر کچھ اسطرح ہوگی: میرے پیارے ۔۔۔۔ آپ لوگوں نے جنس نمبر ایک اور دو، دونوں کو آزمایا پر پیاز اور آلو پھر بھی مہنگا ہوا، آپ ہمیں آزمائیں، ہائے ہائے سب کچھ فری کر دینگے۔ آپ نے دونوں کو آزمایا پر پٹرول، بجلی، گیس پھر بھی مہنگی رہی، آپ ہمیں جتوائیں یہ سب اشیاء بھی مفت دیں گے۔ آپ نے ان دونوں کو جتوایا انہوں نے اپنی جائدادیں بنائیں، آپ ہمیں جتوائیں ہم آپکی جائدادیں بنوائیں گے۔ آپ ہمیں جتوائیں ہم آپکے بالک ہونے کی خوشی میں اور شادی کی خوشی میں فری ناچیں گے۔ آپ ہمیں چنیں ہم آپ کو فری قرض وصول کر کے دینگے۔ آپ نے دونوں پارٹیوں کو آزمایا پر دونوں ناکارہ نکلیں، آپ ہمیں جتوائیں ہائے اللہ ہم ۔۔۔۔۔۔۔ ہائے اللہ آپ کسی خان وان کے بھی پیچھے نہ جائیں یہ تو بیس بیس فٹ اوپر سے چھلانگیں لگا کر اپنی ٹانگ بانہہ تڑا بیٹھے گا، آپکے کسی کام نہ آئیگا بلکہ آپ ہمارے پیچھے آئیں ہم آپکو ضرور کچھ نہ کچھ دیں گے۔ آپ ہمیں جتوائیں ہائے ہائے ہم آپ کے صدقے واری جائیں گے۔ آپ ہمیں جتوائیں ہم ہاتھ لگانے کے بھی پیسے نہیں لیں گے۔ اور پھر وہ شرما کر تقریر بند کر دینگے۔ تو جناب ! اگر یہ الیکشن جیت گئے تو انکے لچھن دیکھیے گا کہ پہلی دو جنس تو رات کو ہوائی

فائرنگ کرکے جشن مناتی ہے۔ یہ لوگ ہاتھ لہرا لہرا کر، ناچ گانا اور بھنگڑے ڈال کر جشن منائیں گے اور لوگ جان بوجھ کر گلے لگ لگ کر انہیں مبارکبادیاں دے رہے ہونگے۔ کچھ شوقین مزاج عبداللہ دیوانے انکی جگہ فائرنگ بھی کر رہے ہونگے کیونکہ یہ نازک اندام بیچارے ہاتھوں سے گن نہیں چلا سکتے۔ سارا دن پھر پھر اور خجل خوار ہو کر دھوڑ مٹی اور گند میں لبڑے یہ بیچارے یا بیچاری یرقان کے مریض لگ رہے ہونگے۔ پر شوقین مزاج عوام انہیں ہر صورت قبول ہی لیگی اور ایک اور بہانہ مل جائیگا انہیں چونٹیاں مارنے کا۔ جوابا انہوں نے صرف ہائے اللہ اور دفعہ دور پر اکتفا کرنا ہے اور بس۔ اسمبلی میں پہنچ کر انکے کرتوت کیا ہونگے، تھوڑا نظر ڈالیں؟

اسمبلی میں آمد اور حلف برداری: اس قوم کی اسمبلی میں آمد بھی کسی دھماکے سے کم نہیں ہوگی۔ انکی جیت کی خوشی میں پہلے تو انکے گروانگا سواگت کریں گے پھر ناچتے گاتے، اچھلتے کودتے اسمبلی میں چھوڑنے آئیں گے۔ اب سوچیں کہ حلف کے دوران یہ کیا کہیں گی یا کہے گا۔؟ پہلے پہل تو انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دینی ہیں کہ ہماری طرف سے لکھ لکھ مبارکاں، جی آیا نوں، ست بسم اللہ۔ ہائے موٹے، ہائے کٹے، ہائے چکنے، ہائے سمارٹ، ہائے بے بی اور دیگر کئی طرح کی ہائے ہواڑ پا دینی ہے اور پھر اسمبلی میں آنے کی خوشی میں بھنگڑا یا لڈی ڈانس شروع ہو جائیگا۔ یا پھر یہ لوگ؟ اٹھ اٹھ کر انگلیاں

کڑکا کر بلائیں لینا اور نظر اتارنا شروع کر دینگے۔اس دوران میں مولوی ممبر حضرات ہو سکتا ہے کہ اسمبلی سے واک آؤٹ کا افتتاح بھی کر دیں اور پھر یہی لوگ انہیں کسی شرط؟ پر منا کر واپس لا کر اسمبلی کی کاروائی دوبارہ شروع کریں۔ ویسے اسمبلی میں انکی موجودگی میں کورم ٹوٹنے کا مسئلہ حل ہو جائیگا کہ ہر کوئی، ہر وقت انکے لچھن دیکھنے کو ہر وقت حاضر پایا جائیگا۔ مرحوم محترم مولانا نورانی صاحب کا ریکارڈ تھا کہ انہوں نے کبھی اسمبلی اجلاس سے غیر حاضری نہیں کی تھی، اسطرح ان کا ریکارڈ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اسمبلی میں انکی پہلی ترجیح یہی ہوگی کہ تالیاں بجانے سے پابندی اٹھائی جائے کہ یہ لوگ تالی کے بغیر بات نہیں کر سکتے۔ ویسے تو تالیاں پہلی اور دوسری جنس بھی خوب بجاتی ہیں تاہم انکی تالیوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔پھر انہوں نے اسمبلی میں بل پیش کر دینا ہے کہ تیسری جنس کے شوقین لوگوں کی حمایت میں بل پاس کیا جائے تاکہ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکے۔ جس کی کہ مولوی حضرات بھرپور مخالفت کریں گے۔ اور پھر یوں ایک نیا شو شروع ہو جائیگا۔ یہ بیچارے لوگ کیونکہ نہ مردوں میں ہیں اور نہ عورتوں میں، تو انکے لیے الگ سے نشستیں، الگ باتھ روم، الگ ریسٹ روم، الگ گیسٹ ہاؤس، الگ میک اپ روم غرضیکہ تمام ہی چیزیں الگ بنانا ہونگی، نتیجہ اضافی خرچہ۔ جسکا کہ آجکل ملک متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ اگر انہوں نے اپنی افزائش نسل کا بل پیش کر دیا تو پھر کیا ہوگا کالیا؟

چونکہ یہ لوگ بہت ہی نازک اندام ہوتے ہیں تو ایک ڈاکٹر یا ڈسپنسری کا بندوبست بھی اٹ دی سپاٹ کرنا ہوگا۔ناچنا اور گانا چونکہ انکے خون میں شامل ہوتا ہے لہٰذا جسطرح کرکٹ کے ہر چوکے چھکے پر تالیاں اور بھنگڑے ڈلتے ہیں بلکل اسی طرح اسمبلی میں انہوں نے ہر اچھی بری بات یا بِل پاس ہونے پر ناچ گانا شروع کر دینا ہے۔ابھی تو ان بیچاروں یا بیچاریوں کے صرف نام نادرا میں درج ہو رہے ہیں تو انہوں نے بھنگڑے پائے ہوئے ہیں۔جب اسمبلی میں ہوں گی یا گے تو پھر کیا ہوگا؟۔ویسے تو کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ موجودہ اسمبلیوں میں بھی انکی کمی نہیں؟؟۔اور ہاں اگر کسی نے انہیں اسمبلی میں چھیڑ دیا تو بھی مسئلہ کہ یہ چھڑتے بہت جلد ہیں اور پھڈے بھی بہت کرتے ہیں اگرچہ ہوتے بے ضرر ہیں۔تاہم ابھی پچھلے دنوں انہوں نے اپنا ہی ایک بندہ صرف اس لیے پھڑکا دیا تھا کہ وہ ناچ گانے میں ملنے والے پیسوں میں ہیرا پھیری کرتا تھا۔اسکے علاوہ انہوں نے باپ کے خانے میں باپ کا نام یا گرو جی کے نام کا پھڈا بھی ڈالا ہوا تھا اور اس چکر میں ان بیچاروں کا اچھا خاصا پھڈا ہوا۔آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا!۔ایک خبر کے مطابق پنجاب کے ایک علاقے میں پولیس والوں نے کچھ خواجہ سراؤں کو ننگ دھڑنگ کرکے مرغا بنائے رکھا۔اگر انہوں نے ان پولیس والوں سے انتقام لینے کا بل پاس کر والیا تو سوچیں ننگ دھڑنگ پولیس والے مرغا بنے کیسے لگیں گے؟؟ پھر جناب! جب اسمبلی

میں انکے بولنے کی باری آئے گی تو پہلے انہوں نے لپ اسٹک ٹھیک کرنی ہے، پھر بال سنوارے جائیں گے، پھر کولھے مٹکائے جائیں گے، پھر ہل ہل کر منہ میں انگلی داب کر جب تک یہ مائک تک پہنچیں گے تو انکا ٹائم پورا ہو چکا ہوگا۔ کیسا۔

اگر انہیں وزیر بنا دیا جائے: اگر اتفاق سے کسی تیسری جنس کو وزیر بنا دیا جائے تو اسکا تو ٹیکا ہی الگ ہوگا۔ فرض کریں کہ یہ وزیر بن کر مذاکرات امریکہ بہادر سے کر رہے ہوں تو یہ کچھ یوں فرمائیں گے، گی: ہائے ہائے ابے کلو پہلے ڈرون حملے بند کرا پھر آنا۔ ہائے ہائے گورے چکنے پہلے امداد بحال کرو نا ہیں تو میں تو سے نا ہیں بولوں۔ اگر یہ کبھی غصہ میں آجائیں تو کہیں پیار سے کسی کو ہلکی سی چپیڑ بھی نہ لگادیں۔ اسی طرح اگر پڑوسی ملک سے مذاکرات کرنے پڑے تو انکا پہلا سوال یہی ہوگا کہ پہلے پہلے پہلگام میں ہمارے جاننے والوں سے ملاقات کا اہتمام کیا جائے۔ کشمیر کو آزاد کریں یا مادھوری دے دیں، یا قطرینہ کیف یا کرینہ کپور یا راکھی ساونت دے دیں تاکہ ان سے ڈانس ہی سیکھ لیں۔ ویسے وہاں کے تیسری جنس والے ان سے زیادہ تگڑے ہیں اور اگر انہوں نے بھی ایسا ہی وزیر بنا دیا تو پھر کیسا ہوگا مذاکرت کا انجام، سوچیں ذرا؟ ایک تحقیق کے بعد عورت کے بارے میں کہہ دیا گیا ہے کہ جی یہ معمہ ہے نہ سمجھنے اور نہ سمجھانے کا، اس جنس کے بارے میں کیا کہا جائیگا کہ جو

بیچارے نہ عورتوں میں نہ آدمیوں میں ؟؟کچھ سروے انکے بارے میں بھی ہو جائے
!اے چارہ گراں

تو جناب ! میری اس تیسری قوم سے گزارش ہے کہ اپنے آپ کو اسمبلیوں میں لانے سے پہلے ان اسمبلیوں کی کار کردگی تو ملاحظہ فرمایئے کہ دن رات اٹھارہ کروڑ عوام انہیں کوسنے دیتی ، لعن طعن کرتی ہے اور تمام ممنوعہ گالیاں جن کے دینے سے تین دن تک زبان گندی رہتی ہے وہ بھی دیتی ہے۔ یہ تو روزانہ اسلام آباد میں کالے بکروں کے صدقے کے طفیل بچے ہوئے ہیں، ورنہ کب کے کیں ہو چکے ہوتے۔ تو کیا آپ بھی اپنے آپکو یونہی کوسوانا ، لعن طعن کروانا اور ممنوعہ گالیاں دلوانا چاہتے ہیں؟ اگر ہاں ! تو پھر ! ٹھیک ہے کیجئے بسم اللہ اور آیئے اسمبلیوں میں جونکوں کی طرح ہمارے خون چوسنے کو

امریکی فوجی ڈیمپر کیوں باندھتے ہیں؟

ایک خبر کے مطابق افغانستان کو تباہ و برباد کرنے میں مصروف امریکی و نیٹو فوجی ڈیمپر استعمال کرتے ہیں۔ ہاں بھئی ! پہلے ہم بھی آپ ہی طرح چونکے اور پریشان ہوئے تھے کہ ڈیمپر اور فوجی ؟؟ جبکہ یہ ڈیمپر تو بچوں کا انتخابی نشان ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ فوجی ہوتے ہوئے ڈیمپر کا کیا کام ؟؟۔ تو بھئی جیسے کسی کا خوف سے تراہ نکلتا ہے اسی طرح امریکی فوجیوں کا بھی افغانستان میں طالبان کو دیکھ کر شاید تراہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور ؟؟ بھی نکل جاتا ہوگا، جسکی وجہ سے انہیں یہ ڈیمپر استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی یہ لوگ واش روم سے شرم سی کرتے ہیں کہ فراغت کے بعد دھونے دھانے کے چکر میں نہیں پڑتے، بس یونہی ٹشوپیپر سے پونچھ پانچھ کر کام چلا لیتے ہیں یا پھر جو کرنا ہو ڈیمپر میں ہی کر کرا کے فارغ۔ ویسے یار ! ہم تو امریکی فوجیوں کو بہت شیر بہادر سمجھتے تھے پر یہ بھاڑے کے ٹٹو تو صرف ٹٹو اور لٹو نکلے اور اتنے کمزور کہ انکی وہ؟ بھی ڈیمپر میں ہی نکل جاتی ہے۔ نیٹو سپلائی میں خلل آنے سے ابھی تو صرف انکے فوجیوں کی بات منظر عام پر آئی ہے، انکے ہاں تو پتہ نہیں اور کون کون سے لوگ خوف سے یہ چیز پہنتے ہونگے ؟ ویسے اگر یہ ڈیمپر صرف طالبان کے خوف اور تراہ نکلنے کی وجہ سے پہنتے ہیں تو اسکا مطلب کہ ہر خوف زدہ کرنے والی چیز

کے پاس جانے سے پہلے بندہ ڈیمپر باندھ لے تاکہ اگر کچھ نکلنے کا ڈر ہو تو اسی میں سما جائے۔

ویسے مجھے لگتا ہے کہ امریکی قوم سدا سے ہے ہی ڈرپوک ۔ افغانستان میں طالبان کے خوف سے ڈیمپر باندھتے ہیں۔ ایک بار اسامہ کے امریکہ پر ممکنہ حملے کے خوف سے راشن جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایک بار صدام کے حملے کے خوف سے ماسک پہننے شروع کر دیے تھے۔ اب اپنے مخالفین کو خود جا کر نہیں مارتے کہ خود مرنے کا خوف رہتا ہے لہٰذا ڈرون اٹیک کروا دیتے ہیں۔ اکیلے اسامہ کا اتنا خوف تھا کہ پوری ایک بٹالین بمعہ اسٹیلتھ ہیلی کاپٹر ایبٹ آباد میں اتار دی۔ یہ خوف آپریشن کے دوران مانیٹرنگ کرتے بھی انکے بڑوں کے چہروں پر عیاں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسوقت بھی انہوں نے ؟ باندھ رکھے ہوں اور پھر اسلامی بم کا خوف تو انہیں ویسے ہی کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا کہ کب پاکستان یا ایران کی ایٹمی تنصیبات تباہ کر دیں۔ لگتا ہے کہ انکے بڑے تو اسلامی بم کے خوف سے چوبیس گھنٹے حالتِ ڈیمپر میں رہتے ہونگے۔ ویسے اتنے دور سے ڈیمپر منگوانے کی بجائے پاکستان کو چاہیے کہ ڈیمپر سپلائی کا آرڈر خود لے لے۔ تاکہ یہاں کے لوگوں کی دال روٹی چلتی رہے۔ تاہم وہ ایسا کریں گے نہیں کہ ہر دم انہیں پھر یہ خوف لگا رہیگا کہ کہیں ڈیمپر میں بھی پاکستانیوں نے کہیں بم نہ سی دیا ہو!

تو جناب ! خوف تو خوف ہوتا ہے چاہے وہ اسلامی بم کا ہو یا پھر شادی بیاہ پر چھوڑے جانے والے شرلی بم کا۔ ویسے اگر کبھی کسی پیمپر میں بم رکھ کر کسی امریکی فوجی کو پہنا دیا جائے اور وہ پھٹ جائے تو سوچیں کیسا ہو گا وہ سین پاٹ ؟؟ اسکے علاوہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ محاذِ جنگ پر حملوں کی شدت کی وجہ سے کئی کئی روز یہ بیچارے قسمت کے مارے پیمپر تبدیل ہی نہ کر پاتے ہونگے ، تو سوچیے کہ تین روز کا مال گودام اگر ایک پیمپر میں جمع ہو جائے تو ان بیچاروں کے ساتھ کیا ہوتا ہوگا؟؟ ہائے ہائے چھی چھی۔۔۔۔۔ چھڈیں جی ہم کیوں اپنا کھانا پینا حرام کریں، پیمپر باندھتے ہیں تو باندھتے رہیں۔ ساڈے کیڑھا گھروں جا ریا اے !

ارے ہاں ! یاد آیا کہ پیمپر تو بڑے بزرگ اور بڑے مریض بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کی تو چلو مجبوری ہے پر ان ہٹوں کٹوں کی کیا مجبوری کہ صرف خوف سے پیمپر چڑھا لیا۔ اگر اتنا ہی خوف ہوتا ہے تو پھر فوج میں کیوں آتے اور ٹریننگوں پر اربوں ڈالر کیوں ضائع کرواتے ہیں ؟۔ اگر پیمپر باندھ کر ہی ڈرپوک فوجی بھیجنے ہیں تو عام آدمی ہی کیوں نہ بھیج دیے جائیں۔ عراق کی ابو غریب جیل کے ہٹلری مظالم کی تصاویر تو آپ سب نے ہی دیکھی ہونگی جسمیں یہ ٹٹو فوجی بیچارے معصوم نہتے عراقیوں پر پیشاب تک کرتے دکھائے گئے تھے تو

جناب کیا وہاں پیمپر ختم ہو گئے تھے ؟؟ یا پھر نہتے لوگوں کا بھی اتنا خوف تھا کہ انکے سامنے فوجیوں کا پیشاب ایسا نکلتا تھا کہ انہں واش روم جانے کی بھی ہمت نہ ہو تی تھی ؟؟۔ واہ رے خوف۔

ہمارے للو میاں بیچارے بھی کئی بار اس پیمپر کے چکر میں گھن چکر ہوئے کہ انکی بیگم نے چھوٹے منے کے لیے پیمپر لانے کو کہا، پر ناٹ گئے کہ کیوں خرچہ بڑھواتی ہو، سمال سائز پیمپر بھی بیس روپے کا ہے۔ پر بیگم نہ مانی کہ انہیں بھی اسی میں آسانی رہتی ہے کہ صبح ایک پیمپر لگا دیا اور بس چھٹی۔ سارا دن ٹی وی میں گھسی رہی۔ بچہ سارا دن پوٹی پیشی کر کر کے تھیلا سا ہر وقت ساتھ لٹکائے پھرتا رہتا ہے۔ تو جناب للو میاں کی بیگم نے ارشاد فرمایا کہ میاں جی ! سردیوں کا موسم ہے بچے کو رات کو گیلا رہنے سے ٹھنڈ لگنے سے نمونیہ ہو گیا تو ہزاروں لگ جائیں گے ، لہٰذا پیمپر اشد ضروری ہے۔ للو میاں نے آئیڈیا دیا کہ میرے پرانے کپڑے پھاڑ کر باندھ دیا کرو، پر بیگم پھر نہ مانی کہ اس سے بچے کی نازک سکن پر ریش ہو جاتے ہیں۔ للو میاں نے پھر مشورہ دیا کہ کپڑے کے اندر تھوڑتی سی روئی رکھ کر اوپر سے پرانا ناڑا باندھ دیا کرو۔ پر بیگم پھر نہ مانیں۔ للو میاں نے آخری تنبیہ کرکے بچت کی کوشش کی کہ بیگم جدید تحقیق کے مطابق پیمپر بچوں کی بڑھوتری میں نقصان دیتے ہیں لہٰذا پیمپر کی جگہ خالی جانگیا یا نیکر پہناؤ۔ بیگم پھر ناک چڑھا کر بولیں

کہ ڈیمپر نہ لگاؤں تو منے میاں سارے جانگیے ایک گھنٹے میں ہی پیشی پوٹی میں خراب کر دینگے، سردی کا موسم ہے کہاں سے دھوؤں اور سوکھاؤں گی۔ اوپر سے سرف اور صابن کا خرچہ بھی زیادہ ہوگا اور بچت اسی میں ہے کہ ڈیمپر لادیں۔ یوں اکنامیکل بینیفٹ دیکھتے ہوئے مجبوراً للو میاں کو بھی ڈیمپر پر اگری ہونا پڑا۔

لو جناب! للو میاں پہنچے بازار ڈیمپر لینے کو۔ دکاندار نے پوچھا کہ کس سائز کا ڈیمپر؟ بوجوہ الزائمر یعنی بھولنے کی بیماری بیچارے بتا نہ پائے کہ کونسے سائز کا ڈیمپر یا ہیمپر لینا ہے۔ دکاندار نے گفٹ ہیمپر تھمادیے اور للو میاں بھی خوش خوش گفٹ ہیمپر گھر لے آئے۔ بیگم نے گفٹ ہیمپر دیکھ کر پہلے اپنا سر پیٹا پھر للو میاں کو پیٹا اور واپس بازار کی طرف منہ کرکے دھکا دے دیا۔ موصوف پھر ڈیمپر ڈیمپر یاد کرتے بازار پہنچے تو پھر بھول گئے کہ کیا لینا تھا اور اس بار ڈیمپر کے بجائے پیپر، گفٹ پیک کرنے والا لیکر گھر پہنچ گئے۔ للو میاں کی بیگم نے پھر اپنا سر پیٹا اور پھر واپس بازار کی طرف منہ کرکے کک ماردی۔ پر اس بار تھوڑی سی عقلمندی کی کہ ایک کاغذ پر لکھ دیا ڈیمپر۔ تاہم ڈیمپر کا سائز نہ لکھا اور میاں صاحب اب کی دفعہ سال کے بجائے ایکسٹرا لارج سائز کا ڈیمپر لے آئے۔ بیگم نے الٹے پاؤں پھر واپس دوڑا دیا کہ بدلوا کر آؤ ۔ بدلوانے پہنچے تو دکاندار نے ڈیمپر واپس لینے سے

انکار کر دیا کہ آپ یہ میلا کر کے لائے ہیں، لہٰذا واپس نہیں ہوگا۔ دوبارہ بیگم کے پاس پہنچے، بیگم نے پھر بازار دوڑا دیا۔ یوں بیچارے سارا دن اسی کام کے پیچھے لگے گھن چکر بنے رہے۔ پر نہ بیگم کا دماغ تبدیل ہوا اور نہ پیمپر۔ بیگم نے بھی بدلہ لینے کی ٹھانی اور بڑا پیمپر لگا کر منے کو للو میاں کے حوالے کر دیا اور تاکید کر دی کو گود سے نہ اترے، ورنہ۔۔۔ دو گھنٹے بعد ہی بڑے سائز کا پیمپر ہونے کہ وجہ سے منے میاں کا نکلا تمام مال گودام للو میاں کے کپڑوں پر ملتانی اور سندھی کڑھائی کے خوبصورت نقش و نگار بنا رہا تھا۔ بیگم نے حالت زار دیکھی تو للو میاں کو فوراً آرڈر جاری کیے کہ خود کو بھی خود دھوئیے اور بچے کو بھی خود دھوئیے تاکہ آپکو پتہ چلے کہ مائیں سارا دن بچوں کو کیسے سنبھالتی ہیں؟۔ پھر چاروناچار للو میاں کو یہ کام بھی کرنا پڑا۔

خیر جناب مذکورہ بالا پیرا تو بس ایویں ہی لکھ دیا۔ پر آپ لوگ یہ دیکھیے کہ دنیا بھر کو تڑیاں لگانے والا امریکہ اور امریکی اصل میں اندر سے کتنے خوف زدہ رہتے ہیں؟؟ کہ ہر کوئی پیمپر باندھے پھرتا ہے۔ ان سے تو ہم اچھے کہ بلا خوف و خطر آئے روز بموں کی آتش نمرود میں پیمپر تو کجا بعض دفعہ تو بغیر شلوار بھی کودے رہتے ہیں۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق امریکیوں کی اکثریت نے اپنی فوجوں کی افغان جنگ میں موجودگی کو بے فائدہ قرار دیا ہے، پر یہ

پھر بھی ٹکی ہوئے چلے ہیں۔ لہٰذا میرے پیارے ہم وطنو! امریکہ سے ڈرنے ورنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اپنا کام یونہی جاری و ساری رکھو۔اب آپ پوچھیں گے کہ کونسا کام؟ تو یہ آپ سمجھوں کو خود پتہ ہونا چاہیے۔؟؟

موبائل فون کے فوائد اور نقصانات

سائنس کی ترقی کی بدولت انسان چاند سے آگے جانے کی سوچ رہا ہے اور کہتے ہیں کہ اس صدی کے آخر تک سائنس اتنی ترقی کر جائیگی کہ بیماری لیس انسان پیدا ہونے ممکن ہو جائیں گے۔ اس ترقی کی وجہ سے ایجاد ہوئی کچھ دیگر خرافات کی طرح ایک ایجاد موبائل فون بھی ہے جسے کہ گوروں نے اسلیے ایجاد کیا تھا کہ انکی گوری میم اگر کبھی غلطی سے کسی دوسرے کے ساتھ ادھر ادھر کھانے پینے چلی جائے تو اسکی ویئر اباؤٹ یعنی اسکی صحیح جگہ پتہ چلائی جاسکے اور اس سے رابطے میں رہا جاسکے۔ تاہم ہر چیز کے غلط استعمال کے ریکارڈ قائم کرنے والی پاکستانی قوم نے موجودہ موبائل فون کا بھی وہ حشر کیا ہے کہ اس کا ایجاد کردہ قبر میں بھی بے چین ہوتا ہوگا کہ یہ میں نے کیا بنا دیا؟۔

اب موبائل فون کا حال یہ ہے کہ گدھاگاڑی والا ایک ہاتھ سے کھوتا چلا رہا ہوتا ہے اور دوسرے میں موبائل پکڑے اپنی جورو؟؟۔ سے باتیں کر رہا ہوتا ہے اور تو اور دودھ پیتا بچہ بھی موبائل فون کی رنگ ٹون سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے!۔

موبائل فون دراصل اس لیے ایجاد ہوا تھا کہ ایمرجنسی میں کسی بھی شخص سے کہیں بھی رابطے میں رہا جاسکے۔ تاہم ہم پاکستانیوں نے اسے اب چوبیس گھنٹے

کی ایمرجنسی بنا دیا ہے اور ہر وقت اسے فرشتے کی طرح ساتھ لیے گھومتے ہیں۔ اب یہ موبائل فون سات ماہ سے لیکر ستر سال کے ہر مرد عورت اور تیسری جنس کی اتنی شدید ضرورت بن گئی ہے کہ اسکے بغیر انسان لیٹرین میں بھی نہیں جاسکتا۔ پہلے پہل فکس فون ہوتا تھا بوتڈی کرنے والا بھی شرم کرتا تھا اور تمیز کے دائرے میں رہ کر اپنی ؟؟ سے ادھر ادھر بات کرتا تھا۔ یا پھر جان بوجھ کر کبھی کبھی رانگ نمبر ملا کر لوگ ادھر ادھر چھیڑ خانی کر لیا کرتے تھے۔ یا پھر اکثر ایک فون میں کئی کئی لوگ وائر لیس کی طرح آن لائن ہو جاتے تھے اور وہیں گپ شپ ہو جاتی تھی۔ پہلے زمانے میں سی ایل آئی کی سہولت نہیں تھی لہٰذا پکڑے جانے کا بھی ڈر نہیں ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد کارڈلیس فون آیا تو عاشقوں کو کچھ آسانی ہوئی کہ گھر یا گلی کے کونوں کھدروں میں مچھر کی طرح چھپ کر گپ شپ کر لیا کرتے تھے۔ پھر ایک اور کارڈلیس آیا جسکی رینج ہی چالیس میل تھی، لوگوں کو اور آسانی ہوئی۔ تاہم موجودہ اٹھنی برابر موبائل فون نے تو ان بیچاروں کی تمام مشکلات ہی آسان کر دیں۔ اب یہ بیچارے بھائی لوگ، بیچارے اس لیے کہ انہیں کھانے پینے اور پہننے کا بھی ہوش نہیں ہوتا۔ آدھی شرٹ اندر، آدھی باہر، بال بکھرے سے کہ نیا اسٹائل ہے، بازو میں گانے کی طرح کا ایک دھاگہ، گاڑیوں کی نمبر پلیٹ کی طرح کی بیلٹ، نوکدار جوتے، ہر وقت کانوں میں موبائل فون کی ٹونٹیاں لگائے گفت و شنید میں مصروف پائے جاتے ہیں یا ٹھکا ٹھک میسجنگ ہو رہی ہوتی ہے۔ چھوٹا سا آلہ ہے رات کو لیکر بستر

میں گھس جاؤ، رات بھر چیٹ شیٹ یا پھر بات شات۔ اس فون کا لوڈ لینے میں اب اتنی آسانی ہو چلی ہے کہ اب چاہے پرچون والا ہو، دودھ والا ہو، پان والا ہو، کپڑے والا ہو، کتابوں والا ہو، فوٹو کاپی والا ہو، سبزی والا ہو، جوس والا ہو، پارلر والی ہو چاہے نائی ہو ہر کسی نے باہر ایک چھوٹا سا کھو کھا لینری لوڈ اور موبائل کا ضرور رکھا ہوا ہوتا ہے تاکہ کسی بھی راہ چلتے کو لوڈ ہونے میں پریشانی نہ ہو۔

اگر ہم اسکے فوائد اور نقصانات کی بات کریں تو ایک کتاب بن جائے۔ تاہم مختصراً پہلے اسکے فوائد جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ موبائل فون نے لوگوں کو ایک دوسرے کی شہ رگ کی طرح قریب کر دیا ہے۔ عاشقوں کے لیے آسانی ہو چلی ہے۔ نقل کرنے میں آسانی، لڑکی ڈھونڈنے میں آسانی، پولیس بلانے میں آسانی۔ گدھا گاڑی والے کو بلانا ہو، رکشے ٹیکسی والے کو بلانا ہو، گٹر کھلوانے کے لیے جمعدار بلوانا ہو، گوشت سبزی منگانی ہو، لڑکی پٹانی ہو، آٹا پسوانا ہو، بکرے کا گھاس منگوانا ہو، دودھ دہی، حتی کہ ماچس تک بھی فون پر منگائی جا سکتی ہے۔ ہمارے ایک جاننے والے جنہیں لیٹرین میں سگریٹ پینے کی عادت ہے کہ اسکے بغیر فراغت نہیں ہوتی۔ ایک روز اتفاق سے انکی سگریٹ لیٹرین میں بجھ گئی، گھر میں دوسری ماچس بھی نہ تھی، بڑے پریشان ہوئے۔ پھر فوراً ہی سائڈ پاکٹ سے موبائل فون نکالا اور بلڈنگ کے نیچے پرچون والے کو ماچس کا آرڈر دے کر ہوم

ڈیلیوری ماچس گھر منگالی۔ دوبارہ سگریٹ سلگائی اور اپنا کام مکمل کر لیا۔ آجکل کے بچے بھی بڑے وہ ہیں؟؟ جس بچے کو بہلانا ہو موبائل میں گیم یا رنگ ٹون لگا کر ہاتھ میں تھما دیں بچہ خوش، میاں بیوی بھی خوش خوش اپنا کام کیے جائیں؟ اسکے علاوہ دور دراز کے عزیز و اقارب بھی فون پر بھگت جاتے ہیں اور جانے کا خرچہ بچ جاتا ہے۔

اگر ہم نقصانات کی بات کریں تو: آجکل چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس لت میں پڑ کر برباد ہو رہے ہیں۔ اغیار نے ہمیں پہلے نشے پر لگایا، پھر اسلحہ اور فحش فلمیں آئیں اور اب موبائل فون۔ کسی کی ضرورت ہو نہ ہو، رکھنا ضرور ہے۔ فضول کا خرچ میں اضافہ ہے۔ ہماری مرحومہ نانی ہمیں سگریٹ پھوکتے دیکھ کر کہتی تھی کہ: جتنے کی تم سگریٹ جلاتے ہو اتنے کا دودھ پی لیا کرو۔ ہم کہتے تھے کہ اماں جی کیا دودھ میں سگریٹ کا مزہ ہے؟؟ اسی طرح اگر کسی کو کہو کہ موبائل پر خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ تم ان روپوں کے سیب کھا لیا کرو تاکہ تم سنگل پسلی سے کچھ جان پکڑ لو۔ تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ کیا سیب میں موبائل والی لڑکی کا مزہ ہے؟ اب حال یہ ہے کہ ایک گھر کا اتنا کھانے پینے کا خرچہ نہیں جتنا کہ اس موبائل فون کا ہے۔ ایک گھر میں اگر چھ آدمی ہیں تو چھ موبائل، ہر بندہ پچاس روپے کا بیلنس روز خرچ کرے تو بن گئے تین سو روپے۔ اگر پچاس روپے کے ڈھائی کلو آلو پکائے جائیں تو پورا گھر تین ٹائم روٹی

کھائے، کیا خیال ہے آپکا؟؟اسکے علاوہ چارجنگ کے لیے بجلی علیحدہ خرچ ہوتی ہے۔ مزید نقصان کی بات کریں تو کئی بے چارے فون پر لڑکی پھانسنے کے چکر میں ایسے گھن چکر ہوئے کہ جان سے ہی چلے گئے۔ ہمارے ایک واقف کار تو فون پر کان لگانے کے اتنے عادی ہوچلے کہ بات کرنی ہو چاہے نہ، فون انکے کان سے سوتے جاگتے ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے۔ اسکول کالج کے طلباء کا یہ حال ہے کہ اسکول کالج جائیں یا آئیں فون انکے کان سے ہر وقت لگا ہے۔ کبھی کسی سے گپ شپ کے لیے تو کبھی گانے وانے سننے کے لیے جسکی وجہ سے انکی پڑھائی کا بہت حرج ہوتا ہے۔اب تو بیگم بھی پھول یا گجرے کے بجائے میاں سے لوڈ کی فرمائش ہی کرتی پائی جاتی ہے، یا پھر چھوٹے منے کو پرچی پر نمبر لکھ کر پرچون والے کو بھجوادیا جاتا ہے کہ جی لوڈ کر دیں۔ اب یہ روز مرہ کے سودا سلف کی طرح ضروری آئیٹم ہوگیا ہے جس سے گھر کے خرچ میں غیر ضروری اضافہ اور میاں بیوی میں پھڈا۔ اب آپکو کسی سے دوستی کرنی ہو، لڑائی کرنی ہو، چھیڑ چھاڑ کرنی ہو تمام کام کے لیے یہ موبائل ہی کام آتا ہے۔ رہی سہی کسر روز مرہ کے آنے والے پر کشش پیکجز نے پوری کر دی ہے کہ تین روپے میں پورا گھنٹہ یا پوری رات لمبی بات، رضائی میں سردیوں کی رات، نہ دیکھی ذات پات بس لگے ہیں دھائم ضائع کرنے میں۔ آجکل خواتین کے لیے بھی سپیشل پیکجز شروع کیے گئے ہیں، یعنی سوپ ڈراموں کی طرح سوپ پیکج۔ ان کے لیے آسانی یوں ہے کہ کپڑوں، چوڑیوں، زیورات سے لیکر کھانے کی ترکیبوں اور سٹار پلس کے ڈراموں پر بھی

سیر حاصل گفتگو صرف دو روپے میں ہو جاتی ہے۔ تاہم گھر کے دیگر کام میں حرج ضرور ہو رہا ہوتا ہے، نتیجہ گھر میں پھڈا۔ اسکے علاوہ بہت سی لڑکیاں اس فون کے چکر میں اجنبی لوگوں کے ہتھے چڑھ کر کہیں کی نہ رہیں اور لڑکے ایسے گھن چکر ہوئے کہ انہیں اور کوئی شغل ہی نہیں سوجھتا، سوائے موبائل کے۔ تو دیکھیے ہیں کتنے نقصانات۔

ایک خبر کے مطابق اسوقت وطنِ عزیز میں بارہ کروڑ کے لگ بھگ موبائل فون استعمال ہو رہے ہیں۔ اگر ایک بندہ دس منٹ روزانہ بات کرنے کی ایوریج بھی لگاؤ تو ایک ارب بیس کروڑ منٹ روز ہوا میں اڑا کر تقریباً ایک ارب روپے ہی روز اس فضول خرچی میں ضائع کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک سروے کے مطابق ہم پاکیستانی ایشیا میں میسج بھیجنے میں پہلے نمبر پر پائے گئے ہیں، چلو شکر کہ کہیں تو پہلا نمبر ملا۔ حال ہی میں پڑوسی ملک ہندوستان میں کیے گئے سروے کے مطابق وہاں لیٹرینیں کم اور موبائل زیادہ ہیں۔ کیسا؟ ہے نہ حیرت کی بات!

آجکل کے موبائل فون مختلف سٹائلش قسم کے ڈیزائنوں میں دستیاب ہیں، کئی ایک تو اتنے چھوٹے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ لونڈی یا لونڈا کسی سے موبائل پر بات کر رہے ہیں یا سامنے آنے جانے والے کو لائن مار رہے ہیں۔ رنگ ٹون کی

طرف جائیں تو ہزار ہا مختلف قسم کی رنگ ٹون دستیاب ہیں۔ پچھلے دنوں ایک ٹی وی پروگرام میں ایک نئی رنگ ٹون سنی کہ جیسے پولیس والے چھترول کرتے ہیں۔ کئی رنگ ٹون ایسی ہیں کہ جیسے کوئی کشتی لڑ رہا ہو، کچھ رنگ ٹون میں اوئے اوئے، بچہ رونے کی آواز، بیگم کی لڑنے کی آواز وغیرہ وغیرہ لگے ہوتے ہیں۔ تصاویر بنائیں، مووی بنائیں انٹرنیٹ چلائیں سب کام اب ایک ہی موبائل میں ڈال دیے گئے ہیں۔کچھ ناہنجار اور خلفشار قسم کے لونڈے پڑوسیوں کے ہاں موبائل لگادیتے ہیں اور لائیو لڑائی جھگڑا اور کشتیاں دیکھتے اور ریکارڈ کرتے پائے جاتے ہیں۔آجکل کا موبائل فون، فون کے ساتھ ساتھ، ٹی وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ریڈیو، وائرلیس فون، پیجر، موم بتی، گھڑی، الارم، کیلکولیٹیر، ٹیپ ریکارڈر، اسٹل کیمرا، مووی کیمرا، واک مین اور نہ جانے کس کس کام آرہا ہے۔ پتہ نہیں آئندہ آنے والے دنوں میں اس سے اور کیا کیا کام لیے جائیں گے۔شاید ایک وقت ایسا آئیگا کہ تمام کمیں ایک ہی فون میں لگیں گی اور ہر فون کی گھنٹی الگ کلر میں بجا کریگی، اور یوں کئی موبائل رکھنے کا مسئلہ بھی حل ہوجائیگا۔ شروع شروع میں موبائل فون بہت ہوی ڈیوٹی ہوتا تھا مستقبل کا موبائل فون صرف دو بٹنوں پر مشتمل ہوگا ایک کان اندر اور دوسرا کالر کے پاس اور بس!

ایک بار سفر میں ایک خاتون سے ٹاکرا ہوا۔ موصوفہ سرتاپا کالے برقعے میں

ایسے لپٹی تھیں کہ ہوا کے گزرنے کا راستہ یعنی روشندان تک نہ تھا۔ لگتا تھا کہ شاید انہیں سڑک بھی ہاتھ پکڑ کر پار کرانی پڑیگی۔ بہت تانک جھانک کی کہیں سے کوئی کلو مل جائے کہ انکی عمر کا اندازہ ہو جائے تاکہ لائن مارنے میں آسانی رہے، پر موصوفہ نے شدید گرمی کے مہینے میں بھی پاؤں میں جرابیں اور ہاتھوں میں دستانے تک چڑھائے ہوئے تھے اور آنکھوں کی جگہ صرف دو بٹن سے نظر آرہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی دینی مدرسے کی طالبہ ہیں اور ابھی ابھی سبق لیکر لوٹی ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد موصوفہ نے پرس سے ایسا شاندار قسم کا چمچماتا موبائل نکالا، ہم ششدر رہ گئے کہ اتنا قیمتی سیٹ تو صرف سوچ ہی ہوگی ہماری۔ اسکے بعد جو موصوفہ ٹھکا ٹھک دے میسج پر میسج شروع ہوئیں، پورے دو گھنٹے کے سفر میں انکا ہاتھ مستقل کسی ٹائپسٹ کی طرح چلتا ہی رہا اور میسج کا تبادلہ ہوتا رہا۔ معلوم نہیں کہ دوسری طرف کونسی جنس تھی جس سے کہ چیٹنگ ہو رہی تھی۔ ہمیں صرف خاتون کے آئی ایکسپریشن نظر آرہے تھے جس سے کہ مخالف جنس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ایک دو بار اٹھکر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی مگر موصوفہ نے خطرہ فوری بھانپتے ہوئے فون سائڈ میں کر لیا۔۔ تھوڑی دیر بعد موصوفہ ایک ٹونٹی سی کان میں ڈالکر بیٹھ گئی، قریب جاکر تھوڑی سی کانا پھونسی کی تو پتہ چلا کہ موصوفہ رمضان کے مہینے میں آنجہانی مائیکل جیکسن کا مشہور گانا۔۔۔۔۔ سن رہی تھیں۔ جس سے یہ کنفرم ہوگیا یہ مدرسے کے درسِ نظامی کی طالبہ نہیں بلکہ منہ سے کبوتر نکالنے والی یا کوئی

کرتب سکھانے والی ہے۔ پھر جناب! ایک گانے کے چکر میں موصوفہ کو جو چھینک آئی تو ہماری تمنا بھی بر آ گئی اور سوہنے مکھڑے کا ایسا دیدار ہوا کہ بس نہ پوچھیں کہ اگلے پورے ایک ہفتہ ہم سوتے میں ڈر ڈر کر اٹھتے رہے اور روٹی بھی بمشکل گلے سے اترتی تھی کہ موصوفہ کا پورا چہرا ہی کیلوں اور مہاسوں سے ایسا بھرپڑا تھا کہ جیسے آسمان تاروں سے۔ پھر ہمیں انکے نام نہاد حسن چھپانے کا راز بھی سمجھ میں آ ہی گیا۔ تاہم آپ لوگ تمام نقاب پوش خواتین کو ایسا مت سمجھیے گا۔

تو جناب! فوائد اور نقصانات تو ہر چیز کے ہوتے ہیں۔ آپ بھی موبائل فون کو صرف ضرورت کے تحت استعمال کریں نہ ہر وقت کان سے لگا کر کان کا کینسر کرا بیٹھیں۔ جدید تحقیق کے مطابق موبائل فون کی ریز سے کینسر کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ موبائل فون کبھی سامنے والی جیب میں دل کے پاس ہر گز نہ رکھیں اور نہ چارجنگ پر لگے فون کو بغیر چارجر کی تار نکالے استعمال کریں۔ ویسے یار دیکھا جائے تو آج سے پہلے بھی تو دنیا والے بغیر موبائل فون کے گزارہ کر ہی رہے تھے۔ تو کیوں نہ ہم بھی اس فضول خرچ آلے سے جلد جان چھڑالیں۔

کیا مرنے کے بعد بھی نادرا کارڈ ضروری ہوگا؟؟

ترقی یافتہ ممالک نے اپنی عوام کی سہولت کے لیے آئی ڈی کارڈ سسٹم شروع کیا اور وہ اپنے ملک کے کسی بھی کونے میں جائیں صرف کارڈ دکھائیں اور دل کی مراد پائیں۔ ہمارے ہاں بھی پاکستانیوں کو صرف کارڈ کے لیے ترقی یافتہ اقوام میں شامل کرنے کے لیے نادرا (اداکارہ نہیں) نے یہ کام شروع کیا اور ایسا شروع کیا کہ تازندگی کبھی ختم نہ ہوگا۔جب تلک آپ کی جان میں جان ہے آپکو اس محکمے سے واسطہ پیندا رہیگا کہ ہر آٹھ دس سال بعد کبھی آپکا کارڈ ختم تو کبھی بیگم کا، کبھی بیٹے کا تو کبھی بیٹی کا۔ کبھی کسی نئے مہمان کا اندراج یعنی ب فارم تو کبھی پاسپورٹ کے لیے ضروری کاغذات۔ پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد بھی بندے کو پہلے نادرا کے دفتر نہ لیجانا پڑجائے کہ فوتگی کی انٹری کرائی ، تصویر بنوائی، انگلیوں کے نشانات اور مرحوم کا متعلقہ ڈیٹا بنفسِ نفیس نہ اینٹر کرانا ہوتب کہیں جاکر محکمہ داخلہ کا دفنانے کا اجازت نامہ ملیگا اور وہ بھی اسلام آباد سے۔ مردہ بیچارہ ورثاء کو کوس رہا ہوگا کہ یار جلدی دفناؤ، حوریں انتظار کر رہی ہیں۔ ویسے ہم پاکستانیوں کی قسمت میں تو شاید لائن میں لگنا ہمیشہ کے لیے لکھ

دیا گیا ہے۔ کبھی یوٹیلٹی بلوں کے لیے لائن ، کبھی آٹا، گھی، چینی کے لیے لائن۔ کبھی سی این جی گیس کے لیے لائن تو کبھی ڈومیسائل کے لیے لائن ۔اور اب اس نئے شناختی کارڈ اور ب فارم کے حصول کے لیے گھنٹوں لمبی لائن دیکھ کر لگتا ہے جیسے رمضان میں آٹا فری مل رہا ہو۔جو لوگ اس پل صراط سے گزر کر یہ اشیائِ ضروریہ حاصل کر چکے ہیں تو سمجھیے کہ انہوں نے محمد بن قاسم کی طرح واقعی ایک اور دیبل فتح کر لیا ہے یا پھر ایسا ہی ہے جیسے کہ وینا ملک یا قطرینہ کیف سے ملاقات ہو جائے ۔آجکل کوئی بھی سرکاری کام ہو، نوکری کی تلاش ہو، ریلوے کی بکنگ کرانی ہو، ڈاکخانے میں کام ہو یا بچوں کا داخلہ ہو، شناخت کے لیے ہر جگہ ہر وقت نادرا شناختی کارڈ اور ب فارم کا ہونا لازمی قرار پایا ہے۔یوں لگتا ہے کہ آئندہ دنوں میں تو انکے بغیر اپنے گھر میں بھی داخلہ ممنوع ہو جائیگا کہ بیگم دروازے پے آکر پہلے نادرا کا آئی ڈی کارڈ پوچھے گی اور پھر دروازہ کھلیگا۔ اسکے علاوہ اس گوہرِ نایاب کو ہر وقت جیب میں رکھنا ہوگا کہ پرچون والا، دودھ والا اور سبزی گوشت والا بھی اسکے بغیر سامان نہ دیا کریگا۔ یا پھر ہر بندہ سینے پر سامنے آویزاں کیے ہوگا کہ پتہ نہیں کب کوئی پولیس والا ہی نہ پوچھ لے ؟ اور تو اور اب نکاح کے لیے بھی اس گوہرِ نایاب کا ہونا ضروری قرار پایا ہے کہ اسکے بغیر نکاح نامہ بھی ویری فائی نہیں ہوتا۔ آپ بھی یہ شے جلد حاصل کرلیں کہ کہیں دلہن صرف اسلیے روانگی سے نہ رہ جائے کہ نادرا کا کارڈ نہیں تھا۔ یاد رہے کہ وہاں صرف پرچی

سے کام نہیں چلتا۔ ویسے بہتر تو یہ ہے کہ شادی طے کرنے سے پہلے ہی لڑکی اور لڑکے کا یہ کام کرا لیا جائے ورنہ افٹر میرج مشکلات بہت بری ہوتی ہیں اور آنے والے وقت میں ان نوادرات کا حصول اتنا مشکل ہو جائیگا کہ جیسے میرا پتی ہونا۔

نادرا کے دفاتر میں عملے کا رویہ عوام کے ساتھ بے حد ہتک آمیز ہوتا ہے ایسا لگتا ہے کہ شاید سرکار انہیں چائے وغیرہ نہیں دیتی یا پھر یہ لوگ گھر سے لڑ کر آتے ہیں کہ ہر عزت دار بندہ ڈرتا رہتا ہے کہ پتہ نہیں کس کاؤنٹر پر اسکی پینٹ اتر جائے یا کم از کم ڈھیلی تو ہو ہی جاتی ہے۔

ایک خبر کے مطابق چیف جسٹس صاحب کے حکم پر ہماری تیسری جنس یعنی خواجہ سراؤں کو نادرا میں نوکری دی جارہی ہے۔ ہم سوچ میں پڑ گئے کہ خواجہ سرا کو صرف نادرا میں ہی نوکری کیوں؟ تو بعد میں پتہ چلا کہ انتظار کی زحمت اچھی گزارنے کے لیے ان بیچاروں کو اس محکمے میں کھپایا گیا ہے۔ ہمارے ایک دوست کو ان بے چارے خواجہ سراؤں سے دوستی اور بات کرنے کا جنون کی حد تک شوق ہے اور وہ ہر ماہ اپنا کارڈ گمشدہ ظاہر کرکے صرف ان خاص بندوں سے ملنے کو نادرا کے دفتر پہنچ جاتے ہیں اور گھنٹوں جان بوجھ کر لائن میں لگے ان کو دیکھتے اور مزے لیتے رہتے ہیں۔ خیر تفنن بر طرف، یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ

اس جنس میں بہت اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور شاید کراچی ، لاہور ، اسلام آباد میں باقاعدہ کام بھی کر رہے ہیں یا رہی ہیں۔

اگرچہ ہمیں خواجہ سراؤں کے نادرا میں ہونے پر خوشی ہے، تاہم پریشانی بھی ہے کہ مثال کے طور پر آپ نادرا کے دفتر گئے اور خواجہ سرا کو بتایا کہ آپ کے ہاں لڑکا ہوا ہے ب فارم بنادیں۔ یہ سنتے ہی سب سے پہلے تو وہ اٹھ کر ڈانس کرنا شروع کر دیگا اور پورا نادارا کا عملہ اور دیگر موجودہ افراد کو بھی پتہ چل یگا کہ آپ کے گھر لڑکا جما ہے۔ آپ اسے تصحیح کریں گے کہ لڑکا میرے نہیں جما بلکہ میری بیوی کے ہاں جما ہے تو وہ دوبارہ پوچھے گا کہ ہائے ہائے، ہے تو آپکا ہی نہ ؟ آپ پھر ہاں میں سر ہلائیں گے۔ پھر وہ آپسے مٹھائی کے پیسوں کا تقاضا کر بیٹھے گا اور آپکو دینے پڑیں گے اور پھر شام کو اپنے دیگر حواریوں کے ساتھ باجماعت آپکے گھر آن دھمکے گا۔ پھر آپکی لاکھ چھپانے کی کوشش کے باوجود یہ بات پورے محلے میں پھیل جائیگی کہ آپکے ہاں لڑکا جما ہے۔ جیسے لڑکا نہیں بلکہ دہی جم گیا ہو۔ یوں آپ کو پورے محلے میں بھی مٹھائی بانٹنا پڑ سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر ان خواجہ سراؤں سے جان بھی کچھ دے دلا کر ہی چھوٹے گی، بغیر لیے دیے انکے مذہب میں ویسے ہی مکروہ ہوتا ہے۔ بقول انکی یا انکے ایک لیڈر الماس بوبی کہ جو کا other بھی مل جائے لے لیتے ہیں۔ پڑوسی ملک ہندوستان میں تو یہ لوگ جنس میں خانہ لکھوانے میں

کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ جنس قرضے وصول کرنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

خیر! ہم بات کر رہے تھے نادرا کی تو اسی طرح مرگت پر بھی لگتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد میت کو دفنانے سے پہلے اسکے آخری فنگر پرنٹ کے لیے نادرا آفس لیجانا لازمی قرار پائیگا۔ یوں میت بس پہلے نادرا آفس پھر قبرستان جائیگی یا پھر کہیں نادرا کا ایک سائٹ آفس ہر قبرستان کے باہر ہی نہ بنانا پڑ جائے۔ اسکے علاوہ اگر کسی خاتون کو آخری تصویر یا فنگر پرنٹ کے لیے نادرا آفس لیجایا گیا تو کہیں وہ اٹھ کر نہ بیٹھ جائے کہ پہلے مجھے میک اپ کرنے دیا جائے۔ یوں سارے کندھا دینے والے بیچارے انتظار میں سوکھ ہی نہ جائیں اور شوہر بیچارہ جو پتہ نہیں کب سے بیگم کے مرحومہ ہونے کی دعا کر رہا ہوتا ہے، وہ بھی شک میں پڑ جائیگا اور پھر بیگم کے دوبارہ زندہ ہونے پر کچھ بھی ہو سکتا ہے؟ ہمارے للو میاں کے کارنامے تو آپ اکثر کالموں میں پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ وہ بھی پہنچے ایک روز اپنا شناختی کارڈ ری نیو کرانے۔ نادرا کے دفتر کے باہر رش دیکھ کر پہلے پہل تو وہیں بے ہوش ہو پڑے۔ لوگوں نے پانی شانی مار کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ندارد۔ پھر کسی طرف سے آواز آئی کہ ایسے لوگ جوتے

کے ڈاہ کے ہوتے ہیں یا پھر انکے منہ میں پیپسی ٹپکائیں۔ جوتے والا کام کار آمد رہا اور موصوف فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے انہیں لائن میں کھڑا کر دیا۔ للو میاں نے اپنے سے آگے مردانہ لائن میں لگے بندے گنے تو پورے بتیس تھے۔ جسکا مطلب تھا کہ انکی باری شام تک ہی آئیگی۔ زنانہ لائن پر نظر ڈالی تو وہاں بھی اٹھائیس خواتین لائن میں تھیں۔ نظر بچا کر جو زنانہ لائن میں گھسنے کی کوشش کی تو ایک خرانٹ عورت کے ہتھے چڑھ گئے۔ بس پھر کیا تھا، سب نے ملکر ایسی درگت بنائی جیسے فلمی ہیرو ہیروئن کی عزت بچاتے ولن کی کرتا ہے۔ مرتے کیا نہ کرتے بیچارے زخم سہلاتے دوبارہ مردانہ لائن میں آ کھڑے ہوئے۔ کھڑے کھڑے تھکنے لگے تو کبھی ایک ٹانگ پر دباؤ تو کبھی دوسری پر۔ پھر اچانک انہیں خیال آیا کہ اینٹ کا کوئی ٹوٹا لا کر اسپر بیٹھ جایا جائے۔ لو جناب بیٹھنے کے لیے اینٹ کی تلاش بسیار میں جو نکلے تو گھنٹے بعد واپسی ہوئی۔ اینٹ لیکر لائن میں پہنچے تو لوگ پہلے تو مجنون سمجھ کر ڈر گئے کہ کہیں اینٹ مار کر سر نہ پھاڑ دے۔ پر لوگ سیانے تھے پہچان گئے کہ یہ لائن کے بیچ میں گھسنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے شیم شیم کے نعرے لگانے شروع کر دیے اور پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ ایسے ہی جیسے لوڈو کی گیم میں ننانوے کے ہندسے پر پہنچ کر لوگ نیچے آ جاتے ہیں۔ یوں بیچارے شام تک لائن میں کھڑے رہے پر نمبر نہ آیا اور نامراد گھر واپس لوٹ گئے۔ گھر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس دھکم پیل میں موصوف جیب بھی کٹا بیٹھے ہیں جسکی وجہ سے ظاہر ہے کہ پھر بیگم نے

لتے لیے۔ ساتھ میں آرڈر جاری کیے کہ آپ رات ہی کو جاکر نادرا آفس کے باہر سو جائیں تاکہ صبح آپکا نمبر جلد آجائے۔ یوں بیچارے رات بھر گردن کے نیچے ہاتھ اور کمر کے نیچے آٹے کا خالی گٹو رکھ کر مچھروں سے لڑتے سوتے جاگتے رات گزار کر جب صبح اٹھے تو موصوف کے جوتے غائب تھے۔ خیر ! بیچارے للو میاں ننگے پاؤں جیسے کیسے ٹوکن کاؤنٹر تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ پر یہ کیا کہ جیب میں موجود فیس تو پھر کوئی لے اڑا تھا۔ اس بار نادرا والوں نے للو میاں بیچارے کو خود ہی باہر دھکیل دیا۔ تیسری کوشش میں موصوف پھر رات لائن میں گزار کر پھر کاؤنٹر تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے، تاہم کاؤنٹر والے نے بتایا کہ یہ تیار شدہ شناختی کارڈ لینے کی لائن ہے شناختی کارڈ بنوانے کی نہیں۔ ساتھ ہی درجن بھر لوگوں کے قہقہے لگانے کی آوازیں بھی آئیں اور للو میاں اپنا سا منہ لیکر پھر سے دوسری لائن میں لگ گئے۔ بمشکل تمام چار گھنٹے بعد مطلوبہ کاؤنٹر تک پہنچے تو سامنے کھڑے گارڈ کے موبائل پر کوئی سفارشی گھنٹی بجی اور اسنے للو میاں کو کالر سے پکڑ کر پیچھے دھکیل کر اپنا بندہ آگے کر دیا۔ تاہم تھوڑی دیر بعد یہ بیچارے بھی مطلوبہ کاؤنٹر تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ پھر وہاں سے ٹوکن لیا ور انتظار میں بیٹھ گئے۔ سکرین پر نمبر چلا 66، پر بوجوہ نظر کمزوری اسے الٹا یعنی اپنا 99 سمجھ کر فوٹو والے پاس دوڑ پڑے۔ ان صاحب نے للو میاں کا ٹوکن اور شکل دیکھ کر کچھ بڑبڑ کی اور صرف اتنا ہی کہا کہ بزرگوا بھی انتظار کرو کہ کر واپس موڑ

دیا۔ اسی دوران للو میاں کی ملاقات اتفاق سے اپنے ایک قریبی اور بہت ہی پرانے دوست سے ہو گئی ۔ للو میاں جو حال چال ونڈنے لگے تو انکا نمبر گزر گیا اور انہیں پتہ ہی نہیں چلا اور وہ بیچارے شام تک اپنے نمبر کے آنے کا انتظار ہی کرتے رہے۔ پھر آخر میں آخر کار نادرا والوں نے ترس کھا کر انہیں بلا ہی لیا۔

ٹوکن لینے کے بعد پہلی پیشی فوٹو والے کے پاس تھی۔ موصوف گویا ہوئے کہ جناب فوٹو بنے گا ذرا زلفیں سنوار آؤ سامنے شیشے میں۔ للو میاں شیشے تک گئے اور مسکرا کر واپس آ گئے کہ سنوارتے کیا کہ چندیا پر تھا ہی کچھ نہیں ۔ فوٹو والے نے بیٹھنے کو اسٹول دیا اور بولا کہ انکل منہ ادھر کر کے دیکھو۔ للو میاں نے کئی بار دیکھا پر انہیں کوئی پوز پسند ہی نہ آتا۔ آخر کار تھوڑا سا وینا ملک اسٹائل میں اینگل بنا کر فوٹو چھکوانے میں کامیاب ہو رہے، جس پر فوٹو والا بھی جملہ کسے بغیر نہ رہ سکا کہ وینا ملک کے تو ہاتھ میں بم، بازو پر آئی ایس آئی کا ٹیٹو اور کپڑوں کی جگہ کسی منے کی چڈی تھی پر آپ نے تو ان لوازمات کے بغیر ہی اچھا پوز دے دیا۔ خیر جناب یہ مرحلہ طے کر کے انگلیوں کے نشانات لینے والے کے پاس پہنچے تو ہر بار سکینر ٹوں کی آواز نکال دیتا۔ ان صاحب نے غور سے للو میاں کی انگلیوں کو دیکھا تو بیچارے للو میاں کی انگلیوں اور ہاتھوں کے نشانات.سرتن مانج مانج کر مٹ چکے تھے۔

خیر ان صاحب نے کچھ کھٹے میٹھے انداز میں للو میاں کو دیکھا اور انگلیوں کے فنگر پرنٹ لیکر آگے بڑھا دیا۔ اب جناب باری تھی ڈاٹا اینٹری کی: نام پتے کے بعد ازدواج وغیرہ کا پوچھا گیا تو غلطی سے دو بتا بیٹھے۔ نام پوچھا تو ایک موجودہ والی کا تو بتا دیا پر دوسری کا نہ بتا سکے، ہوتی تو بتاتے نہ۔ بلکہ انٹری کرنے والی لڑکی کو بے ساختگی میں کہہ گئے کہ دوسرا نام تو اپنا ڈال دے۔ موصوفہ ہاتھ چھوڑتے چھوڑتے رہ گئی، شاید معصوم شکل دیکھ کر رحم آگیا۔ پھر جناب سوال کیا گیا تعلیم کے بارے میں تو بولے ایم بی بی ایف یعنی میٹرک بار بار فیل۔ بچوں کی تعداد اور نام میں ہمیشہ بھلیکا کھاتے اور اکثر محلے کے دیگر بچوں کے نام کے ساتھ بھی اپنی ولدیت لگا دیتے تھے اور یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ آس پڑوس کے درجن بھر بچوں کے نام اپنے کھاتے میں لکھوا دیے۔ پھر جناب پروفیشن کا جب پوچھا گیا تو سمجھے کہ فیشن کے بارے پوچھا جا رہا ہے۔ بولے کہ فیشن میں نہیں میری گھر والی کرتی ہیں۔ مکرر ارشاد ہوا کہ فیشن نہیں پروفیشن۔ پر کچھ کرتے تو بتاتے نہ۔ انکا سارا دن تو صرف گھر کے کام کاج میں صرف ہوتا تھا۔ تنگ آ کر بیوی ملازم لکھوا دیا۔ یوں بمشکل تمام یہ مرحلہ بھی مکمل کیا اسکے بعد آخری کاؤنٹر پر کوئی شریف سا آدمی بیٹھا تھا فارم نکال کر ہاتھ میں تھما دیا اور ڈاکٹر کی طرح دو ہفتے بعد دوبارہ آنے کا کہہ دیا اور تاکید کی آنے سے پہلے اسلام آباد کے ٹول فری نمبر پر کال کر کے آئیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر للو میاں بیچارے جب شام

گئے گھر پہنچے تو گھر کے سارا دن کے بچے کھچے کام انکا انتظار کر رہے تھے۔

خیر جناب ! شناختی کارڈ تو آپ نے بنوالیا مگر اب آپ ہر وقت نادرا والوں ، انکم ٹیکس والوں اور حکومت کی جیب میں ہیں کہ وہ جب چاہے آپکا کچا چٹھا معلوم کر سکتے ہیں۔ سنا ہے کہ ایک نئی طرح کی چپ والے کارڈ مارکیٹ میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے جسکی رو سے ہر بندے کے بارے میں ہر وقت پتہ چلتا رہیگا کہ وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ لہٰذا رات کو کبھی یہ کارڈ جیب میں رکھ کر نہ سوئیں۔ ورنہ۔۔۔۔ ایبٹ آباد آپریشن کی طرح آپکے گھر پھر بھی کسی بھی وقت اٹیک ہو سکتا ہے !

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کیا ہوتا ہے؟ پارٹ۔ 1

ایک حدیث کی رو سے نکاح اسلام میں ایک سخت ضروری عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں سے اسلام چلا ہے وہاں کے لوگ اس سخت ضروری عمل پر، عمل پیرا ہوتے ہوئے کچھ غیر ضروری عمل کرکے ہر سال دو سال بعد بے حساب شادیاں رچا کر ہضم کر جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے کیونکہ انکے معدے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ باہر لے ممالک کی طرح ہمارے ملک میں بھی مصطفیٰ کھر، جاوید شیخ اور کچھ دیگر معزز مولوی حضرات جیسے بہت سے ایک سے زائد شادیوں کے شوقین پائے جاتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر شادی شدہ حضرات کنواروں کو کنوارہ رہنے ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں ؟ بیچارہ کنوارہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ یار خود تو مزے لے لیے، مجھے ٹرخایا پر کار رہا ہے۔ یہ کیا چکر ہے؟۔ دراصل میں شادی شدہ کا تجربہ بول رہا ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک ٹی وی پروگرام میں بھی ہزاروں بیچارے شادی کے شوقین حضرات نے میرا پتی بننے کی ناکام کوشش میں خوب درگت بنوائی، یہ جانے بغیر کہ پتیوں (شوہروں) پر صرف پھولوں کی پتیاں ہی نچھاور نہیں ہوتیں بلکہ کانٹوں کی بارش زیادہ ہوتی ہے۔ آیئے ایک نئے سیلف میڈ دولہے کا حال جانتے ہیں۔

سب سے پہلے تو لڑکے کے لیے تلاشِ لڑکی برائے لڑکا کنوارہ کا کام بذمہ

ہمشیرگان ، ماسیان، یا والدان لگا دیا جاتا ہے۔آس پڑوس کے لوگوں، گلی محلے، خاندان، شہر اور ملک بھر میں اپنے سورج سے بیٹے (چاند دلہن کے لیے جو استعمال ہوتا ہے) کے لیے اعلان کرا دیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں کوئی ماہ نور، پری چہرہ، حور پری، پتلی دبلی سمارٹ سی پندرہ سولہ سالہ حور نظر آئے فوراً ہمیں ہماری ویب سائٹ پر خبر دیں۔ (اپنا منڈا چاہے ویوین رچرڈ جیسا کالا کلوٹا اور پچاس کے پیٹے میں ہی کیوں نہ ہو)۔ یوں کچھ تلاش بسیار اور ادھر ادھر سے معلومات لینے، جوتیاں گھسانے اور خاک چھاننے کے بعد لڑکے والوں کا مختلف لڑکی والوں کے ہاں آوت جاوت کا فیتہ کٹنے کی بجائے جیب کٹنے سے باقاعدہ افتتاح ہو جاتا ہے۔پھر یوں ہوتا ہے کہ کسی جگہ پر ماں راضی تو بہن کا انکار کہیں پر بہن راضی تو ماں کی ناک پھول کر کپا کہ اے ہے دیکھو تو اتنی موٹی لڑکی کیا، میرے نازک سے بیٹے کی بہو بنے گی؟ (حالانکہ انکا اپنا بیٹا جاپان کے سومو پہلوان سے کم نہیں ہوتا) ، نہیں نہیں۔ کہیں بہن صاحبہ لڑکی کے کلر کا مسئلہ کھڑا کر دیتی ہیں کہ لڑکی کالی یا سانولی ہے، کہیں قد کا، کہیں ناک، کہیں کان تو کہیں آنکھیں نہیں بھاتیں۔ کہیں ایک بہن کو لڑکی پسند آ گئی تو دوسری کا انکار، دوسری کو پسند آ گئی تو تیسری کا انکار۔ وغیرہ وغیرہ۔ خیر جناب ! ہمارا مدعا یہاں لڑکے یعنی دولہا کی محرومیاں ظاہر کرنا ہیں نہ کہ دلہن کی۔ تو اس لڑکے (یعنی ہونے والے دولہا) کی بیچارگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے جب یہ بیچارہ معصوم بے زبان جانور کی طرح درجنوں

لڑکیوں کے بارے میں اپنی ماؤں اور بہنوں کے روزانہ صبح شام نت نئے راگ پاٹ یعنی کمنٹس سن سن کر آخر کار انکی کسی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی بھی نکی جی ہاں۔۔۔۔ کر ہی دیتا ہے۔ دراصل میں اس بے چارے کو بھی شادی کی جلدی ہوتی ہے کہ گلی، محلے والے، رشتہ دار، دوست وغیرہ مختلف فقرے چست کر کے اس بیچارے کی ناک میں دم کیے ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک کہے گا کہ : یار کب کریگا شادی؟ جلدی کر لے ورنہ جنازہ بھی حرام ہو جائیگا۔ دوسرا کہے گا کہ یار میٹھے چاول کب کھلا رہے ہو۔۔؟، تیسرا کہے گا یار گنجے ہو گئے پر شادی نہیں کی۔ چوتھا کہے گا یار لگتا ہے تمہارے سائز کی تو لڑکی ہی پیدا نہیں ہوئی دنیا میں، پانچواں کہے گا کہ یار بڈھا ہو جائیگا پھر کچھ نہیں ملنے والا، جلدی شادی کر لے۔ چھٹا کہے گا کہ یار کسی نئے دولہا سے ہاتھ پھر والے تاکہ تیری بھی قسمت جاگ جائے۔۔۔ مزید یہ کہ لوگ جوانی میں ہی انکل انکل کہہ کر چھیڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ یوں بیچارہ لڑکا سوچتا ہے کہ یار چلو اب کچھ کرا ہی لیں۔

لیں جناب ! لڑکی والوں کی ہاں کے بعد تیاریاں شروع۔ بہنوں کی فرمائش کہ پہلے دھوم دھام سے منگنی کریں گے۔ لڑکا بیچارہ کہتا رہ جاتا ہے کہ بس بڑوں میں رشتے کی بات ہو گئی ہے بہت ہے۔ ابا بھی کہتے ہیں کہ میں لڑکی کے ہاتھ پر ہزار روپے رکھ آیا تھا، مٹھائی بھی تھی اب لڑکی پکی ٹھکی ہماری ہے۔ منگنی ونگنی کی ضرورت نہیں۔ مگر بہنوں کی ضد کے آگے انکی دال نہیں گلی

شاید ثابت مسریا پتھر کی دال تھی)۔ یوں جناب ہمشیرگان پہلے ہی رگڑے یعنی منگنی) کے فنکشن پر صرف لڑکی کو انگوٹھی پہنانے میں ہی کسی غریب کی شادی جتنے پیسے لگواد یتی ہیں۔ حتیٰ کہ دلہن کی انگوٹھی ہی ایک دو ماشے کی بجائے تولوں میں پسند کی گئی جسکی قیمت ہی 70 ہزار روپے بنی۔ دیگر دلہن اور اسکے اقرباء کے کپڑوں لتوں اور کھانے پینے کے اخراجات علیحدہ سے تھے۔ جبکہ لڑکی والے کنجوس صرف دو ماشے کی انگوٹھی اور صرف ایک سوٹ لائے، باقی گھر کے کسی ایک بندے کا ناڑا (ازار بند)، ناک صاف کرنے کا رومال یا کسی چھوٹے بچے کا پیمپر تک بھی منگنی کی بری میں موجود نہ تھا۔ ہونے والا دولہا بیچارہ سوچ میں پڑ گیا کہ یار منگنی پر ہی اتنا خرچہ تو آگے شادی پر کیا ہوگا؟۔ منگنی سے فراغت کے بعد جناب شادی کی تیاریاں فل موشن پر شروع۔

دولہا بیچارے کا ایک اور پھڈا گھر والوں سے مہمانوں کی لسٹ بنانے پر شروع ہوتا ہے جب اس بیچارے کو فرنٹ فٹ کی بجائے بیک فٹ پر کھیلنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہوتا، ہے کہ شادی میں کس کو اکیلا اور کس کو بمعہ اہل و عیال بلایا جائے۔ کسے بارات میں اور کسے صرف ولیمے پر بلایا جائے۔ دولہا بیچارے کی کم مہمان بلا کر خرچہ بچانے کی اس ناکام مہم کو گھر والوں کی میجورٹی رد کر دیتی ہے۔ کوئی کہتا کہ فلاں نے ہمیں ہر بار بمعہ اہل و عیال بلایا ہے تو ہم بھی انہیں بمعہ اہل و عیال ہی بلائیں گے۔ کسی کی منطق تھی

کہ جی ہمارے گھر کی پہلی شادی ہے سب کو بمعہ اہل و عیال بلایا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ سنگل کوئی نہیں تمام رشتہ داروں، دوست احباب کو بمعہ اہل و عیال بلایا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چھوٹے بہن بھائیوں نے اپنے اپنے دوستوں کی بمعہ اہل و عیال تمام لسٹیں پہلے ہی فائنل کر دی تھیں اور انمیں کمی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ایک اور مسئلہ شہر سے باہر کے رشتہ داروں کو بلانے،انکی رہائش اور اٹھانے بٹھانے کے انتظام کا بھی تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ باہر کے مہمانوں کی آمد سے گھر ریلوے اسٹیشن میں تبدیل ہوجانا تھا اور گھر کے اپنے بندوں کو بھی رات میں سر چھپانے کو گھر میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ہمسایوں کی بیٹھک ادھار لینی پڑتی تھی۔ غرضیکہ دولہا کی تمام خواہشیں ویٹو ہو ہو کر ناکام ہوتی رہیں اور تمام کام دولہا کی بجائے اسکے گھر والوں کی مرضی اور منشاء کے مطابق اخراجات میں بے جا بڑھوتری والے ہی طے پائے۔

شادی کے لیے شادی کارڈ بھی شادی کا جزو لاینفک مانا جاتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ شادی کارڈ بھی بہت ایڈوانس شکل اختیار کرتے جارہے ہیں۔ پہلے زمانے میں یہ کام علاقائی نائی سرانجام دیتے تھے کہ گھر گھر کنڈا بجا کر زبانی سب جگہ دعوت کا سنیہہ پہنچا آتے تھے مگر اب یہ دعوت بذریعہ کارڈ بنفس نفیس دولہا بیچارے کو ڈاکیے یا کوریئر بھی لینا پڑتا (Proof Of Delivery) یعنی POD والے کی طرح گھر گھر پہنچا کر انکی ہے۔ کچھ خاندانوں میں تو یہ

شرط ہوتی ہے دولہا خود کارڈ لائے گا تو شادی اٹینڈ ہوگی ورنہ نہیں۔ پہلے پہل شادی کارڈ ایک کاغذ کے گتے پر مشتمل ہوتا تھا اب لفافہ کھولو تو اندر سے آدھا درجن چھوٹے بڑے کارڈ برآمد ہوتے ہیں، جن میں مایوں ابٹن، مہندی، برات، رخصتی، نکاح، ولیمہ یا کوئی گانے بجانے کا پروگرام وغیرہ کے الگ الگ کارڈ شامل ہوتے ہیں جو کہ ایکسپائر ہونے کے بعد سردیوں میں گیس کی لوڈ شیڈنگ میں چولہا جلانے یا بچوں کے کھیلنے کے کام آتے ہیں، کہ کم از کم چھوٹے منے کا دودھ تو گرم ہو ہی جاتا ہے۔ان کارڈز کی ایک اور خاص بات یہ کہ ہر کارڈ پر درجن بھر نام ضرور لکھے جاتے ہیں۔ جیسے پورا محلّہ اور پورا خاندان ہی اس شادی میں چشمِ براہ یا متمنئی شرکت ہو۔ حالانکہ شادی کے چند روز بعد کوئی بھی دولہا کا واقف کار نہیں بنتا۔ حتیٰ کہ اگر دولہا کہیں مصروف ہو اور گدھا گاڑی والا سامان ڈھونے کا کرایہ مانگ لے وہ بھی نہیں دیتے اور دولہا کا انتظار کرنے کو کہہ دیتے ہیں۔کچھ لوگ تو مہندی ابٹن کے کارڈ پر تو نیولی بورن بے بی تک کا نام لکھوا دیتے ہیں۔آخر میں ایک جملہ ضرور لکھا ہوتا ہے کہ وقت کی پابندی عظیم لوگوں کا شیوہ ہے، جب کہ بارات خود ہی چار گھنٹے لیٹ آ رہی ہوتی ہے۔ اس کارڈ کی چوائس، چھپائی، تحریر کی پروف ریڈنگ اور کارڈ کی پورے شہر، محلے اور ملک میں ڈسٹری بیوشن میں ہی بیچارہ دولہا اکثر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ کچھ کارڈ تو اتنے وزنی ہوتے ہیں کہ آپ چاہیں تو انسے کسی کا سر پھاڑ لیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شادی سے پہلے اس دولہا بیچارے کو ابٹن اور مہندی جیسی فضول سی رسومات سے بھی گزرنا ہوتا ہے۔ دولہے بیچارے کی کوشش ہوتی ہے کی یہ بیل ایک ہی دن منڈھے چڑھ جائے یعنی ابٹن اور مہندی ایک ہی روز گھر پر کر لیا جائے تاکہ خرچہ بچ جائے۔ مگر ہمشیرگان کی میٹنگ میں طے یہ پاتا ہے کہ الگ الگ فنکشن الگ الگ ہوٹل یا کسی اچھے سے ہال میں ہونگے۔ پھر دولہے نے خرچہ بچانے کے لیے ایک اور ٹرائی ماری کہ مہمان اپنے اپنے گھر سے کھانا وغیرہ کھا کر آئیں اور فنکشن پر صرف چائے پانی ہو جائے، مگر خواتین کہاں ماننے والی تھیں۔ آرڈر یہ جاری ہوئے کہ بغیر کھانا کھلائے کوئی مہمان نہیں جائیگا۔ خرچہ کریں گے تو چرچہ ہوگا نا۔ یہ کوئی زمانہ قدیم کی شادی نہیں بلکہ کمپوٹر ایج کی میرج ہو رہی ہے۔ لہٰذا دونوں فنکشنوں میں دولہا بیچارے کی جیب کی خوب درگت بنتی ہے۔

تو جناب! ابٹن والے روز گھر کی ہر چیز پیلی اور مہندی والے روز گھر کی ہر چیز سبز سبز نظر آ رہی تھی۔ حتیٰ کہ گھر کا پالتو مٹھو یعنی طوطا جو کہ قدرتی طور پر سبز ہے اسے بھی ابٹن کے روزیر قان کر دیا گیا تھا۔ کسی لڑکی یا لڑکے نے کرنا کرانا کچھ تھا یا نہ تھا، پر سوٹ موقع کی مناسبت پورا مٹکایا ہوا تھا اور خواتین کے تو کیا کہنے کہ سر تا پاؤں ہر چیز ہی میچنگ

تھی۔ حتیٰ کہ گود والے بچے کے کپڑے اور گلے میں لٹکانے والا بِب اور پیمپر بھی موقع کی مناسبت سے میچ کر کے پہنائے گئے تھے۔

ابٹن والے دن تو ہر بندہ یرقان کا مریض لگ رہا تھا اور مہندی والے روز تمام لوگ کسی مزار کے مجاور دکھائی دے رہے تھے۔ ابٹن والے روز اس بیچارے دولہا کو پورے کا پورا ابٹن میں لپیٹ دیا گیا اور مہندی والے روز بھی مہندی لگانے میں ہر کوئی ایسے پیش پیش تھا کہ مبادا کوئی فرض نہ چھوٹ جائے۔ سر پر، ماتھے پر، گالوں پر، ہاتھ پر، بازو پر، ٹانگوں پر غرض جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جو مہندی کلر ہونے سے رہ گیا ہو۔ ان کلرز کو اتارنے کے لیے اس بیچارے کو کپڑے دھونے والے صابن کی دو چکیاں رگڑنی پڑیں تب جا کر کچھ کام تمام ہوا۔ جاتے جاتے کئی ٹائم کے پابند مہمان بیچارے دولہے کہ گلے پڑ گئے کہ فنکشن بہت لیٹ شروع کیا، کھانا ٹھیک نہیں تھا، بہت لیٹ کر کے دیا گیا، ٹھنڈا ہو گیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ ہونے والا دولہا بیچارہ سر ڈھا کر سنتا رہا اور کڑھتا رہا۔

شادی پر لڑکی یعنی دلہن کے کپڑے لتے تو بنتے ہی ہیں مگر ساتھ میں لڑکے یعنی دولہا کے کپڑوں کی بھی آجکل روزانہ نت نئی ورائٹی مارکیٹ میں آ رہی ہے بلکہ اس کے باقاعدہ بوتیک کھل گئے ہیں۔ یوں بیچارے دولہا ٹوبی کا کپڑوں کے

معاملے پر اکثر ماں اور بہنوں سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ بہنوں کی ضد ہوتی ہے کہ بھائی شادی والے دن شیر وانی اور راجھستانی کلاہ پہنے ، اماں کہیں گی شلوار قمیض پر پگڑی باندھ، ابا کہیں گے کرتا پاجامہ اور پرانے زمانے کا چکوں والا سہرا باندھ کہ کوئی دولہا کو بغیر اجازت نہ دیکھ لے۔ دولہا چاہے گا کہ آجکل کے فیشن کے مطابق پینٹ کوٹ اور گلے میں بس ایک مالا ہو۔ مگر یہاں بھی جیت بہنوں کی ہوتی ہے اور یہ بے چارہ بے زبان جانور کی طرح تھک ہار کر انہی کے ڈیزائن کردہ ملبوسات پر گزارہ کرکے ٹائم پاس کرتا ہے۔ ارے ہاں شہ بالا کے بارے میں تو لکھنا بھول ہی گئے کہ یہ بھی تو اس سین کا لازمی حصہ ہوتا ہے اور یہاں بھی اگر بہنیں یا بھائی شادی شدہ ہوں تو سب سے چھوٹے والے سمپل کو اس سین کا حصہ بنا کر دولہا کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ دولہا بیچارے کو اپنے ساتھ ساتھ اس بچو نگڑے کو بھی سنبھالنا پڑتا ہے کیونکہ اس بیچارے کا قد سے بڑا سہرا اکثر اسکے پاؤں لاگت ہو رہا ہوتا ہے۔ لیں جناب دولہا اور شہ بالا صاحب تیار ہوگئے۔ اور ہاں دلہن کی اس تیاری میں بہنوں ، بھائیوں، بھانجے بھانجیوں، بھتیجا، بھتیجوں (اگر ہوں) تو ان کے من چاہے ہزاروں روپوں کے کپڑوں ، جوتوں، جیولری اور میک اپ وغیرہ وغیرہ کے اخراجات بھی بذمہ دولہا To be ہوتے ہیں۔ مختلف علاقوں میں دولہا کو تیار کرنے، سہرا باندھنے، سرمہ لگانے، مالش

کرنے، شیو کرانے وغیرہ کے مختلف رسم و رواج ہیں۔ عام طور پر سب سے پہلے اس مرحلے پر نائی پہلے دولہا کا منہ چھیلتا ہے پھر اسکی جیب چھیلتا ہے۔یعنی فیشل میشل۔اسکے بعد دولہے بیچارے کو لال ڈوپٹے (یعنی شروعات ہی خطرناک رنگ سے ہوتی ہے) کے نیچے سے گھما کر گھر کے سٹیج تک لایا جاتا ہے۔ پھر اس بیچارے نا ہنجار کو پگٹ پہنانے کا رولا پڑتا ہے کہ کہ کون پہنائے، بڑی بہن، بڑا بھائی، بڑا داماد، بڑے ابا، بڑی اماں وغیرہ وغیرہ۔ عموما یہ فرض گھر کے بڑے بزرگ یا بڑے داماد سرانجام دیتے ہیں۔ اس رسم سے فراغت کے بعد ایک رسم سرمہ ڈلائی کی بھی ہوتی ہے اسکے لیے بھی بڑی بھابی، چھوٹی بھابی، خاندان کی بھابی، محلے کی بھابی وغیرہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے دولہا بیچارے کی آنکھیں بھیڑ کی طرح کالی کرائی جاتی ہیں۔ یہ نام نہاد بھابی ایک آنکھ میں سرمہ ڈال کر دوسری آنکھ میں سرمہ اسوقت تک نہیں ڈالتی کہ جب تک اسکی جیب گرم نہ ہو۔ اسکے بعد اگلے مرحلے میں گھر کے دروازے سے نکلتے وقت بہنیں سانپ بن کر بازو چڑھا کر بوے پر کھلو جاتی ہیں کہ پہلے ساڈی وی جیب گرم کرو تو آگے جان دیا نگے۔یوں بیچارہ دولہا جس نے شاید پولیس والوں کو بھی کبھی اتنا لینا دینا نہ کیا ہو گا، جتنا اپنے گھر والوں سے لٹتا پٹتا گھر سے باہر نکلنے کو ہوتا ہے تو ساتھ تاکید باندھ دی جاتی ہے کہ اب گھر میں دلہن لیکر ہی داخل ہونا ہے، اکیلے ہرگز نہیں۔ بعض دفعہ تو اگر بارات دور پرے کے کسی شہر جانی ہو تو دولہا بیچارے کو سہرا بندی کے بعد گھنٹوں

ہمسایوں کے ہاں گزار نے پڑ جاتے ہیں کہ کچھ تو اپنے گھر والے اکیلے دکیلے دولہے کے واقف بننے سے انکاری ہو جاتے ہیں، کچھ باراتی حضرات تشریف نہیں لائے ہوتے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ کچھ بیگمات پارلر سے بھیس بدلوا کر نہیں پہنچی ہوتیں یا پھر بسوں اور کاروں کا انتظام بروقت نہیں ہو پا رہا ہوتا۔

خیر جناب! دولہا صاحب ہوئے تیار، اب ان بیچارے کو کچھ علاقوں کے رسم و رواج کے مطابق نوافل ادا کرنے مسجد بھی جانا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ کام دولہا کو گھوڑے پر لاد کر کرایا جاتا تھا کہ دولہا نماز یعنی نوافل ادا کرنے مسجد تک گھوڑے پر جاتا تھا (کہ کہیں لَت وچ پیڑ نہ ہو جائے)، مگر اب یہ رواج متروک سا ہوتا جا رہا ہے۔ اس دولہا بیچارے نے پورا سال بھی شاید محلے کی مسجد میں نماز نہ پڑھی ہو، پر سہرا باندھنے کے بعد مصیبت کو گھر میں لانے سے پہلے اس روز اسے ضرور مسجد اور اللہ یاد آتا ہے۔ پہلے زمانے میں تو شہر سے شہر کی بارات گھوڑے پر ہی جاتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گھوڑا بینڈ باجے کی زور دار آواز سن کر بدک جاتا تھا اور دولہا بیچارہ سڑک پر چاروں شانے چت پڑا ہوتا تھا۔ یا پھر گھوڑا غصے میں ہاتھی کی سونڈ کی طرح اپنی دم دولہا کے گلے میں پھسا کر اسے ایسا دھوبی پٹڑا مارتا تھا کہ دولہا بیچارے کو دن میں تارے اور چاند نظر آنے لگتے تھے اور ساتھ میں معصوم شہ بالا بھی رگڑا جاتا تھا۔ اسکے بعد کیا کچھ ہوتا ہے، بقیہ پارٹ ٹو میں

ملیگا۔ انتظار کیجئے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کیا ہوتا ہے؟ پارٹ۔ 2

لو جناب ! بارات لیکر دولہا صاحب روانہ ہوگئے لڑکی والوں کی طرف۔ اگر راستہ لمبا ہے اور کسی دوسرے شہر بارات لیکر جانا ہے تو راستے بھر ریفریشمنٹ کے لیے بھی دولہا بیچارے کی جیب پر وقتاً فوقتاً چھری چلتی رہتی ہے۔ کہیں چپس اور سلائٹی تو کہیں پیپسی اور ڈیو، یا پھر کچھ اور۔ نیا دولہا بیچارا یہ درد بھی ہنس ہنس کر برداشت کر جاتا ہے کہ دلہن جو بیاہ کر لانی ہوتی ہے۔ دوسرے شہر یا شادی ہال کو بارات کی روانگی کے وقت ایک اور مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کسے کار میں بٹھایا جائے اور کسے بس یا ویگن میں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو وی آئی پی تصور کرتے ہوئے کار میں بیٹھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ جبکہ کاروں پر عموماً دولہا کے دوستوں یا اسکے اپنے گھر والوں کا قبضہ ہوتا ہے۔ خیر جناب ! یہ مرحلہ بھی بڑی مشکل سے طے ہوتا ہے اور راستے بھر دولہا کو اپنی ہم جول کاروں اور بسوں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی بس، ویگن یا کار والا غلط روٹ پکڑ کر کہیں غائب نہ ہو جائے۔

دلہن کے گھر یا شادی ہال میں پہنچ کر دولہا صاحب موسٹ وانٹڈ پرسن بن جاتے ہیں اور ہر کوئی انکی ایک جھلک دیکھنے کو یوں بیتاب رہتا ہے جیسے ایتا بھ

بچن یا ودیا بالن کو دیکھنا ہو۔ محلے بھر کی خواتین اور لڑکیوں کا منظور نظر (صرف اس ایک دن کا) دولہا صاحب کچھ اکڑا، کچھ شرمایا لجایا سا اسٹیج کے صوفے پر ایسے براجمان ہوتا ہے جیسے شہزادہ سلیم تختِ شہنشاہی پر تشریف فرما ہوں (صرف ایک دن کے لیے) ۔یا پھر موصوف کئی مربع زمین کا سودا کرکے آیا ہو۔ کچھ دیر بعد جناب نکاح سے پہلے ایک سائڈ پر بیٹھ کر شرط و شرائط لکھی جاتی ہیں مثلاً: زیور لڑکے کا مگر لڑکی کے نام، مکان لڑکے کا مگر لڑکی کے نام، پیسہ ٹکا لڑکے کا مگر جیب خرچ لڑکی کے نام۔ پھر لاکھوں کا حق مہر علیحدہ سے بحق لڑکی لکھوا لیا جاتا ہے، دیگر شرط و شرائط علاقے کے حساب سے علیحدہ ہوتی ہیں۔ دولہا اس موقع پر صرف قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے کی آواز نکالتا ہے، اس دن اس بیچارے کی باقی تمام آوازیں بند ہو چکی ہوتی ہیں۔ نکاح کے بعد سب لوگ دولہا کو بغلگیر ہو کر مبارک باد دینا عین عبادت اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بیچارے پر ایسے جھپٹتے ہیں جیسے چیل گوشت پر جھپٹتی ہے۔ کئی جگہ پر تو وزن زیادہ ہونے پر اسٹیج ٹوٹ کر زمین پر آرہا ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آج کے بعد دولہا سے کسی سنگل پسلی دولہے کو in some cases نے نہیں ملنا ہوتا۔ کچھ پہلوان قسم کے لوگ اس زور سے بھینچ دیتے ہیں کہ بیچارہ حجلہ عروسی جانے سے پہلے ہسپتال جا پہنچتا ہے۔ ایسے موقع پر کنوارے حضرات دولہا کا ہاتھ سر پر پھروانا اور ملنا بطورِ خاص باعثِ فخر سمجھتے ہیں تاکہ انکی بربادی کی باری بھی جلد آئے۔ جیسے ہی دولہا اس کاروائی سے فراغت پاتا

ہے تو انتظار میں بیٹھی تیسری جنس یعنی خواجہ سرا دولہا اور اسکے حواریوں کے گرد گھیرا تنگ کرکے ماہیے، سہرا اور دوہڑے گانا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ ساتھ دولہے کے کان، گال اور بال نوچنا اور بلائیں لینے کے ساتھ ساتھ نت نئے القابات سے بھی نوازتے رہتے ہیں۔ آخر کار انسے بھی کچھ دے دلا کر ہی جان چھوٹتی ہے۔ ایسے مواقع پر بڑے بڑے مولوی اور پارسا حضرات بھی گڑوی والیوں کے ساتھ حد سے تجاوز کرتے پائے جاتے ہیں اور پوچھنے پر کہا جاتا ہے کہ یہ موقع کونسا روز روز آتا ہے۔

نکاح اور کھانے کے بعد پھر جناب باری آتی ہے رخصتی کی۔ دولہا اور دلہن کو ساتھ ساتھ بٹھا دیے جاتے ہیں اور ایک بار پھر سب کی نظریں مستقبل کے جورو غلام یعنی دولہا پر کہ اس بیچارے کی درگت بننی ہوتی ہے۔ جوتا کھینچا جانا ہے، دودھ پلانا ہے، نوٹ جھاڑنے ہیں۔ دلہن کا کیا کہ آرام سے بنی سنوری بیٹھی ہے۔ سب سے پہلے دولہا کو چھٹانک بھر دودھ پلا کر پورے لاکھ کا تقاضا کر دیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ دولہا بیچارے کے اٹلی یا ڈان کارلوس کے جوتے پر بھی زور آزمائی شروع ہو جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ گانا شروع ہو جاتا ہے کہ پیسے دے دو جوتے لے لو۔ اب دولہا بیچارے کی ایک ٹانگ ہوتی ہے اور کھینچنے والے درجن بھر لوگ۔ آدھے لڑکی والے اور آدھے لڑکے والے۔ اس چکر میں اکثر دولہا بیچارہ اپنی ٹانگ سہاگ رات سے پہلے ہی اتروا بیٹھتا ہے۔ ان دودھ پلائی اور

جوتا اترائی مہم کے دوشو سے فراغت بھی کچھ دے دلا کر ہی ملتی ہے۔ لڑکی والے لاکھوں سے شروع ہو کر قالین والے پٹھان سیل مین کی طرح ہزاروں پر آ کر سودا طے کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اکثر بیچاری دلہن کی بہنیں اور کزنیں جو اس بولی میں پیش پیش ہوتی ہیں انہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ایک لاکھ میں کتنی صفر لگتی ہیں؟۔ خیر جناب ! سودا طے کر لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں دیکر انہیں ٹور دیا جاتا ہے اور ساتھ تاکید کی جاتی ہے کہ یہ ہاتھ اب کبھی نہ چھوڑنا کیوں کہ ہاتھ چھوڑنے پر تو پھڈا ہو جاتا ہے نہ۔

دلہن والے اپنی دلہن کو قرآن پاک کے سائے میں رخصت کرتے ہیں جبکہ ساتھ چلتے دولہے پر صرف اللہ کا سایہ ہوتا ہے۔ دلہا بیچارہ خوشی خوشی دل میں لڈو پھوڑ کر دلہن کا ہاتھ تھام کر اپنے ادھر ادھر ہوئے براتی دوبارہ سے جوڑ کر کے اپنے گھر کی راہ لیتا ہے !اور کوشش کرتا ہے کہ جلد از جلد گھر پہنچ کر اس ماہ نور کا دیدار کر لے بس

پر ابھی کہاں جناب ! ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔۔۔۔۔۔ گھر کے دروازے میں گھستے ہی بیچارے دولہے کو پھر کسٹم والوں کی طرح روک لیا جاتا ہے۔ اب جناب گیٹ روکائی اور تیل کی رسم۔ اسکے لیے بھی کوئی بہن صاحبہ یا کوئی کزن پہلے سے مخصوص کی گئی ہوتی ہیں اور وہ سینہ تان کر سانڈ کی طرح دروازے میں اڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں کہ پہلے پیسے دو پھر اندر آنے دونگی۔ بالآخر انتہائی

زور و شور کے بحث و مباحثے کے بعد یہاں بھی معاملات رشوت سے ہی طے پاتے ہیں پھر اندار آنے کی اجازت ملتی ہے۔ لیکن ٹھہریے ابھی کہاں ! یاد آیا کہ صدقے کی مرغی یا حیثیت کے مطابق گوشت یا بکرا شکرا بھی تو وارنا ہے نہ کیونکہ مصیبت کے وقت یہی صدقہ ہی کام آتا ہے۔ (مطلب آپ سمجھ گئے ہونگے ؟) اور جناب اسکے پیسے بھی دولہے کی جیب سے ہی جاتے ہیں۔ اسکے بعد جوڑی کو گھر لا کر آفٹر میرج ڈرامے شروع ہوجاتے ہیں۔ شیشے میں ایک دوسرے کے چہرے دکھانے کی مضحکہ خیز سی رسم ادا کی جاتی ہے، جس میں ظاہر ہے کہ لیپا پوتی شدہ دلہن ہی جیتتی ہے۔ اگلے روز جب منہ دھلتا ہے تو دولہا بھی پریشان ہوجاتا ہے کہ یہ میر ہی بیوی ہے یا کوئی گھر میں کام کرنے والی ماسی۔ خیر جناب اسکے بعد کھیر کھلائی کی رسم کی باری آتی ہے۔ اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ لگائے بغیر (کیونکہ بعد میں تو ساری عمر آدمی کا ہاتھ ہی چلنا ہوتا ہے) منہ سے کھیر کھانی ہوتی ہے، اس کھیر کھلائی کی رسم میں بھی دولہا کی خوب درگت بنتی ہے اور یہاں پر بھی اسے کھیر کے پیسے پکانے والی بہن کو پے کرنے پڑتے ہیں۔ مہمانوں کے ساتھ دولہا اور دلہن کی تصاویر اور مووی بنوائی جاتی ہے تاکہ یادگار رہے۔ اسکے علاوہ مختلف علاقوں کے رواج کے مطابق دیگر اور بھی کئی قسم کی رسومات ادا کی جاتی ہیں اور پھر کہیں آدھی رات کے بعد ہی دولہا بیچارہ مہمانوں کو رخصت کرکے لاکھوں میں پڑی دلہن کے پاس پہنچ پاتا ہے۔

اس فلم کا آخری سین ولیمہ ہوتا ہے اور دولہا بیچارہ گلے مل مل کر مبارکبادیں لے لے کر تھک چکا ہوتا ہے۔ اگر کھانا شادی ہال والوں کے ذمہ ہو تو ٹھیک، اگر کھانے کا انتظام خود کیا گیا ہو تو اس بیچارے کو یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ کہیں کھانا کم نہ پڑ جائے اور بار بار پکانے والے حلوائی اور دیگوں کو جھانکتا رہتا ہے یا شادی ہال والوں کے پیچھے رہتا ہے کہ کوئی چیز کم نہ رہ جائے۔ اس بیچارے کا ایک پاؤں مہمانوں پاس ہوتا ہے تو دوسرا حلوائی کے پاس۔ کسی کو برف لینے دوڑا رہا ہوتا ہے، کسی کو نان لینے کو تو کسی کو سلاد لینے کو۔ اس چکر میں بیچارے دولہے کا اچھا خاصا گھن چکر بن چکا ہوتا ہے اور متوقع آمدنی میں بھی خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے کہ لوگ کھا پی کر دائیں بائیں سے نظر بچا کر، دولہے کو نہ پا کر ایویں ہی نکل جاتے ہیں بغیر کچھ لیے دیے۔ ولیمہ سے فراغت پا کر ٹینٹ والے کا تمام سامان لسٹ کے مطابق واپس کرانا ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی سامان مِس ہو تو اسکی قیمت بھی دولہے کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہاں بھی جاتے جاتے کئی مہمان اگر کھانے کی تعریف کرتے ہیں تو کچھ منہ پھٹ مہمان شکایتوں کے انبار بھی دولہا بیچارے کے سر لاد جاتے ہیں۔

تمام کام نمٹا کر مہمانوں کو رخصت کر کے دن بھر کا تھکا ہارا دولہا رات کو استراحت کے لیے کمرے میں پہنچ کر اپنی نئی نویلی دلہن سے ٹانگیں دبانے کی فرمائش کرتا ہے تو نئی بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں بھی اسٹیچو کی طرح سارا

دن بیٹھ بیٹھ کر تھک چکی ہوں، پلیز ! ذرا میری کمر تو دبادیں۔اسکے بعد تا عمر اس دولہے بیچارے پے کیا گزرتی ہے یہ آپ سب اپنے اپنے اباؤں کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

اب کچھ ٹوٹے : برطانیہ میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق بیویاں شوہروں سے زیادہ اپنے پالتو کتوں اور جانوروں کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ تو پھر۔۔۔۔۔۔ ؟؟ اسکے علاوہ جاپانی لوگ تو ویسے ہی شادی سے ڈرتے ہیں کہ کون جھنجٹ میں پڑے شادی اور بچوں کے ، یوں وہاں مین پاور کی شارٹیج ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ ویسے سنا ہے کہ جاپانی بیویاں ہوتی بہت وفادار ہیں۔ تو پھر چلیں جاپان شادی کرنے کو؟؟۔ اب اگر بات کریں یورپ کی تو یہ لوگ ویسے ہی شادی کے نام سے بھاگتے ہیں کہ کون ساری عمر کے لیے گلے میں یہ (عورت) گھنٹی باندھے۔ لہٰذا وہ لوگ کچھ عرصہ ساتھ رہتے ہیں، جب دل بھر جائے تو دونوں خوشی خوشی الگ ہو جاتے ہیں یا پھر انجلینا جولی اور براڈ پٹ کی طرح پانچ بچے ہونے کے بعد شادی کر لیتے ہیں۔ارے ہاں ایک اور بات یاد آئی کہ فلپائن کے ایک علاقے کی بیویوں نے انوکھا فیصلہ کیا کہ انکے علاقے میں لڑائی ختم ہونے تک وہ شوہروں کو اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیں گی۔ کیسا ؟؟

تو دیکھا جناب آپ نئے شادی کے شوقین حضرات نے کہ دولہا بننے کے لیے کن کن

مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تو کیا آپ اب بھی دولہا بننا پسند فرمائیں گے؟؟

وینا ملک ب عقد بال ٹھاکرے؟؟

کبھی کبھار ہماری اسمبلیوں کے ممبران ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر اچھی خاصی کھِل آتی ہے۔ مثلاً: ایک صاحب نے اسمبلی میں فرمایا کہ اگر وینا ملک کی شادی بال ٹھاکرے سے ہو جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟ ہے نہ مخولیا بات: پہلی بات تو یہ کہ بھئی کیوں ہو؟ کیا سارے کنوارے مرد اور خوبرو اسمارٹ لونڈے انقلابِ فرانس کی طرح مر چکے کہ ایک چکنی، خوبصورت، پیاری سی، ہالف کپڑے لیس اور اسمارٹ سی لڑکی اس بڈھے کے گل بندھے؟ ویسے بائی داوے اگر یہ چاند کسی طور چڑھ ہی گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیا وینا ملک صاحبہ ہندو بن کر رام رام کریگی یا پھر بال ٹھاکرے مسلمان ہو کر اللہ اللہ ؟۔ نکاح قبول ہے قبول ہے سے ہوگا کے اگنی کے پھیرے لگیں گے ؟۔ روزہ رکھا جائیگا یا ورت ؟۔ گنگا نہائیں گے یا زم زم ؟۔ سلام کریں گے یا نمسکار؟ نماز پڑھیں گے یا بھجن گائینگے ؟۔ مندر جائیں گے یا مسجد ؟۔ ساڑھی پہنی جائیگی یا شلوار قمیض ؟۔ کرتا پجاما یا بڑے گھیر کی شلوار ؟۔ گھر میں سبزیاں پکیں گی یا گوشت ؟۔ گائے کی قربانی ہوگی کہ نہیں ؟۔ عید، بقر عید منائی جائیگی یا ہولی دیوالی؟ رام رام ہو گی یا اللہ اللہ، ماتھے پر تلک لگے گا، بندیا، چمکیلی یا کالا سرمہ؟ وینا صاحبہ انہیں کیا کہیں گی۔۔۔ پتی، شوہر، خاوند، میاں جی، ہز بینڈ، بال ٹھاکرے جی، یا پھر الف سے اب ب با۔ب

سے بال ٹھاکرے۔ ہمارے تماٹی وی چینلوں پر تو وینا جی نے سبھوں کو وختا ڈالا ہوا ہے کہ ایسے ایسے جوب دیتی ہیں کہ بولتی بند کر دیتی ہیں خاص طور سے مولوی حضرات کی۔ تو کہیں وہاں بھی کسی کو وختا نہ ڈال دیں۔۔۔۔۔اور یہ کہ کیسے کٹیں گے ان کے دن اور رتیاں۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ چھوڑو یار ! ہم بھی پتہ نہیں کہاں پہنچ گئے ایک ذرا سی بات کو لیکر۔۔۔۔۔ ویسے انڈیا والے ہماری وینا پر ہیں بہت مہربان کہ اسے انجلینا جولی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

تو جناب بات چلی شادیوں کی تو آئیں آج شادیوں کے ہی گن گاتے ہیں۔

فرض کریں کہ کسی پاکستانی لڑکے کی کسی رشین لڑکی کے ساتھ شادی ہو کر بہو پاکستان آجاتی ہے۔ مائنس پچاس ڈگری پر یعنی شدید سردی میں رہنے والی لڑکی آ گئی جناب گرمیوں کے پلس پچاس ڈگری درجہ حرارت میں ، لڑکی کی تو مت کے ساتھ ماں بھی اگر ہوئی تو) ماری جائیگی۔ ہمارے ہاں تو گرمیوں میں اے سی بھی کام نہیں کرتے اوپر) سے لوڈ شیڈنگ تو پاکستانی میاں کو تو وختہ پے جائیگا۔ یوں پھر سائبیریا کے علاقے سے آئی اس لڑکی کو کسی برف کے کارخانے یا کولڈ سٹوریج میں لیجا کر برف کے بلاک پر لٹادیا جایا کریگا کہ بی بی تو گرمیاں اتھے گزار۔ یا پھر اسکے سر پر ایک تین ٹن کا اے سی فٹ کرانا پڑیگا کہ چلتے پھرتے ٹھرتی رہے۔ پھر جناب اسکے لیے سور کا گوشت تلاش کرنا مشکل

ہو جائیگا کہ اسکے بغیر تو انہیں کھانے کا سواد ہی نہیں آتا اور ساتھ میں وہ لال ہرا نیلا پانی جسے عرف عام میں بیئر یعنی انگور کا کڑوا جوس کہتے ہیں وہ بھی دینا پڑ جائیگا۔ (ویسے ہمارے ہاں دوسرے قسم کے سور جو انسانوں کا خون پیتے ہیں اور مرنے بھی نہیں دیتے، بہت پائے جاتے ہیں) ۔ ہمارے ہاں کی سردیاں کونسی سردیاں ہیں دو ماہ کی سردی وہ بھی بس ایویں ہی سی، باقی سب گرمی گرمی۔ اس بیچاری نے تو ہمارے ہاں کی سردی میں بھی نیکر اور ٹی شرٹ میں پھرنا ہے۔ لوکاں نے کہنا ہے کہ اے پاگل جے ہسپتال داخل کراؤ ۔ موصوفہ پینے کو سادی چائے کہ جگہ نیس کیف کی کافی مانگا کریگی اور جسمانی ڈیل ڈول کے مطابق اسکے بعض کپڑے بھی بازار میں ناپید ہوا کریں گے ؟۔ یوں بیچارہ پاکستانی میاں دن رات خجل خوار ہوگا۔ اوپر سے اتی دور سسرال آنے جانے کا ہوائی جہاز کا خرچہ ہی اسکی بتیسی باہر کر دیگا۔

یہ تو تھی بات رشین لڑکی کی اب بات کرتے ہیں کسی افریقی لڑکی کی کہ اگر کوئی پاکستانی کسی افریقی لڑکی سے شادی کر لے تو کیا ہوگا؟ پہلے پہل تو بڑی بوڑھیوں نے کہنا کہ اے ہے اس سے تو موسیٰ کمہار کی لڑکی ہی اچھی تھی، لونڈا لڑکی لایا بھی تو ایسی کالی کلوٹی۔ آجکل لوڈ شیڈنگ کے زمانے میں اندھیرے میں گم ہو گئی تو نظر بھی نہ آیا کریگی اور گھر والے کبھی مساجد میں اعلان بھی کرا رہے ہونگے تو کبھی گلیوں میں۔ پھر جس طرح کے وہ بالوں کے ہیئر

اسٹایل بناتی ہیں ایسے تو ہمارے ہاں خانہ بدوش جنہیں عرصہ تک پانی نہ ملے وہ بناتی ہیں یا پھر پاگل اور اس نئی سی مخلوق کو دیکھ کر محلے کے کتے بھی پیچھے لگ سکتے ہیں۔ جس سے گھر بھر کو پریشانی ہو سکتی ہے۔ پھر انکے بات کرنے کا اسٹائل ایسا ہوتا ہے کہ جیسے لڑائی کر رہی ہوں اور ہاتھ بھی ساتھ ساتھ لہریایا جاتا ہے جیسے دو ہتھڑ مار رہے ہوں ۔ اگر یہ لڑکی ارٹیریا یا ایتھوپیا وغیرہ کی ہوئی تو اوہو ہو ہو ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ گھر بھر کا سالن اور روٹیاں تو یہی کھا جایا کریگی کہ پتہ نہیں بیچاری کب سے فاقے کر رہی ہوگی، باقی لوگ ایک دسرے کی شکل ہی دیکھتے رہ جائینگے اور یوں سال بھر کے آٹے کا خرچ بڑھ جائیگا۔ ۔ گھر والوں کو کھانے پینے کی اشیاء محلے والوں کے ہاں رکھوانی پڑیں گی کہ اسکے ہاتھ تو جو کچھ لگے گا ہڑپ کر جائیگی ۔ ندیدی جو ٹھہری۔

اگر کوئی جاپانی یا چینی لڑکی کسی پاکستانی سے شادی کرکے پاکستان آئی تو پہلے تو محلے اور پھر شہر بھر سے کتے ، بلیاں ، چوہے اور سانپ اور بچھو ایسے غائب ہو جائیں گے کہ جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے کہ یہ انکی پسندیدہ خوراک میں شامل ہیں۔ اسکے بعد انکے ڈیل ڈول ایسے ہیں کہ ہر کوئی انہیں بچہ سمجھ کر گود میں لیکر پیار کرنا چاہیگا۔ جس میں کہ اکثر کامیابی نہیں ہوگی۔ مذکورہ چیزیں چونکہ انکی پسندیدہ ہیں تو لہٰذا میونسپل کمیٹی

والوں کو زہریلی گولیاں دیکر انہیں مارنا نہیں پڑیگا اور نہ ہی اسپرے کی ضرورت پڑیگی۔ خادمِ پنجاب تو ایویں ہی ڈینگی کی وجہ سے پریشان ہیں، ہمارا حکومت کو صائب مشورہ ہے کہ تمام پاکستانی مردوں کی ایک ایک شادی چینی یا جاپانی لڑکی سے لازم قرار دلوادی جائے تاکہ ملک سے کتے، بلی، چوہے، سانپ، بچھو، ڈینگی وغیرہ اور دیگر حشرات الارض کا آسانی سے خاتمہ ہوسکے۔ ان کی گفتگو میں چونکہ چیں۔چاں ۔چوں ۔پاں ۔آں ۔ناں ۔کاں ۔ وغیرہ زیادہ استعمال ہوتے ہیں تو محلے والے اکثر بلھیکا کھا جایا کرینگے کہ انکے گھر بلیوں کے لڑائی ہورہی ہے کہ گفت و شنید ہو رہی ہے۔ ویسے جاپانی اور چینی لڑکیوں میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ شادی اور بچوں کے بعد بھی اسمارٹ نظر آتی ہیں ۔ جبکہ پاکستانی بیوی تو شادی اور بچے کے بعد سومو پہلوان ہو جاتی ہے اور میاں بیچارہ اس ڈر سے پنگا نہیں لیتا کہ اگر یہ اوپر گر گئی تو دم ہی گھٹ جائیگا۔ ویسے جاپانی لڑکیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ بہت ہی تابعدار اور وفا شعار ہوتی ہیں۔ تو کیا خیال ہے ایک جاپانی بیوی ہو جائے۔؟

اگر کوئی پاکستانی کسی انگریز لڑکی سے شادی کرلے تو گیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو سب سے پہلے اس لونڈیا کے کلر اور بالوں کے متعلق باتیں ہونگی۔ منہ ٹیڑھا کرکے اسنے انگریزی جھاڑنی ہے اور پھر بس۔۔۔۔ ڈالروں میں شاپنگ کی عادی کو جب روپوں میں خرچہ کرنا پڑیگا تو لگ پتہ جائیگا۔ اگر بات بچوں تک

پہنچی تو بچوں کا کمبینیشن ہو گا بہت اچھا۔ انگریز خواتین بھی بہت سے لوازمات کی شوقین ہوتی ہیں اور انکی طلب وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے۔ تاہم انگریز خواتین پر ایک شک یہ بھی رہتا ہے کہ کہیں کوئی سی آئی اے کی ایجنٹ نہ ہو۔ انگریز خواتین کو کتے اور بلیاں پالنے کا اتنا شوق ہوتا ہے کہ شوہر کی بجائے بستر انہیں ساتھ سلانا پسند کرتی ہیں۔ ان حالات میں پاکستانی مرد ایسا تنگ آئیگا کہ ادھار شدھار مانگ کر اسے واپس پہنچانے میں ہی عافیت جانے گا۔

اگر کوئی پاکستانی پٹا لائے یا پھنسا لائے کوئی بنگالی لڑکی تو پھر کیا ہو گا ببوا: پاکستانی تو کھاتے ہیں روٹی تینوں ٹائم، پر اس موصوفہ کو چاہیے ہوگی چاولوں کی بھت تینوں ٹائم۔ پھر یوں ہمارے ملک میں خاص طور سے گوجرانوالہ کے چاولوں کا قحط بھی پڑ سکتا ہے۔ مچھلی بھی انکی لازمی خوراک کا حصہ ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستان میں مچھلیاں بھی ختم ہو جائیں۔ ویسے یہ بیوی زیادہ مہنگی نہیں پڑیگی پر اسکے مچھلی اور چاول کا خرچہ مار دیگا۔ چاول کی بچت تو یوں ہو جائیگی کی اچھے والے باسمتی کی بجائے گھٹیا والے ٹوٹا چاول کام آجائینگے پر مچھلی کا ٹوٹا نہیں ملتا۔ ایک وقت تھا کہ اکثر لوگ ان خواتین کو خرید کر شادیاں کر لیتے تھے اور پھر ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ بھی توڑتے تھے، پر اب یہ سلسلہ کسی حد تک ختم ہو گیا ہے۔

عربی لڑکی سے شادی تو کسی دیوانے کی بڑ کی طرح ہی ہوگی: ویسے تو یہ نا ممکنات میں سے ہوتا ہے کہ کسی اصلی شیخانی سے شادی ہو، پر اگر اتفاق سے کسی عربی لڑکی کی شادی کسی پاکستانی سے ہو بھیجائے تو بیچارہ اسکے خرچے پورے کرتا خود ہی پورا ہو جائیگا۔ اس لونڈی کو آئے روز نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے، نئے پرفیوم، نئے چشمے، گھڑیاں، گاڑی نوکر چاکر دینا ہونگے جو کہ وہ مر کر بھی پورا نہیں کر سکتا۔ اسکے علاوہ کھانے پینے میں مرغ مسلم، مشروبات، قہوہ جات، اور دیگر بہت سے ٹھاٹ باٹ بھی یکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اتنی مہنگی بیوی کی وجہ سے ہی شاید ہمارے عربی بھائی دوسرے ممالک میں شادی کو ترجیح دیتے ہیں۔ شادی کے بعد یہ عرب خواتین پھول کر ایسی کپا ہو جاتی ہیں کہ ایک ڈبل بیڈ پر صرف ایک عورت ہی سما سکتی ہے، میاں کو یا دوسرا بیڈ لگانا پڑتا ہے، یا نیچے سونا پڑتا ہے یا پھر کمرے سے باہر!

اگر کسی پاکستانی کی شادی ہو جائے کسی انڈین لڑکی سے تو۔۔۔۔ واہ واہ واہ واہ۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔ شاید آپکے دل کی بات کہہ دی میں نے۔ ہیں نا! زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہاں سے کوئی مادھوری، کرینہ، قطرینہ، ودیا بالن، راکھی ساونت، مادھوری، ایشوریا یا کرشمہ تو ملنے سے رہی۔ اگر کچھ بھلا بھی تو گھسا پٹا مال ہوگا۔ پھر جناب گھر میں چوبیس گھنٹے انڈین فلمیں چلا

کریں گی۔ پورا گھر اور بچے انڈین فلمیں کھائیں گے، انڈین فلمیں سوئیں گے، انڈین فلمیں نہائیں گے اور بس۔۔۔ پھر جناب، سلام کی جگہ نمسکار، بہن کو دیدی، کھانے کو بھوجن، ماں کو ماتا، باپ کو پتا، اور پتہ نہیں کیا کچھ پتہ لگایا جائیگا۔ ویسے ہم نے ایک لڑکی پٹائی تو ہے نہ۔۔۔ نام اسکا ہے ثانیہ مرزا۔۔کام ہے اسکا ٹینس کھیلنا۔ نخرالو سی۔ پر پاکستان میں رہتی ہی نہیں، مہمانوں کی طرح آتی اور چلی جاتی ہے۔اس سے پہلے سلمی آغا آئی اور چلی گئی اب مزید کسے لائیں، بے وفا سی لگتی ہیں۔

بات چلی تھی وینا ملک سے اور گھوم آئی دنیا بھر میں۔ ہاں تو میرے خیال میں آجکل کے جو حالات ہیں اسمیں کنوارہ رہنا ہی بہتر ہے کہ کم از کم لائن مارنے میں تو آسانی رہتی ہے نہ اور اگر شادی کرنا بہت ہی ضروری ہو تو بندے کو شادی کسی گونگی، بہری، لنگڑی لولی لڑکی سے کرنی چاہیے۔ اگر ساتھ میں نابینا بھی ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔ نہ اپنی سنا سکے گی، نہ ہماری سن سکے گی، نہ کسی کو دیکھ پائے گی۔ یوں گھر میں سکون ہی سکون رہیگا۔ پر جناب ! ایسی لڑکی ملیگی کہاں سے؟ شاید آرڈر پر بھی نہ بن پائے !۔ اگر آپ کو کسی ایسی لڑکی کا پتہ ہو تو ضرور بتایئے گا۔

توند اور وزن کم کرنے کے طریقے

ایک خبر کے مطابق آئی جی پنجاب نے موٹی توند والے پولیس افسران کو اپنی توندیں کم کرنے کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ جسکے بعد سے یہ پولیس والے بیچارے مختلف قسم کے ٹوٹکے آزماتے ہوئے وزن کم کرنے کے چکر میں گھن چکر ہو چلے ہیں اور اس چکر کے چکر میں ایسے چکرائے ہیں کہ انہوں نے کوئی گھر نہیں چھوڑا کی مثال کی طرح تمام ٹوٹکے آزمائے پر اثر ندارد۔ ان بیچاروں کو مصیبت میں دیکھ کر ہمارے شرارتی ذہن میں بھی کچھ آئیڈیاز کلبلا رہے ہیں جنہیں انتہائی معذرت اور خوف ساتھ پیش کر رہا ہوں کیونکہ کوئی پتہ نہیں کچھ روز بعد میرے گھر والے بھی لاپتہ افراد کے مظاہرے میں میری تصویر لیے میری بازیابی کے نعرے لگا رہے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو پلیز میرا ساتھ دیجیے گا!

ہاں تو جناب ! ہیوی ڈیوٹی، موٹے اور توندی صاحبان کو سب سے پہلے تو سادہ پانی کی جگہ اجوائن کا پانی پلایا جائے۔ چوعرقہ، عرق دسمول اور مزید کوئی سوٹ ایبل سا عرق پنساری سے لیکر انکے لیے صبح شام لازم قرار دے دیا جائے۔ کلونجی ہر وقت انکی جیب میں ہو جسے کہ چیونگم کی طرح یہ وقت بے وقت چباتے رہیں۔ روٹی خشک سالن کی بجائے بغیر پیاز کے بنے تیرتے سالن میں ڈبو کر ایک

دن میں صرف ایک دی جائے۔ روزانہ ایک گھنٹہ نان سٹاپ ورزش کسی فوجی کی زیر نگرانی ہو۔ گھر سے تھانے یا ڈیوٹی کی جگہ تک گاڑی کی بجائے سائیکل پر یا پیدل آئیں۔ گھر کے بچے صحن یا لان کی بجائے انکے پیٹ پر کھیلیں اور اچھلیں کودیں۔ گھر کے جھاڑو پوچے اور برتن کا کام آکڑوں بٹھا کر بیوی کے بجائے ان سے کرایا جائے تاکہ بیگم بھی کچھ ریلیکس ہو سکے۔ تمام تھانوں سے میز کرسی ہٹا کر دریاں بچھا دی جائیں اور آکڑوں بیٹھ کر کام کرنے کے آرڈر جاری ہوں۔ چور پکڑنے کے لیے پیدل بھاگا جائے۔ یوگا کی مشقیں اگر کر سکیں تو ٹھیک ورنہ انہیں یوگا کی کلاسیں اٹینڈ کرائی جائیں۔ نماز کی پابندی کرانے کے ساتھ ساتھ انہیں پوری نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جائے۔ بلکہ دن میں دیگر نمازیں مثلاً: تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، صلات التسبیح اور دیگر نوافل وغیرہ بھی پڑھنے کی ترغیب دی جائے۔

دہی، دودھ لسی، چاول، انڈا، چاکلیٹ، گوشت چھوٹا، بڑا، مچھلی وغیرہ انکے لیے ایسے ہی منع ہو جیسے شیرون سٹون کو کپڑوں میں دیکھنا منع ہے۔ حمیرا ارشد کے شوہر کی طرح انہیں بھی صرف ابلی ہوئی سبزیوں اور دالوں پر ٹرخایا جائے۔ خاص طور سے جیل کے بنے کھانے اور ریت ملی روٹی دی جائے۔ جیل کی چکی پیسنے والی جگہ پر ہر روز ایک گھنٹہ تک ہر توند والا چکی پیسے یا مالشی، بہشتی کا کام کرے۔ تمام تھانوں سے پنکھے اتروا کر ہاتھ والے پنکھے

پکڑا دیے جائیں۔ مہینے میں ایکبار ٹائیفائڈ، ملیریا، یا یرقان زبردستی کرا دیا جائے تاکہ کچھ ہولے ہو سکیں۔

ٹینشن یہ لیتے نہیں انہیں ہر وقت صرف اٹینشن اور حالتِ ڈیوٹی میں رکھا جائے۔ ڈیوٹی ٹائم زیادہ اور سونے کا ٹائم کم ہونا چاہیے۔ انکی بیویاں لازما ایک سے زیادہ ہوں۔ انکی شادیاں چھانٹ چھانٹ کر لڑاکا عورتوں سے کرائی جائے تاکہ گھر میں بھی انکی ورزش ہوتی رہے۔ ڈیوٹی ایسی پبلک پلیس پر ہو جہاں پر حملے اور بلوے کے چانس زیادہ ہوں۔ سزا کے طور پر انہیں وہ سزائیں دی جائیں جو کہ یہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ دودھ والی چائے کہ جگہ سبز چائے پلائی جائے۔ ہفتے میں ایک بار جلاب آور دوا ضرور استعمال کرائی جائے۔ ماہانہ کونسلنگ کے لیے اسمارٹ، ہینڈسم اور خوبصورت لڑکیوں سے ملوایا جائے۔ ہر تھانے میں درجن بھر پولیس خواتین لازمی ہوں تاکہ ہر بندہ انہیں دیکھ کر اسمارٹ نظر آئے اور ٹائم پر آئے۔ مزید یہ کہ ڈھول والے ڈھول کی جگہ توند کو پیٹیں تو اس سے بھی بہت سا فرق پڑ سکتا۔ توند پر سرسوں کے تیل میں بھیگا چھتریا ڈنڈا، یعنی مولا بخش کا استعمال بھی کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ پولیس والوں کے اپنے چھترول کے طریقے مثلا: تلوے کوٹنا، چھت سے لٹکانا، چیرا لگانا، جسم پر ہری مرچیں ملنا جیسے طریقے اگر خود ان پر بھی ٹرائی کے طور پر آزمائے جائیں جائیں تو یہ بھی وزن یا توند کم کرنے میں

مدد گار ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسکے علاوہ اگر ہم مزید طریقے ڈھونڈیں تو ہمیں یاد آیا کہ ایک انگریز ماڈل گرل بیچاری صرف اس لیے وفات پا گئی تھی کہ وہ اسمارٹ رہنے اور پیٹ نہ نکلنے دینے کہ وجہ سے روٹی ہی نہیں کھاتی تھی صرف فروٹ پر گزارا کرتی تھی۔ تو کیا ہمارے پولیس بھائی ایسا کر سکتے ہیں؟افریقی ممالک کے لوگوں کا تو پیٹ یا توند ہوتی ہی نہیں کہ پیٹ ہی کمر کے ساتھ لگا ہوتا ہے کیونکہ انہیں کھانے کو پورا نہیں ملتا۔ تو کیا ہمارے ہاں ایسا ہو سکتا ہے؟؟اکثر اغوا ہوئے افراد فرار ہو کر کئی کئی روز پہاڑوں پر چل کر گھر پہنچتے ہیں۔ انہیں بھی اغوا کرکے یا پہلے زمانے کے سیاستدانوں کی طرح جنگلوں میں ننگے پاؤں چھوڑ دیا جائے تاکہ پیدل چل چل شہر آتے آتے انکا تراہ نکل جائے۔ویسے تو بازار میں وزن اور توند کم کرنے کے لیے چائے، دوائی، بیلٹ، کریم اور دیگر بہت کچھ دستیاب ہے پر مذکورہ طریقے زیادہ کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسکے علاوہ کہتے ہیں کہ کالی مرچ کا زیادہ استعمال بھی وزن کم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ہمت ہے تو رسی کود کر دیکھ لیں اس سے بھی بہت فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ایک دوست بیچارے رسی کودنے کے چکر میں ہمشہ ہی اوندھے منہ گرے پڑے ہوتے ہیں کہ اکثر رسہ انکے پاؤں میں پھنس جاتا ہے۔ ایک صاحب ہیں کہ

بار بار اپنے گھر کی سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے ہیں کہ وزن کم ہو جائے۔ ویسے اسطرح بار بار کوٹھے چڑھنے سے ہمسایوں کے ہاں پکنے والے پکوانوں کا بھی پتہ چل جاتا ہے یا پھر اسی بہانے بندہ انکے حال چال ہی وٹ لیتا ہے۔

لیکن خیال رہے کہ اس معاملے میں زیادہ تیزی نہ دکھائی جائے اور نہ ہمسایوں کے ہاں لائن ماری جائے کہ کہیں وزن کم کرنے کے چکر میں ہسپتال نہ پہنچ جائیں۔

وہ کہاوت ہے نہ کہ صبح کا ناشتہ بادشاہوں کی طرح، دوپہر کا کھانا شہزادوں کی طرح اور رات کا کھانا فقیروں کی طرح ، تواس مثال کو کچھ اسطرح کرنا ہوگا کہ صبح کا ناشتہ صرف لیموں پانی، دوپہر کا کھانا دو روپے کے چنے، رات کا کھانا ایک چھٹانک دودھ۔ پھر دیکھیں کیسے وزن اور توند کم نہیں ہوتی۔

آجکل پنجاب کے خادم اعلیٰ مینار پاکستان پر کیمپ لگائے ہاتھ سے پنکھا جھول رہے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اس کام پر بھاری بھر کم پولیس والوں کی ڈیوٹی لگادیں جو کہ چوبیس گھنٹے بس یہی کام کریں تاکہ انکا بھی کچھ بھلا ہووے۔اسکے ساتھ ساتھ تمام تھانوں سے پنکھے اتروادیے جائیں ، ہاتھ والے پنکھے بھی نہ دیے جائیں تاکہ پسینہ بہنے سے انکے وزن میں کچھ کمی آسکے۔

آخر میں پولیس والے بھائیوں کو اگر کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت ۔پر اگر لگی ہو تو
دو روٹی زیادہ مت کھانا، ورنہ پھر وزن۔۔؟شکریہ۔

جملے بنانے اور کہنے کا صحیح طریقہ

ہماری روز مرہ کی زندگی، خبروں، اخبارات اور بالخصوص سرکاری خبروں میں کچھ لفظوں کا استعمال تواتر کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسے ہی کچھ الفاظ کو جملوں میں استعمال کیا گیا ہے، امید ہے کہ پسند آئیگا۔

انکوائری: حادثے کے بعد فوری انکوائری کا حکم دے دیا گیا۔ (پچھلے پانچ سال سے رپورٹ کا انتظار ہے)

امداد: حکومت کی طرف سے حادثے میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے لیے فوری امداد کا اعلان کر دیا گیا (چار سال بعد ملے گی)

واقعات: وزیر۔۔ نے کہا ہے کہ اسطرح کے واقعات دوبارہ نہیں ہونے دینگے (ہر واقعے کے بعد یہی کہا جاتا ہے)

فوری: حادثے کے فوری بعد کاروائی کا حکم (ملزم سال گزرنے کے بعد بھی نہ پکڑے گئے)

اتفاق رائے: دو وزرائے اعظم کی ملاقات کے بعد ہمیشہ باہمی اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔
(عوام کو اسمیں کچھ نہیں پاتا)

مشترکہ مفادات: مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس مفادات کے لیے ہر سال ہوتا ہے
(اپنے اپنے مفادات)

مشترکہ اعلامیہ: ہر میٹنگ کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جاتا ہے۔ (جو صرف
(اعلامیے کی حد تک محدود رہتا ہے

باہمی دلچسپی: ہمیشہ دو صدور میں صرف باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا
(جاتا ہے۔ (عوام کو سائڈ پر رکھ کر

سخت انتظامات: ہر دھماکے کے بعد سیکورٹی کے سخت انتظامات کیے جاتے ہیں۔ (وی آئی
(پیز کے لیے صرف

قانون شکنی: واقعے کے بعد قانون شکنوں سے نمٹنے کے لیے سخت وعید دی جاتی ہے۔
(بجلی چوری پکڑنے پر وزیر موصوف کی ادارے کو دھمکی؟)

فلاح و بہبود: عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبوں کا افتتاح کیا گیا۔ (کونسی عوام کی فلاح و بہبود) ؟؟

کیفر کردار: وزیر موصوف نے فرمایا کہ تمام ملزموں کو کیفرَدار تک پہنچایا جائیگا۔ (اگلی صدی آنے تک)

دعا گو: ہمارے بڑے؟؟ ہمیشہ ہماری کامیابیوں کے لیے دعا گو رہتے ہیں (ہمیں لوٹنے کے بعد)

خون بہانے کی اجازت: کسی کو ناحق خون بہانے کی اجازت نہیں دی جائیگی (پچاس، سو بندے مرنے کے بعد یہی بیان آتا ہے)

وسائل بروئے کار: ملزموں کو پکڑنے کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں گے۔ (کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک)

سانحے پر افسوس: ہمارے ہاں سانحہ ہونے کے بعد سانحے پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ (صدیوں پرانی قدیم روایت ٹوٹنے نہ پائے)

(قلع قمع: ڈاکوؤں کا قلع قمع کر دیا جائیگا۔ (لٹنے کے بعد یہی بیان آتا ہے

مراعات: اسمبلیوں میں بیٹھے غریبوں کے لیے مزید مراعات کا اعلان۔ (عوام سے

(درخواست کہ اپنا صدقہ، خیرات، زکوتہ بھی وہیں دیں

خدمات سراہنا: فلاں ۔۔۔۔ کی گرانقدر خدمات کو سراہا گیا۔ (مرنے کے بعد ہی سراہا

(جاتا ہے، زندگی میں صرف ہرلایا جاتا ہے

بعد از مرگ: فلاں ۔۔۔۔۔ کو بعد از مرگ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ (زندگی میں نوازتے

(تو۔۔۔۔۔۔؟؟؟

ناگواری: کرپشن ثابت ہونے پر ناگواری کا اظہار کیا گیا۔ (ناگواری اس لیے کہ یہ

(ثابت کیوں ہوئی

مبارکباد: عیدین پر تمام سیاستدان عید کی مبارکباد وصول کرتے ہیں (گواہوں کے

(مکرنے پر بری ہوں تو بھی گھر جا کر مبارکباد پیش کی جاتی ہے؟

انتہائی کامیاب: گورے صاحب سے مذاکرات انتہائی کامیاب رہے۔ (آئی ایم ایف سے

(ہمارے مذاکرات ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں

اعزاری ڈگری: انتہائی اہم شخصیت کو اعزاری ڈگری سے نوازا گیا (جو پڑھ لکھ کر پاس کر (کے حاصل نہ کر پائیں تو پھر یونہی ہوتا ہے

منہ کی کھانا: ٹی وی ٹاک شو میں ایک سیاستدان کی وجہ سے دوسرے کو منہ کی کھانا (پڑی (ٹاک شو کے بعد سب مل بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں

نیندیں حرام کرنا: آجکل کے جلسے جلوسوں نے عوام کی نیندیں حرام کر دی ہیں (عوام کی (نیند اور چین تو پہلے ہی بجلی، گیس کے بل دیکھ کر اڑ چکی ہے

سونامی: عوام کو ہر روز سونامی سے ڈرایا جارہا ہے (سونامی کے ڈر سے عوام کی بجائے (چور اچکے اکٹھے ہو رہے ہیں

این آر او: این آر او کیس کا فیصلہ سنا دیا گیا (فیصلے تو بہت سے سنائے جا چکے، عمل ہو تو (مانیں نہ

(ریلیف دینا: ۔۔۔کے مطابق عوام کو جلد ریلیف دیا جائیگا (تدفین کے ریٹ میں

میں نہیں مانتا: آجکل ہر تیسرا سیاستدان یہی راگ گا رہا ہے (جب بوٹاں والے آن گے
(تو سبھی مان جاتے ہیں

سول نافرمانی: ۔۔۔۔ نے کہا ہے کہ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے (اب تلک
(سنتے ہی آئے ہیں، اس بار تو چلا ہی دیں

عام معافی کا اعلان: ۔۔۔ علاقے میں ہتھیار ڈالنے پر عام معافی کا اعلان (کاش پاکستانی
(عوام کو کوئی ان سیاستدانوں سے بھی معافی دلادے

ناقابلِ فراموش: قائداعظم نے تحریکِ پاکستان میں ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا
(اور موجودہ لیڈروں نے؟)

تردید: میڈونا اپنی ہر شادی کے تردید کرتی ہے (ہمارے ہاں بھی انکے؟ بیانات کی تردید
(کے لیے ایک خاص بندہ رکھا گیا ہے

پول کھولنا: کسی کے پول کھولنا بری بات ہوتی ہے (ہمارے میڈیا پر تو روز راتکو مردُ
(اور خواتین لیڈر ایک دوسرے کے پول کھولتے ہیں

ارزاں نرخوں: عوام کی روزمرہ کی اشیاء ارزاں نرخوں پر فراہم کی جائینگی (تبھی تو
(! ہمارے ایک صدر صاحب غیر ملکی تحائف ارزاں نرخوں پر لینے میں سرِ فہرست رہے
مرکز: زلزلے کا مرکز ہمیشہ کوہ ہندوکش ہوتا ہے (ہمارے خیال میں یہ ہر اسٹیج اداکارہ
(کے پاؤں کے نیچے ہوتا ہے
شاباش: امتحان میں اچھے نمبر ملنے پر استاد نے شاگرد کو شاباش دی (ہمارے ہاں عوام
(کو نان ایشوز میں الجھانے والے کو شاباش دی جاتی ہے
کالے کرتوت: ہمارے سیاستدان اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے شور مچاتے
(ہیں (اگر یہ کرتوت نظر آجائیں تو
سینہ زوری: غلط کام کے لیے سینہ زوری اچھی بات نہیں (سینہ زوری ہوتی ہی غلط کام
(کے لیے ہے
ڈھٹائی: ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے میں ہمارا ملک بہت آگے ہے (گوئبلز کے قول پر

(ڈھٹائی سے عمل ہمارے ہی ملک میں ہوتا ہے

(ہٹ دھرمی: ہر جگہ ہٹ دھرمی اچھی بات نہیں ہوتی (اسکا مظاہرہ تو ہم روز دیکھتے ہیں

دیدہ دلیری: مشکل حالات میں دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے (ہمارے ہاں اس دیدہ (آنکھ) دلیری کا مظاہرہ ہر روز عوام پر ہوتا ہے)

سزا: ملزم سزا پانے کے بعد جیل سے رہا ہوگیا۔ (آجکل تو لوگ سزا کو سزا ہی نہیں (مانتے، جیل کہاں سے جائیں گے

جھوٹ: جھوٹ بولنا اچھی بات نہیں۔ (پر ہمارے ہاں تو جتنا جھوٹ بولو اتنا ہی اچھا اور بڑا عہدہ ملتا ہے) ؟؟۔

موٹا میاں پتلی بیوی

ظہیر صاحب بیچارے اپنی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں کافی عرصہ سے پریشان تھے مگر کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہ مل پا رہا تھا۔اگر کوئی رشتہ پسند بھی آتا تو کوئی نہ کوئی نقص نکال کر بیگم صاحبہ اس رشتے کو ویٹو کر دیتی تھیں۔ پھر ایک روز ایک جاننے والے کے توسط سے ایک جگہ رشتے کی بات شروع ہوئی اور لڑکے والے لڑکے سمیت لڑکی کے گھر آن وارد ہوئے۔ ظہیر صاحب نے نوکر کو کہا کہ جلدی سے بیگم صاحبہ سے کہو کہ لیپا پوتی چھوڑ کر یہاں آ جائیں مہمان آ گئے ہیں۔میاں کے جلدی کے آرڈر سنکر پہلے تو بیگم صاحبہ نے حسبِ معمول کچھ خفگی کا سا اظہار کیا اور واپس میسج بھجوایا کہ میک اپ تو پورا کر لینے دیں۔ میاں صاحب نے دوبارہ پیغام ارسال کرایا کہ پورا میک اپ نہ کرنا صرف ایک اسٹک لگا لینا کہ کہیں لڑکے والے بیٹی کی بجائے اس عمر میں تمہارا ہی رشتہ نہ مانگ لیں اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں۔ خیر جناب ! بیگم صاحبہ کے آنے پر میاں صاحب نے ایک سائڈ میں لیجا کر بیگم کو مزید سمجھایا کہ بیگم مہمانوں کے سامنے ذرا پیار سے بات کرنا، ڈانٹ ڈپٹ بالکل نہیں کرنی ہے۔.بڑا ہی معصوم اور بھولا بھالا بچہ ہے انکا، کہیں ڈر کر بھاگ نہ جائے،.بڑی مشکل سے تو ایک رشتہ ہاتھ آیا ہے۔ بیگم صاحبہ بھی کڑا کر بولیں کہ ہاں جی ! مجھے پتہ ہے شادی سے پہلے تم تمام مرد اسی طرح

بھولے اور معصوم لگتے ہو، تمہاری اصلیت تو شادی کے بعد کھلتی ہے جب تمام عیاریاں اور چالاکیاں سامنے آتی ہیں۔ میاں نے عورتوں کی طرح انگلی منہ میں دبائی اور جواب داغا کہ آدمی کی نہیں دراصل عورت کی اصلیت سامنے آتی ہے، جب وہ صبح دم منہ دھو کر واش روم سے باہر نکلتی ہے۔اور بیگم کو مزید یاد دلایا کہ ہم تو جب سے آپکے سحر میں کھوئے ہیں ویسے ہی تمام عیاریاں اور چالاکیاں ویسے ہی بھول چکے۔

بہر حال! ظہیر صاحب نے ڈرائنگ روم میں آکر سب سے باری باری تعارف کراکر چائے پانی کا پوچھا اور ہونے والے داماد کے پاس جاکر بولے کہ بیٹا آپ کیا لوگے ؟۔ ہونے والا دولہا بولا کہ انکل میں تو دودھ پیوں گا اور وہ بھی نیڈو کا۔ نوکر سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ کہ گھر میں دودھ صرف چائے کے لیے ہے پینے کے لیے نہیں ہے۔ ظہیر صاحب نے لڑکے سے جب کام وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو لڑکے نے بتایا کہ ابو کے دفتر میں کام کرتا ہوں اور جب کبھی انکی سیکریٹری انسے فارغ ہو تو اس سے گپ شپ بھی کر لیتا ہوں۔ لڑکے کے باپ نے فورا بیٹے کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! جو دفتر کی باتیں باہر بتائیں۔ بیٹے صاحب بھی بہت تیز تھے اور فورا جواب دیا کہ ابو آپ ہی تو کہتے ہیں کہ ہمیشہ سچ بولا کریں۔ ظہیر صاحب نے لقمہ دیا کہ بھئی بڑے خوش نصیب ہیں آپ کے والد کہ سیکریٹری سے بھی کبھی کبھار گپ شپ کر لیتے ہیں، ورنہ ہمیں تو اسی ایک بیگم

پر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ ظہیر صاحب نے لڑکے سے مزید پوچھا کہ بیٹا اور کیا مشاغل ہیں آپکے۔ تو لڑکے صاحب بولے کہ انکل مجھے شاعری بہت پسند ہے۔ شعر سناؤں آپکو:

ہزاروں لڑکیاں ایسی کہ ہر لڑکی پہ دم نکلے
مگر جو دل کو پسند آئے وہ گھر سے کم نکلے

چپ بد تمیز کیسے بیہودہ شعر سناتا ہے، لڑکے کے ابا نے فورا بیٹے کو ڈانٹا۔ ظہیر صاحب نے مزید پوچھا کہ اچھا اور کیا پسند ہے آپ کو۔ لڑکا بولا کہ انکل مجھے نہ مٹن فرائڈ رائس اور چکن فرائڈ رائس بہت پسند ہیں۔ ظہیر صاحب دل ہی دل میں بڑبڑائے کہ بیٹا شادی کے بعد تو آپکو صرف انڈا فرائی پر گذارہ کرنا پڑے گا کہ ہماری بیٹی کو صرف انڈا ہی فرائی کرنا آتا ہے۔

کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ہونے والے دولہے نے کھانے کی تعریف میں پل باندھ دیے کہ انکل کھانا بہت اچھا تھا اور لڑکے صاحب نے اپنے ڈیل ڈول کے حساب سے اتنا کھایا کہ کچھ بھی نہ چھوڑا۔ روٹی، قورمہ، شامی، بریانی، کھیر، کباب اور اوپر سے دو لیٹر پیپسی کے بھی چڑھا گیا۔ لڑکے نے مزید پوچھا کہ کیا کھانا آنٹی نے بنایا تھا، تو ظہیر صاحب نے فورا جواب دیا کہ نہیں بیٹا یہ

تو نوکر کے ہاتھوں کا کمال ہے۔ اگر بیگم بناتیں تو آپ کا کھانا پیٹ کے اندر جانے کی بجائے باہر آ جاتا۔ بیگم صاحبہ نے گھور کر میاں کو دیکھا اور بولیں کہ کھانا کھانے کا اتنا ہی شوق تھا تو کسی کھانا بنانے والی سے شادی کر لیتے، مجھے کیوں لائے تھے۔ اس سے پہلے کہ لڑائی شروع ہوتی ہونے والے داماد نے پھر پوچھا کہ اچھا انکل آپکی بیٹی شوہر کو مارتی تو نہیں ہیں نہ ہماری امی کی طرح۔ جیسے کل انہوں نے ابو کے ہاتھ پر چمٹا مارا تھا، دیکھیں نشان۔ لڑکے کے ابا نے فوراً بیٹے کو پھر ڈانٹ کر چپ کرایا کہ بد تمیز گھر کی باتیں باہر بتاتا ہے۔ لڑکے نے تھوڑے سے توقف کے بعد پھر پوچھا کہ انکل شامی کباب کیا گائے کے گوشت کے تھے۔ ظہیر صاحب بولے کہ نہیں بیٹا، اونٹ کے گوشت کے تھے، آپ کو کیسے لگے؟ لڑکا بولا کہ بہت اچھے تھے۔ اسطرح کھانے اور دیگر رشتہ داری کے سوال و جوابات کے بعد یہ میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچی۔ لڑکے والوں کو بتایا گیا کہ ہم مشورہ کر کے بتائیں گے کہ آپکے ہٹے کٹے گینڈے سے لڑکے کو اپنی معصوم سی، بھولی بھالی، دبلی پتلی، نازک اندام بیٹی کا رشتہ دیا جائے کہ نہیں۔؟؟

مہمانوں کے جانے کے بعد ظہیر صاحب نے بیگم سے پوچھا کہ کیا خیال ہے بیگم کہ اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ اس موٹے تازے، پلے پلائے ہاتھی جیسے صحتمند، ہٹے کٹے لڑکے سے کر دیں؟ بیگم صاحبہ سنکر بہت خفا ہوئیں کہ دیکھو تو کتنا

موٹا سانڈ سا لڑکا تھا ایک بازو ہی بیس کلو کی ہو گی اور ایک ٹانگ دیکھو تو ایک من سے کیا کم ہو گی۔ اس اتنے موٹے لڑکے سے رشتہ کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اپنی بچی کو ایک ہی بار کسی ریلوے انجن کے نیچے نہ دے دیں!۔ یہ کہ کر بیگم صاحبہ نے گذشتہ تمام رشتوں کی طرح اس رشتے کو بھی ریجیکٹ کر دیا اور ظہیر میاں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

مولانا فضل الرحمٰن اور چوہدری شجاعت یوگا کیسے کریں گے؟

ایک خبر کے مطابق مولانا فضل الرحمٰن اور چوہدری شجاعت دونوں نے یوگا کی ورزشوں میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ چلیں کوئی تو ایسی چیز ہے کہ جس پر ہماری دو جماعتوں کے سربراہوں نے اکٹھے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ تو ہر کوئی اپنا مندر الگ بنائے رام رام کہتے پھرتا ہے۔ پہلے تو ہم آپکو یہ بتائیں کہ یوگا کیا ہے؟ دراصل میں یوگا ایک سانس کی ورزش ہے جسمیں کہ ناک کے ذریعے سانس اندر کھینچ کر ناک ہی کے ذریعے باہر نکا لا جاتا ہے اور جوابا جو گرم گرم سی ہوا باہر نکلتی ہے بقول یوگیوں کے کہ یہی بیماریوں سے شفا دیتی ہے۔یعنی اندر کی باسی ہوا باہر اور باہر کی تازی ہوا اندر جا کر جسمانی نظام کو بہتر کر دیتی ہے۔

اگر آپ نے کبھی غور کیا ہو تو فضل الرحمٰن صاحب تو ویسے ہی اتنے زور زور سے سانس لیتے یعنی پھوکے مارتے ہیں کہ ہم جیسا کمزور سا بندا اگر سامنے ہو تو ویسے ہی ہوا میں اڑ کر درخت پر جا اٹکے، تو انہیں بھلا یوگا کی کیا ضرورت ؟۔ کہیں یہ بیچارے یوگا کے آسن کرتے کرتے کسی روز اپنا گھر ہی نہ اڑوا بیٹھیں۔ ویسے تو انڈونیشیا کی حکومت نے یوگا کی ورزشوں کو خلاف اسلام قرار دیکر اس پر پابندی لگا دی ہے تو مولانا صاحب کس طرح اور کس منہ سے یہ خلاف اسلام

ورزشیں کیا کریں گے؟۔ دوسرا یہ کہ مولانا صاحب تو شاید دل کا بائی پاس بھی کرا چکے ہیں تو ایسے لوگوں کو تو ویسے ہی اسطرح کی ورزشیں منع ہوتی ہیں تو پھر؟؟ مشہور انڈین فلمی اداکارہ شلپا سیٹی کہتی ہیں کہ یوگا سے میری زندگی میں انقلاب آگیا ہے۔ بلکہ اکثر بالی وڈ اور ہالی وڈ کی اداکارائیں فٹ ، سمارٹ اور خوبصورت رہنے کے لیے یوگا کے آسن کرتی نظر آتی ہیں۔ تو کہیں انکی فٹ ۔ نسیں ۔ دیکھ کر تو ہمارے مولانا نہیں بہک گئے۔؟؟ یوگا کے بہت سے پوسٹیور یعنی ورزش کے انداز ایسے ہیں کہ کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا پڑتا ہے، کسی میں منہ کے بل لیٹنا ہوتا ہے، کسی میں الٹا لیٹنا، کسی میں سیدھا۔ کسی میں ہاتھ اوپر تو کسی میں نیچے کرنے پڑتے ہیں۔ تو کیا یہ سب کچھ ہمارے لحیم شحیم مولانا صاحب کر پائیں گے؟ یوگا میں ایک ورزش کا نام ۔۔ کرسی ورزش ۔۔ بھی ہے اسمیں دونوں ہاتھوں کو آگے کی طرف سیدھا کرکے جسم کو کرسی پر بیٹھنے کے سے انداز میں موڑا جاتا ہے اور پھر سانس اندر باہر کرنا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ورزش مولانا کی پسندیدہ ترین ورزشوں میں سے ہوگی کہ وہ روزانہ جسم کو موڑ موڑ کر کرسی اقتدار پر بیٹھنے کی مشق کرتے رہا کریں گے۔

بات ہو مولانا کی تو تحفظات اور تہتر کے آئین کی بات تو لازمی ہوگی۔ تو ہو

سکتا ہے کہ مولانا کو ان یوگا کی ورزشوں پر بھی تحفظات ہوں کہ تہتر کے آئین کے تحت ان ورزشوں پر ہم سے مشاورت نہی کی گئی لہذ ہم اسکا حصہ نہیں بنیں گے۔ پھر انکے تمام تر تحفظات کچھ ادھر ادھر ملاقاتوں اور لینے دینے ؟؟ کے بعد دور بھی بہت جلد ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں انکے تحفظات کون دور کرے گا؟ کہ زیادہ تر یوگی تو غیر مسلم ہوتے ہیں اور ہمارے ناپسندیدہ ملک بھارت میں پائے جاتے ہیں تو کیا مولانا انسے ڈائریکٹ مشاورت کریں گے یا پھر دارالعلوم دیوبند کے تھرو ملیں گے ؟؟

یوگا میں ایک ورزش ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس میں ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ میں پھنسا کر دونوں ہاتھ تھائیز پر رکھ کر بیٹھتے ہیں اور پھر سانس اندر باہر کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے مولانا کا تو وزن ہی اتنا ہے کہ کہاں موٹی تازی ٹانگوں کو موڑ کر اسطرح کا پوسٹیور دے سکیں گے۔ اسی طرح ایک ورزش میں پیٹ کو فرش کے ساتھ لگا کر اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹانگیں پکڑنی ہوتی ہیں اور سر سیدھا رکھنا پڑتا ہے۔ اس چکر میں مولانا بیچارے کہیں اپنی ٹانگ یا بازو وہ ہی نہ اتروا بیٹھیں۔ اسی طرح کہیں پر جنگجو کے پوز بنانے ہوتے ہیں تو کہیں گھٹنے پکڑ کر ورزش کرنی ہوتی ہے، کہیں ہاتھ کمر کے پیچھے گرپ کرکے ورزش کرنی ہوتی ہے تو کہیں برج کی طرح کمر اور پیٹ کو اٹھانا اور جھکانا پڑتا ہے۔ کہیں آدھا ڈپ تو کہیں اونٹ کا سا پوز۔ تو کیا مولانا صاحب اپنے اس بھاری

بھر کم ڈیل ڈول کے ساتھ یہ سب کر پائیں گے ؟؟۔ ہم نے تو یوگا کے ایسے پوز بھی دیکھے ہیں کہ جہاں یوگی یوگا کی مدد سے اپنے جسم کو کئی انچ ہوا میں معلق کر لیتا ہے۔ کیا مولانا یہ سب کر پائیں گے اتنے وزن میں ؟؟ اور یہ کہ یوگی تو کئی کئی روز بھوکے پیاسے بھی رہ لیتے ہیں صرف یوگا کی ورزشوں کی تقویت سے۔ تو کیا مولانا بھوکے رہ سکیں گے ؟؟؟ ویسے ہمیں تو یہ سب سازش لگتی ہے کہ کہیں کسی نے انہیں گلے الیکشن میں وزیر اعظم بننے کے پیشن گوئی کر دی ہوگی تبھی تو موصوف سمارٹ بننے کے چکر میں یوگا کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ یا پھر یہ بھی کہیں امریکن سازش تو نہیں کہ ہمارے مولانا کو سمارٹ کرا کر مارنے کے چکر میں ہوں ؟؟۔ یا پھر مولانا سمیع الحق کی طرح اس عمر رفتہ میں کہیں ایک اور ش۔ا۔۔د۔۔ی۔۔ کو آواز تو نہیں دے رہے، کیا خیال ہے آپکا۔؟؟

ہمارے ملک کے ایک مشہور و معروف سیاستدان نے یوگا کر کر کے پونی در جن شادیاں کھڑکا دی تھیں اور اب بھی وہ ستر سال کی عمر میں صرف سترہ سال کے دِکھتے ہیں۔ تو کہیں مولانا پر بھی انکی صحبت کا اثر تو نہیں آگیا؟۔ مزید یہ کہ یوگا کرنے والے ڈریس بھی بڑا ہی فٹ قسم کا پہنتے ہیں کہ انگ انگ صاف نظر آتا ہے۔ سوچیں کہ اگر مولانا صاحب اسطرح؟ کا ڈریس زیب تن کیے ہوں تو بھاری بھر کم جس پر کیسا لگے گا؟ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے خیال میں مولانا صاحب کو یوگا سوٹ نہیں کریگا۔ بہتر ہے کہ

وہ والی بال یا فٹ بال کھیلیں۔

اب رہی بات چوہدری شجاعت صاحب کے یوگا کرنے اور سیکھنے کی تو دیکھیں کہ وہ اپنے انسٹرکٹر یعنی یوگا سکھانے والے سے کیسے گفت و شنید فرمائیں گے۔انسٹرکٹر کہے گا کہ سر جی ہاتھ اوپر کریں، انہوں نے کہنا ہے کہ میں نے کونسا جرم کیا ہے کہ ہاتھ اوپر کروں؟۔ انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں ،وہ کہیں گے کہ کیا بھیک منگانی ہے۔ ؟انسٹرکٹر کہے گا کہ الٹے لیٹ جائیں وہ کہیں گے کہ کیا چھترول کرنی ہے؟۔ انسٹرکٹر کہیگا کہ آکڑوں بیٹھیں انہوں نے کہنا ہے کہ پوٹی نہیں آ رہی؟انسٹرکٹر کہے گا کہ سر جنگجو والا پوز بنائیں تو انہوں نے جواب دینا ہے کہ کیا مجھے طالبان سمجھ رکھا ہے؟ انسٹرکٹر کہے گا کہ سر ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جائیں، چوہردی صاحب فرمائیں گے کیا توں سبق یاد کرا ما اے؟۔ انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سر سانس اندر کھینچ کر روک لیں تو بولیں گے کہ کیا میں نے کوئی حور دیکھ لی ہے؟ انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سر سانس اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں انہوں نے کہنا کہ کیا تو نے مجھے موت کا منظر دکھانا ہے؟ انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سر ہاتھ باندھ کر سیدھے کھڑے ہو جائیں انہوں نے کہنا ہے کہ کیا تم نے مجھے قومی ترانہ سنانا ہے یا نماز سکھانی ہے۔ انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ دونوں

ہاتھ سر سے اوپر کر کے سیدھے کھڑے ہو جائیں انہوں نے کہنا کہ کہ تو نے مجھ سے نرگس والا ڈانس کرانا ہے؟انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ ہاتھ کی صرف دو انگلیوں سے ناک پکڑیں انہوں نے کہنا ہے کہ کیا باقی سوتیلی ہیں؟انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ ٹھوڑی کو سینے کے ساتھ لگائیں انہوں نے کنا ہے کہ تیرے کے اپنے؟؟انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ کرسی والا پوز بنائیں انہوں نے کہنا ہے کہ کرسی آجکل چیچی بھائی کے پاس ہے۔انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ زبان باہر نکال کر سیٹی کی سی آواز نکالیں۔انہوں نے کہنا ہے کہ کیا کڑی پٹانی ہے۔انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سانس روک کر رکوع کی طرح جھک جائیں انہوں نے کہنا کہ کیا توں مینوں کک مارنی اے؟انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سر ٹانگیں پسار کر اپنے گھٹنے پکڑیں انہوں نے کہنا ہے کہ یار مجھ سے گھٹنے نہیں پیر پکڑوا۔انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ سیدھا لیٹ کر سینہ اور کمر اوپر اٹھائیں انہوں نے کہنا کہ یار ایسے گندے پوز میں نہیں دے سکتا۔انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر اوپر دیکھیں تو انہوں نے کہنا ہے کہ کیا دن میں تارے نظر آئیں گے۔انسٹرکٹر نے کہنا ہے کہ کمر فرش پر اور ٹانگیں دیوار پر ٹکائیں انہوں نے کہنا ہے کہ توں مینوں سپائڈر مین بنانا اے۔غرضیکہ تھوڑی ہی دیر بعد تنگ آکر انہوں نے انسٹرکٹر کو کہنا ہے کہ ۔۔۔چھڈ یار کیڑھی پھسوڑی وچ پا دتا اے۔۔۔مٹی پاؤ تے بیٹھو روٹی شوٹی کھا کے جانا۔انسٹرکٹر کو ویسے بھی انکی باتیں ٹھیک سے سمجھ نہ آسکیں گیں اور وہ بھی بھاگنے میں ہی عافیت

جائیگا۔ ویسے بھی چوہدری صاحب اسمارٹ اور ہینڈسم آدمی ہیں انہیں بھلا یوگا کہ کیا ضرورت۔؟

تو دیکھا جناب آپ لوگوں نے کہ یوگا کی ورزشیں کتنی مشکل ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ ویسے خود کو فٹ سمارٹ اور صحت مند رکھنے کے لیے ہے اچھی چیز۔ تو کیا آپ بھی یوگا سیکھنا اور کرنا پسند کریں گے۔؟؟؟

پکوڑے کھانے کا عالمی ریکارڈ؟

کیا دنیا میں، بالخصوص اپنے پیارے پاکستان میں کوئی ایسا شخص ہوگا جو پکوڑے جیسی لذیذ نعمتِ خداوندی سے منہ موڑے؟ بھاویں کوئی بچہ ہو دو سال کا یا بابا ہو دو سو سال کا، چاہے منہ میں دانت ہوں یا نہ ہوں۔ بیسن، آٹے، میدے، آلو، پیاز، مصالحوں وغیرہ سے بنے اور گھی یا تیل میں تلے ہوئے اس تنجن کو کھانے سے کوئی کافر انکار نہیں کرتا۔ ابھی پچھلے چند روز پہلے پاکستانی قوم نے اگرچہ اولمپکس میں تو ایک جھنجنا بھی نہ جیتا پر ہر سال کی طرح اس سال بھی روزوں میں پکوڑے کھانے کا عالمی ریکارڈ قائم کرے گولڈ میڈل ضرور جیت لیا۔ وہ یوں کہ کسی بھی خاتون سے پوچھو تو کہتی ہیں کہ جی پکوڑوں کے بغیر کھانا نیچے ہی نہیں اترتا اور یہ کہ جی پکوڑوں کے بغیر بھی بھلا کیا افطار۔؟ مرد سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ یار منہ چر چرا کرنے کو پکوڑے لازمی چاہییں۔ بچوں کی کیا پوچھتے ہیں کہ آدھے پکوڑے تو یہ مخلوق پکتے پکتے ہی ڈکار جاتی ہے۔ اور تو اور ڈیڑھ دو سال کے چھوٹے منے میاں کو بھی اسکا ذائقہ خوب بھاتا ہے کہ ماں کا دودھ چھوڑ کر کچن میں پکوڑے لینے پہنچ جاتا ہے۔

دیکھ پکوڑے منا بھی منہ نہ لگائے ہے دودھ کو
ذرا اسکی عمر تو دیکھو، اور ذائقہ زبان کا

اور پھر سی سی کرتا سب سے مم مم مم کرتا پانی مانگتا پھرتا ہے پر پکوڑے کھانا نہیں چھوڑتا۔ بعض خواتین اور حضرات کو تو ہم نے سحری بھی پکوڑوں سے کرتے دیکھا، وجہ تسمیہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سحری میں بھی روٹی بغیر پکوڑوں کے حلق سے نہیں اترتی، جیسے روٹی نہ ہوئی کوڑ تمبایا کچا کریلا ہو گیا اور یہ کہ روزہ اور پیاس زیادہ لگنے کو پکو ڑوں سے روزہ رکھتے ہیں۔ بلکہ کئی ایک حضرات تو روزہ رکھتے ہی صرف پکوڑے کھانے کو ہیں یا پھر دنیا میں کہیں بھی ہوں، روزہ ہو کہ نہ ہو، افطار پر پکوڑے کھانے ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ اگر ہم کسی پانچ سات ممبر والی ایک فیملی کا پکوڑوں کا حساب کتاب کریں تو میرے خیال سے ایک گھر میں مہینہ بھر میں ایک من پکوڑے تو لازمی پکے ہونگے اور اسی حساب سے پھر آلو پیاز اور دیگر معاون اشیاء کا بے دریغ استعمال۔ نمکین آلو اس بار بھی سیب سے مہنگا رہا۔ ویسے اگر پکوڑوں میں بھی آلو کی جگہ سیب ڈالتے تو کیسا رہتا ؟۔ پکوڑوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اسے دس کھانوں کے بیچ رکھ دیا جائے تو لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہلے اسی پر ٹوٹ کے پڑتے ہیں کہ جیسے پکوڑا نہ ہوا آب شفاء ہو گیا اور یہ کہ غریب اور امیر ہر آدمی ہی اسے شوق اور ذوق سے کھاتا ہے۔ غریب دس روپے کے پکوڑے اور دس کی دو روٹیاں لیکر بیس روپے میں اپنا پیٹ بھر لیتا ہے تو امیر بھی پیچھے نہیں رہتا چائے کے ساتھ پکوڑے ضرور سوتتا ہے۔ سنا ہے کہ ہمارے کچھ فربہ

سیاستدان بھی یہ تنجن بڑے شوق سے نوش فرماتے ہیں۔ اسکے علاوہ مساجد میں آئے افطاری کے سامان میں سے اکثر مولوی صاحبان پکوڑے صرف اپنے لیے الگ سے ہی نکال کر حجرے میں چھپا دیتے ہیں!

اگر ہم اٹھارہ کروڑ پاکستانیوں میں سے صرف ایک کروڑ پاکستانیوں کی آدھا پاؤ فی بندہ پکوڑے کھانے کی اوسط لگائیں اور پکوڑوں کا بازار کا ریٹ دو سو چالیس روپے کلو، گھر کے پکوڑے تقریبا ایک سو بیس روپے کلو۔ اوسط فی بندہ آدھا پاؤ پکوڑے روزانہ کے حساب سے صرف پندرہ روپے لگائیں پھر پندرہ روپے کو تیس سے ضرب دیں تو ماہانہ ایک بندے نے چار سو پچاس روپے کے پکوڑے کھائے۔ پھر چار سو پچاس کو ایک کروڑ سے ضرب دیں تو ہماری قوم اس مبارک ماہ میں قریبا ساڑھے چار ارب روپے کے تو صرف پکوڑے کھا گئی، باقی کے لوازمات مثلا سموسے، چکن رول، پیٹس، پیزا، چاٹ، دہی بھلے، پھلکی چھولے، مشروبات وغیرہ علاوہ ہیں۔ جی ہاں یہ وہی قوم ہے جسکا جمدا بچہ بھی تقریبا پچاس ہزار روپے کا مقروض ہے۔ رمضان میں اکثر لوگ تو گھروں میں ہی پکوڑے بنانا پسند کرتے ہیں، پر ایک کثیر تعداد باہر سے بھی خریدتی ہے اور اور ان دکانوں پر ایسا رش ہوتا ہے کہ جیسے وہاں سب کچھ فری میں بٹ رہا ہو۔ یا پھر یہ کہ سموسے پکوڑے دوبارہ زندگی میں کبھی نہیں ملیں گے۔

ہمارے للو میاں کے ساتھ اس رمضان میں کیا گزری آیئے جانتے ہیں۔ رمضان شریف شروع ہونے سے قبل ہی للو میاں کی بیگم نے پنجاب کے خادمِ اعلیٰ کی طرح انتہائی سخت آرڈر جاری کیے کہ رمضان کے پکوڑوں کے لیے کم از کم دس کلو گھی، دس کلو بیسن اور دیگر مصالحہ جات الگ سے حاضر کیے جائیں اور ساتھ تڑی بھی لگائی کہ انکے بغیر میں روزے نہ رکھوں گی اور احتجاجاً گھر کے باہر ٹینٹ گھر بنالونگی اور پھر سارا عذاب آپکے سر ہوگا۔ بیچارے للو میاں نے جیسے تیسے مانگ تانگ کر بیگم کی یہ ڈیمانڈ پوری کی ورنہ انہیں پتہ تھا کہ گھر میں داخلہ ایسے ہی ممنوع ہو جاتا جیسے کہ کچھ وکلاء حضرات کا بار میں داخلہ ممنوع ہوتا ہے لہٰذا چاروناچار انہیں پورا رمضان بھی آلو، پیاز، مرچ مصالحہ جات اور دیگر اشیاء ہر حال میں ادھار شدھار کرکے پیدا کرنی پڑیں۔

ایک روز للو میاں کام سے گھر پہنچے تو دن میں ہی کچن سے پکوڑوں کی خوشبو سونگھ کر لگا کہ شاید آج روزہ دوپہر کو کھل رہا ہے یا پھر نظر اور ناک دونوں ہی خراب ہو گئی ہیں۔ انکوائری پر پتہ چلا کہ آج ڈبل پکوڑا پروگرام ہے کہ بچے کہتے ہیں کہ آج ہم دوپہر میں بھی روٹی پکوڑوں سے ہی کھائیں گے اور یہ کہ بیگم کی بجائے بچے خود ہی تجربے کر کرکے الٹے سیدھے پکوڑے بنا بنا کر بیسن اور گھی برباد کر رہے تھے اور بیگم صاحبہ حسبِ معمول سپارہ پڑھنے میں مصروف تھیں (جو کہ وہ سال میں صرف ایک ہی بار پڑھتی ہیں)۔ قبل اس کے

کہ گھی اور بیسن کی بربادی کا رونا بیگم سے روتے، بیگم پہلے ہی پل پڑی کہ میں نے خود بھیجا ہے بچوں کو کچن میں کہ مجھ سے گرمی میں وہاں کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا اور کچن کے پنکھے کی ڈیمانڈ دیے آپ کو دو سال ہو چکے، پر وہ ڈیمانڈ حکمرانوں کے وعدوں کی طرح آجتک پوری نہ ہو سکی ہے۔ یہ رام کہانی سنکر بیچارے للو میاں اپنا سا منہ لیکر وہاں سے کھسک لیے۔

پھر ایک روز گھر پہنچے تو تمام بچے بمعہ بیگم کے ایک جگہ جھکے ہوئے پائے جیسے کہ ایک دوسرے کے ہاتھوں کی لکیروں پر چھوٹی قسمت تلاش کر رہے ہوں یا جیسے کہ سیاستدانوں کا کوئی اکٹھ ہو۔ پر پتہ چلا کہ پکوڑوں کی کی مختلف اقسام ایک کھانے کی کتاب میں تلاشی جا رہی ہیں مثلاً: بیسن کے پکوڑے، آلو کے پکوڑے، بینگن کے پکوڑے، پالک کے پکوڑے، انڈے کے پکوڑے، قیمے کے پکوڑے، کیلے کے پکوڑے، سبزی کے پکوڑے، پنیر کے پکوڑے، بریڈ کے پکوڑے، چکن کے پکوڑے وغیرہ وغیرہ تاکہ لذت کام و دہن کا سلسلہ مزید تیز تر ہو سکے۔ بس پھر کیا تھا اگلی صبح صبح بیگم صاحبہ نے کتاب میں لکھی تمام اشیاء کا بھی ارجنٹ پرچیز آرڈر جاری کرتے ہوئے تاکید کی کہ سامان جلد آنا چاہیے کہ انہیں بنانے میں ٹائیم لگے گا، ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ نہ تو بیچارے للو میاں کر نہیں سکتے کہ ورنہ پہنے کپڑے اتار کر نیکر پہنا کر گھر سے باہر ہونے کا ڈر ہمیشہ کھائے رہتا ہے۔ بیچارے کہیں شکایت درج بھی نہیں کرا سکتے کہ انہیں حکمرانوں کی طرح

نہ خط لکھنا آتا ہے اور نہ ہی ان بیچارے جورو غلام ، بیگم کے ستاؤں کی ہندوستان کی طرح پاکستان میں کوئی یونین ہے کہ مظاہرہ کرکے دل کی بھڑاس ہی نکال سکیں۔ لہٰذا بیگم کے تھلے لگ کر ہی رہنا پڑتا ہے۔ للو میاں اپنی حالت دیکھ کر اکثر سوچتے تھے کہ یار مجھ سے اچھی تو ایوانِ صدر کی گائیں ، بھینسیں، بکرے اور گھوڑے ہیں کہ جنہیں وی آئی پی ماحول میں سب کچھ ملتا ہے۔

خیر جناب ! رمضان المبارک سے پہلے اور درمیان میں ڈاکٹروں کی لاکھ ہدایات کے باوجود کہ تلی ہوئی اشیاء استعمال نہ کریں، ہماری قوم نے کسی ڈاکٹر، حکیم کی ایک نہ سنی اور ٹھنڈے ٹھار مشروبات کے ساتھ تلے ہوئے پکوڑے، سموسے ، رول اور دیگر لوازمات کا کھا کھا کر خوب بیڑا غرق اور ستیاناس کیا۔ پر مجال ہے کہ رمضان المبارک کی برکت سے جو کسی کو چھینک بھی آئی ہو۔ پر میرے پیارے پاکستانیو ! رحمتوں کا مہینہ جاچکا اب پکوڑے ذرا احتیاط سے کھانا !!!

ایک ملعون خارش زدہ امریکی کتے کی آپ بیتی

(اس آرٹیکل کو پڑھتے قے ہو سکتی ہے، احتیاط کریں)

جی جناب ! میرا نام نکولا باسلے ہے ، میں ایک امریکی کتا ہوں اور میرا کام صرف بھونکنا اور کاٹنا ہے۔ اگرچہ میں مصری نژاد ہوں پر شاید مجھے کسی اچھی سی کتیا سے ملوانے میرے آباؤ اجداد مجھے مصر سے امریکہ لے آئے تھے۔ یہاں آکر میں نے پڑھا لکھا پر میں سدھر پھر بھی نہ سکا۔ کتا جو ٹھہرا۔ بڑا ہوا تو کچھ اچھے لوگوں کی سوسائیٹی ملی پر مجھ پر اسکا بھی کوئی اثر نہ ٹھہرا کہ کتے کو عموما اپنے جیسے کتے ہی ملتے ہیں جو صرف بھونکنا، کاٹنا، لڑنا جھگڑنا کرتے اور سکھاتے ہیں۔ یہاں پر یہ لڑنے کچھ کتیوں کے ساتھ بھی دوستیاں گانٹھنے کی کوشش کی پر سارا سارا دن انکے پیچھے لٹو ہونے اور دم ہلانے کے باوجود انہیں اپنا نہ بنا سکا اور وہ مجھے باسٹرڈ کہہ کہہ کر دھتکارتی رہیں۔ ویسے تو یہاں امریکہ میں ایک سے ایک کتے کے پلے پائے جاتے ہیں اور انکی رکھشا بھی بہت ہوتی ہے پر مجھے جس مالک نے بھی رکھا، کچھ روز بعد ہی میری کمینگی کی وجہ سے مجھے دھکے دیکر گھر سے نکال دیا۔

میری نیچر شروع ہی سے بے چین سی تھی اور ہر پل کوئی نیا کام کر کے مار کھانے کا شوق ہمیشہ غالب رہا۔ دوسروں کے منہ سے نوالے چھین کر بھاگ جانا، کتیوں کے پیچھے اکثر راتوں کو خوار ہونا، ایک کتیا پھنسانے کے چکر میں دوسرے کتوں سے لڑائی مار کٹائی کر کے خود کو زخمی کرا لینا، دوسروں کی کو کتیا کو پیچھے سے چھیڑ کر بھاگ جانا میرے مشاغل میں شامل تھا۔ جس کی وجہ سے میں اکثر ہسپتال میں بھی پایا جاتا رہا ہوں۔ ایک بار میں نے ایک دوسرے کتے کی گرل فرینڈ کتیا کو چھیڑا تو کتے نے مجھے شوٹ کر نے کی کوشش کی پر میں پھر بھی بچ نکلا۔ یہاں امریکہ میں پاکستان کی طرح چونکہ گوشت کی دکانیں کھلی ڈلی نہیں ہوتیں، میں اپنا گوشت کھانے کا یہ شوق کسی اروڑی پر پڑے مردار یا دوسرے گند مند کو کھا کر پورا کر لیتا ہوں۔

اپنی افتاد طبع طبیعت کی وجہ سے ایک روز میرے گندے غلیظ ذہن، جسمیں دنیا جہان کے گٹر کے کیڑے، گندگی، کاکروچ اور دیگر حشرات الارض بستے ہیں، اسمیں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ مسلمانوں کی ایک انتہائی عظیم ہستی کے خلاف کچھ کام کر کے ان سے پنگا لیا جائے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نے اپنے کچھ قریبی دوستوں سے مشورہ کیا تو کئی ایک مجھ جیسے غلیظ کتے ساتھ چلنے اور سپانسر کرنے کو تیار ہو گئے۔ پھر ہم سب نے مل جل کر اس موضوع پر ایک فلم بنانے کا ارادہ کیا اور ایک ہیروئن کو ولا دیکر اسمیں کاسٹ کر

لیا۔ (پر اس بیچاری کو ابھی تک پیسے دینے ہیں)۔ یوں ہم سب کتے اور کتیوں نے مل کر the innocense of Mulsims ایک فلم تیار کی جسے ہم نے کا نام دیا۔ یہ فلم تیار کرکے یو ٹیوب پر لوڈ کرتے ہی ہمارے تو وارے نیارے ہو گئے کہ یہ فلم دنیا بھر میں سب سے زیادہ دیکھی جانے والی فلم بن گئی اور ہم کنگلے کتے راتوں رات ارب پتی بن گئے اور دنیا کے تمام مسلمان ہمارے مخالف ہو گئے۔ حتی کہ ان پاگلوں نے ہمارے قتل پر لاکھوں ڈالر انعام تک رکھ دیے۔ تاہم ہم تمام کتوں کا ایک مین مقصد یوں پورا ہوا کہ فلم کے غصے میں تمام مسلمان اپنے ہی گھر کو اپنے ہی ہاتھوں آگ لگاتے رہے۔ یقین کریں کہ میں وہ لمحے نہیں بھول سکتا جب لوگ اپنے سے لوگوں کو مار مار کر انہیں جہاد کا نام دے رہے تھے، میں ان لمحوں کو نہیں بھول سکتا جب مسلمان لوگ اپنے ہی گھروں اور دکانوں کو آگ لگا کر لوٹ مار کر رہے تھے، میں ان لمحوں کو نہیں بھول سکتا جب یہ لوگ بنکوں، سنیما گھروں اور دیگر عمارات کو لوٹ کر اور نوٹ لیکر بھاگ رہے تھے، اس وقت میرے خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ہم سب کتے دوست یہ منظر دیکھ کر اتنے خوش تھے کہ شراب کباب میں دھت ہو کر کئی روز ایسے پڑے رہے کہ کپڑوں کا بھی ہوش نہ تھا۔ حتی کہ اس نشے میں میں اتنے میں دیوانے ہوئے کہ ہمیں اپنی ماؤں بہنوں تک کا بھی ہوش نہ تھا۔ ویسے تو ہمارے ہاں اس طرح کے واقعات کچھ عجب نہیں ہیں پر اس روز کچھ اور ہی مزہ تھا۔ لوگ تو ویسے ہی طعنے دیتے ہیں کہ پاکستانی روپوں کے لیے اپنی ماں بھی بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ہم انسے

کتی ہاتھ آگے ہیں۔ کتے جو ٹھہرے۔

اب حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں ہمارے خلاف مظاہرے اور جلسے جلوس ہو رہے ہیں پر ہمیں کیا، ہمیں کوئی فکر نہیں۔ ہاں اگر کبھی ٹینشن ہو بھی تو ہم قریبی گٹر لائن پر جا کر ہو وہاں سے نکلے گند کو کھا پی کر ایسے مد ہوش ہوتے ہیں کہ ہمیں کسی چیز کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ ان گٹروں سے نکلے گند اور یہ گندا پانی ہمارے لیے آبِ حیات ہے اسکے بغر تو ہم زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ اسکے علاوہ انسانوں کا فضلہ، مرداروں کا کیڑے پڑا گوشت ،گلا سڑا فروٹ اور مردوں کی ہڈیاں بھی ہماری مرغوب غذا میں شامل ہے۔ ہماری دیکھا دیکھی کچھ اور کتے بھی ہماری جیسی حرکتیں کر کے مشہور ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، پر جو مشہوری ہمیں ملی وہ کسی کو نہیں مل سکتی۔

ہمارے مذکورہ کارنامے کے بعد سے مجھ جیسے ہزاروں کتے روزانہ مجھے مبارکبادوں کے پیغام بھجوا رہے ہیں اور مجھے آئے روز دعوتی کارڈز بھی موصول ہو رہے ہیں پر اپنی مرغوب غذا تو میں اوپر لکھ ہی چکا ہوں۔ یوں میں نے سب سے کہہ دیا ہے کہ ایک گرینڈ ڈنر نئے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی مین گٹر لائن یا پھر جہاں پورے نیویارک شہر کا فضلہ جمع ہو وہاں رکھی جائے تاکہ ہمیں اپنی مرضی کی غذا مل سکے۔ میرے اس مشورے کو تمام کتوں نے سراہا اور ہم نے وہاں ایک

ڈنر خوب انجوائے کیا ہے۔

انجام: اب میری حالت ایک ایسے خارش زدہ کتے کے جیسی ہے کہ جسکی ہر آن میں خارش ہے۔ میں دن رات اپنے آپ کو خارش کرتا ہوں پر میری خارش ختم نہیں ہوتی۔ جہاں سے خارش کرتا ہوں وہیں پر سے کھال سی ادھڑنے لگتی ہے۔ اب تو مجھ میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ میں اپنے جسم پر خود سے خارش کر سکوں۔ کچھ عرصہ میں نے اس کام کے لیے دو کتے ملازم رکھے پر وہ بھی بیماری لگنے کے ڈر سے رفو چکر ہو گئے۔ میری بیوی تو پہلے ہی کسی کتے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ پھر میں نے ایک کتا گٹر لائن سے کھانا لانے کو رکھا، کچھ روز بعد وہ بھی بھاگ گیا۔ اب میرے پاس دولت تو بہت ہے پر سکون نہیں۔ ہزاروں ڈالر دینے کے باوجود بھی کوئی میری ملازمت کو تیار نہیں۔ ہسپتال والے مجھے کئی بار مار کر بھگا چکے ہیں۔ اب تو خارش کر کر کے میرے جسم سے رہا سہا گوشت بھی جھڑنے لگا ہے۔ لگتا ہے کہ اب میں کچھ ہی روز کا مہمان ہوں۔ اب میرے جسم پر صرف ہڈیاں رہ گئی ہیں۔ گوشت نیچے گر کر اسے کیڑے کھا رہے ہیں پر میری جان ابھی نہیں نکلی اور ان ہڈیوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اب میری ہڈیاں بھی ایسے گلنا شروع ہو گئی ہیں جیسے تیزاب سے گلائی جاتی ہیں۔ اب میں اپنی اس نام نہاد زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔ میں مرنا چاہتا ہوں پر موت نہیں آتی۔ اب میں نے اپنی ہڈیوں کو خود ہی کھانا شروع کر دیا ہے تاکہ جلدی سے میری جان نکل جائے۔ پر یہ

تو پھر بھی نہیں نکل رہی۔ ایسے لگتا ہے کہ منہ سے اپنا کھایا گیا دوبارہ جسم پر لگ رہا ہے۔ مجھ میں تو اب اتنی بھی سکت نہیں اٹھ کر پانی ہی پی سکوں۔ ہے کوئی جو مجھے چند گھونٹ گٹر کے پانی کے پلا دے۔ پھر ایک روز ایک کتیا کو رحم آ گیا اور وہ میرے لیے گٹر کا کھانا اور پانی لانے لگی۔ پر یہ کیا کہ میں کھاتا اور پیتا جاتا ہوں پر میری بھوک اور پیاس ہی نہیں مٹتی۔ پھر وہ بھی تنگ آ کر ایک روز بھاگ گئی۔ پھر یکایک میرے گندے ذہن میں ایک اور آئیڈیا آیا۔ میں نے اپنی تمام دولت ایک کتے کو دی کہ مجھے کسی طرح نیو یارک کی سب سے اونچی بلڈنگ پر لیجاؤ۔ وہاں جا کر میں نے خود کشی کرنے کو چھلانگ لگائی، پر یہ کیا کہ میں تو نیچے زندہ سلامت موجود تھا۔ میں نے پھر کوشش کی مگر اس بار بھی میرے خود کشی کو کوشش کامیاب نہ ہو سکی، یوں میں کئی روز تک خود مرنے کی کوشش کرتا رہا پر ناکام رہا ہوں۔ لوگ مجھ پر سے گاڑیاں گزار جاتے ہیں پر میں پھر بھی بچ جاتا ہوں۔ اسوقت میں ایک انتہائی اذیت اور کرب کی زندگی گزار رہوں۔ میرا دھن دولت، گھر بار، بیوی، بچے سب کچھ ختم ہو چکا۔ میں مرنا چاہتا ہوں پر موت نہیں آتی۔ میں خود کشی کرنا چاہتا ہوں پر موت نہیں آتی۔ یہ کیسی زندگی ہے، یہ کیسی زندگی ہے۔ کوئی تو بتاؤ آخر اس درد کی وجہ کیا ہے؟ اب میرا بسیرا شہر کے ایک انتہائی غلیظ گٹر کے اندر ہے اور میں سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔ کل تک جو کیڑے مکوڑے میری خوراک تھی آج وہ مجھے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں پر میں مر پھر بھی نہیں

رہا، نہ جانے مجھے موت کب آئیگی؟ کہتے ہیں کہ مشکل وقت میں لوگوں کو ماں یاد آتی ہے، لیکن مجھے تو نہ اپنی ماں کا پتہ ہے اور نہ باپ کا۔ ویسے بھی ہمارے ہاں نسل ماں سے چلتی ہے اصلی باپ کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ شاید یہ میری کسی غلطی کی سزا ہو۔ پر میں نے تو کبھی زندگی میں غلطی کی ہی نہیں۔ پھر یہ سب کیا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ؟؟؟؟؟

واقعی ! کسی نے سچ کہا ہے کہ کتے کی دم کو سو سال بھی دبا کر رکھو تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔

عید کا جدید افسانچہ

پچھلے کئی سالوں سے تم نے مجھے اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے اور میں تمہاری دیوانی سی ہو گئی ہوں۔ تم سال میں صرف ایک بار آتے ہو اور پھر چلے جاتے ہو، پھر پورا سال انتظار کراتے ہو۔ اب ہر سال بڑی بیتابی کے ساتھ مجھے تمہارا انتظار رہتا ہے۔ سال کا ایک ایک دن تجھ بن میں گن گن کر گزارتی ہوں اور خوابوں اور خیالوں میں تمہیں سامنے رکھتے ہوئے نئے نئے پلان بناتی ہوں کہ اب کی بار تم آؤ گے تو تمھارے آنے پر ہم کہیں شمالی علاقہ جات، کراچی یا لاہور سیر کو جائیں گے، گھومیں پھریں گے، کھائیں پئیں گے اور عیش کریں گے۔ نئے ڈیزائن کے جوتے، کپڑے، جیولری، اور ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس سال بھی ہمیشہ کی طرح میں نے تمھارا بہت انتظار کیا، مگر انتظار کی یہ گھڑیاں طویل تر ہوتی گئیں۔ خاص طور پر عیدالفطر پر، حتی کہ چاند رات تک تمہاری راہ تکتی رہی اور راہ تکتے تکتے میری آنکھیں پتھرا سی گئیں، مگر تم نہ آئے۔ آخر ایسی بھی کیا بے خی اور کیا مجبوری تھی؟ تمھارے بغیر یہ عید بہت ہی سونی سونی سی رہی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، بات بات پر کاٹ کھانے کو دل چاہ رہا تھا۔ تمہارے نہ آنے کی وجہ سے میں نے اس بار نہ ہی نئے

کپڑے بنائے، نہ جوتے خریدے، نہ جیولری لی، اور نہ ہی کہیں سیر و تفریح کے لیے گئی۔ جاتی بھی تو کیسے بن تمہارے؟

خیر ! میٹھی عید تو تمہارے بغیر رو دھو کر کسی نہ کسی طرح سے گذار ہی دی اور پھر اب بقر عید پر تمہارے آنے کی آس لگا کر تمہارا انتظار شروع کر دیا ہے۔ تمہارے بارے میں متضاد خبریں آ رہی ہیں، لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں کہ شاید موجودہ معاشی حالات کی وجہ سے تم نہ آ سکو۔ لیکن میرا دل اس بات کو نہیں مانتا۔ مجھے نہ جانے کیوں تم پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے کہ تم بقر عید سے پہلے ضرور آؤ گے، کیونکہ پہلے آجتک کبھی ایسا نہ ہوا، حالات کچھ بھی رہے تم ضرور آتے رہے۔ کچھ دن پہلے جب پتہ چلا کہ تم واقعی آ رہے ہو تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے جلدی جلدی اپنے سارے خواب، سارے سپنے، سارے پلان پھر سے یاد کرنا شروع کر دیے اور خوابوں ہی خوابوں میں پچھلے سال تمہارے ساتھ گذارے گئے خوش کن لمحات میں کھو سی گئی اور ایسا لگتا تھا کہ اب پھر میری تمام حسرتیں، خواہشیں، تمنائیں اور امنگیں پہلے کی طرح ضرور پوری ہو جائینگی۔ مگر پھر نہ جانے کیا ہوا، کس کی نظر لگی کہ تمہارا آنا پھر مؤخر ہو گیا۔

اس بار تو تم نے تڑپانے کی حد ہی کر دی۔ اس سے پہلے تم نے اتنا انتظار کبھی

نہ کرایا تھا۔ میں تمھاری بے رخی دیکھ کر پاگل اور دیوانی سی ہوئی جا رہی ہوں اور میر
ی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ:

حادثے کیا کیا نہ تیری بے رخی سے ہو گئے
کہ گدھا بھی مرسڈیز ہم کہ نظر آنے لگا

مجھے اپنے سارے خواب چکنا چور ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ تم بتاؤ تو سہی کہ آخر مسئلہ کیا ہے ؟، تم نہ آنے کہ کوئی وجہ بھی نہیں بتاتے ؟۔ عرصۂ دراز سے تم نے مجھے اپنے سحر میں مبتلا کیا ہوا ہے، اور تمہارے بغیر میں اب یہ دن بالخصوص عید گزارنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ گزاروں بھی تو کیسے ؟۔ خدارا ایک بار ضرور آ جاؤ اور نہ آنے کی وجہ بھی بتا جاؤ ،تاکہ میں تمہاری راہ تکنا چھوڑ دوں۔ جوں جوں عید قریب آ رہی ہے میری بے قراری ، بے چینی اور بے تابی بڑھتی جا رہی ہے۔ صرف ایک بار آ کر بتا جاؤ کہ اب تم کبھی نہیں آؤ گے، صرف ایک بار پلیز۔ ایک بار۔ تاکہ میں آئندہ کبھی تمہار ا انتظار نہ کروں اور اپنا کوئی اور سہارا تلاش کروں۔ اے میرے پیارے سالانہ عید بونس اب آ بھی جا!۔

مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟

جس طرح انجلینا جولی، جولیا رابرٹس، کرینہ کپور یا قطرینہ کیف سے ملنا مشکل کام ہے۔ یا میرا صاحبہ کا بغیر اٹکے اردو اور اچھی انگریزی بولنا مشکل کام ہے اسی طرح سے آجکل پاکستان میں مرنا بھی بہت مشکل کام بنا ہوا ہے۔ خرچے سے تنگ، مہنگائی کے مارے، بھوک کے ستائے، بجلی، گیس کے بلوں سے خوفزدہ، سیاستدانوں کے ڈسے، ننگ دھڑنگ، گردے اور اپنے لختِ جگر بیچتے غریب عوام بیچارے دعا کرتے ہیں کہ اللہ اب انکے گھر میں کوئی میت نہ ہووے۔ یا پھر گھر کا کوئی فرد اوپر کو سدھارے بھی تو کہیں ایسی جگہ مرے کہ لوگ لاوارث سمجھ کر خود ہی وہیں دفنا دیں۔ کیونکہ مرے سے مرا مردہ بھی لواحقین کے اپنے چالیسویں تک چالیس ہزار، بلکہ کئی چالیس ہزار لگوا جاتا ہے۔

کسی آدمی کے مرحوم ہونے پر سب سے پہلے دور پرے کے عزیز و اقارب کو اطلاع بہم پہنچائی جاتی ہے تاکہ وہ مردے کا منہ دیکھنے کو ضرور با ضرور پہنچ سکیں۔ پتہ نہیں لوگ مرے کا منہ ہی ضرور کیوں دکھوانا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ اسکی زندگی میں کبھی دیکھنے کو نہیں کہتے کہ کہیں چائے پانی کا خرچہ نہ پڑ جائے ؟؟ ویسے بھی بندہ دیکھے تو مادھوری کا منہ دیکھے، کاجول کا دیکھے، رانی

مکھرجی، ایشوریا رائے، ریما یا وینا ملک کا جوانی میں منہ دیکھے۔ مردے کا ہی کیوں دیکھے ؟۔ خیر جناب ! دور پرے کے رشتہ داروں کو اطلاع ملتے ہی غریب رشتہ دار تھوڑا سا بین کر کے محلے والوں کو سنواتے ہیں پھر ان سے کرائے کے پیسے اگاڑنے شروع کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ اگر ٹائم شارٹ ہو تو ٹیکسی کار کرا کر بھی مردے کے دیدار کو پہنچا جاتا ہے۔ ورنہ بس، وین یا ٹرین تو ہے ہی۔ مردے کے رشتے دار تمام مساجد میں اعلان کرا دیتے ہیں کہ جنازہ فلاں ٹائم پر اور فلاں جگہ پر ہے۔ پچھلے دنوں جب نئے پرانے ٹائم کی پھسوڑی تھی تو مسئلہ ہی رہتا تھا کہ نیا ٹائم کہ پرانا۔ آس پڑوس والے لوگ اور رشتے دار عارضی حاضری لگوا کر، انکے عزیزوں کو چہرہ دکھا کر کہ میں آیا تھا، پانچ دس منٹ بیں ہی رفو چکر ہو جاتے ہیں اور عین میت اٹھانے یا جنازے کے ٹائم پر مسکین مصلی کا سا منہ بنا کر آن وارد ہوتے ہیں کہ جیسے پرسوں سے میت کے ساتھ بندھے چلے آ رہے ہوں۔ آنے والی خواتین مرنے والوں کے رشتے داروں کے گلے لگ کر نت نئے انداز میں بین کر رہی ہوتی ہیں۔ میت پر بین ڈالنے کے اپنے ہی انداز ہوتے ہیں، بعض دفعہ تو یہ سارے راگ مل کر ایسا سماں باندھتے ہیں کہ بندہ اس بنے بنائے میوزک پر بس گانا فٹ کر دے تو گانا تیار۔ وہ کہتے ہیں نا کہ مردہ سب کچھ دیکھ او ر سن رہا ہوتا ہے تو مردہ بیچارہ بھی شاید ان راگ پاٹ سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہوگا۔ ایسے موقعے پر موقعہ پرستوں کی موقع پرستیاں بھی مردے پر خوب آشکار ہوتی ہیں کہ سالوں نہ ملنے والے اقرباء بھی

با آوازِ بلند بکرے کی دھاڑ کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے کی ناکام کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ کئی حضرات تو اسٹرپ سلز کی گولیاں جیب میں رکھتے ہیں کہ کہیں گلا خراب ہو کر آواز کلیئر نہ ہو تو ایک گولی چوس کر دوبارہ سے شروع ہو جاتے ہیں۔ مرحوم کی بیوہ کے تو کیا کہنے کہ دن رات میاں کو کوسنے دینے والی گلا پھاڑ پھاڑ کر اور عابدہ پروین کی طرح بال بکھیرے ملنگ بن کر یوں بین ڈال رہی ہوتی ہے کہ جیسے لیلا کا مجنوں چلا گیا ہو۔ حالانکہ دل ہی دل میں بڑبڑا رہی ہوتی ہے کہ اچھا ہوا بڈھے سے جان چھوٹی، سارا دن کھانس کھانس کر سر درد چڑھا دیتا تھا۔ رہی نا ہنجار اولاد کہ جس نے ساری عمر باپ کا کہا جوتے کی نوک پر رکھا، اس روز یہ حضرات بھی رونے دھونے کے چھکے چوکے مارنے میں پیچھے نہیں رہتے۔ میرے خیال سے بیٹی صرف فردِ واحد ہوتی ہے کہ جسے باپ کے جانے کا حقیقی دکھ ہوتا ہے۔ باقی سب ہیر پھیر ہے۔ قرض دینے والوں کو اپنی فکر پڑی ہوتی ہے کہ پیسے نہ ڈوب جائیں اور وہ بار بار لواحقین کے سامنے سے گزرتے ہیں تاکہ انہیں یاد رہے۔ اکثر میتوں کے جنازے کے بعد لین دین کے ذمے دار وغیرہ کا اعلان بھی لازمی کرایا جاتا ہے جسے سنکر قرض دینے والے کی جان میں جان آ جاتی ہے۔ اسکے علاوہ میت دابنے اور تیجا ہونے کے بعد بڑے بڑے بیٹے صاحب یا کسی چھوٹے کو پگ پہنا کر گھر کا بڑا بنا دیا جاتا ہے چاہے وہ بیچارہ بوجھ اٹھانے کے قابل ہو کہ نہ ہو۔ بعض دفعہ اس امور پر اختلاف بھی ہو جاتا ہے کہ بڑے کو بڑا کیوں بنایا، کام تو سارے چھوٹا کرتا

ہے۔زمین جائیداد اور مکانوں کا بٹوارا بھی بعض جگہوں پر فورا ہی عمل میں لایا جاتا ہے۔ اکثر گاؤں دیہات میں تو لوگ اپنے باپوں کو صرف زمین جائداد کی خاطر ہی قتل کر دیتے ہیں اور اسمیں بہنوں کو اکثر انکے حصے سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مرنے والی اگر کسی کی بیوی ہو تو لوگ میاں سے اظہارِ افسوس کر رہے ہوتے ہیں جبکہ میاں دل ہی دل میں شکر ادار کر رہا ہوتا ہے کہ اچھا ہوا موٹی بھینس سے جان چھوٹی روز روز کی چک چک بک بک ختم ہوئی اور اسکے شاطر ذہن میں بہت سی دوسری، کنواری لڑکیوں کے نام اور شکلیں گھوم رہی ہوتی ہیں کہ اگلا فال کس کے نام کا نکالوں ۔ یہ بیچارہ بار بار آ کر میت کو جھانکتا ہے کہ کہیں کمبخت دوبارہ اٹھ کر نہ بیٹھ جائے اور تو اور کئی روز تک صبح شام قبرستان کے چکر بھی کاٹتا ہے کہ کہیں فارمر بیوی موصوفہ قبر پھاڑ کر باہر ہی نہ نکل آئے اور اسکے تمام خواب ادھورے رہ جائیں۔ بلکہ ایک بار تو قبرستان کے چرسیوں اور نشیوں نے ایک میاں بیچارے کو گھیر لیا تم ضرور یہاں روزانہ بھری ہوئی سگریٹ کے سوٹے لگانے آتے ہوگے، لہٰذا ہمیں بھی ایک چرس بھری سگریٹ دو۔ بیچارے نے بڑی مشکل سے لے دلا کر جان چھڑائی اور پھر قبرستان کو ایسے بھول گیا جیسے یار لوگ گناہ کر کے یا پھر سیاستدانوں کے کالے کارنامے بھول جاتے ہیں۔ اس موقعہ پر تو اکثر کنواری لڑکیوں والے اسی میت والے گھر میں ڈیرے

ڈال کر ایسے سگے رشتے دار بن جاتے ہیں کہ جیسے جنم جنم سے ساتھ ہوں اور ہلنے جلنے کا نام تک نہیں لیتے۔ اگر لڑکا اچھا اور شریف ہو تو لڑکیوں والے گلے کا ہار بن جاتے ہیں اور اگر بچے یا بچا ہو تو وہ بھی قبول ہوتا ہے کہ اسے گود سے نہیں اترنے دیتے۔ حالانکہ کہاوت یہ ہے کہ : دوسرے کی بکری کو گھاس کوئی نہیں ڈالتا!۔

پھر جناب کچھ اقرباء قبر بنوانے کے بہانے ٹائم پاس کرنے قبرستان پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے ریٹ بھی کپڑے کی ورائٹی کی طرح مختلف ہیں۔ مثلا: قبر کی پہلی منزل کے ریٹ زیادہ اور نیچے والی منزل کے ریٹ ذرا کم ہوتے ہیں۔ سایہ دار اور بغیر سایہ کے جگہ کے ریٹ بھی مختلف۔ پھر آخر کار گورکن سے ریٹ طے ہو ہی جاتا ہے۔ تاہم اگر تمام کام جیسا کہ بیگ ورڈ اور دیہاتی علاقوں میں ہوتا ہے کہ قبر خود تیار کرنی ہو تو پھر کچی اینٹیں، مٹی کے گھڑے، پلاسٹک کی شیٹ، چٹائی یا سلیب، پانی، تختی، قبر کھودنے کے لیے کسیاں وغیرہ اور قبر کھودنے والے کا بندوبست بھی خود کرنا پڑتا ہے اور یوں قبر بھی ہزاروں میں جا کر پڑتی ہے۔

اب جناب ٹائم ہوا مردے کو نہلانے کا تو اس کے لیے بھی سپیشلائز قسم کا بندہ چاہئے ہوتا ہے جو کہ اکثر ناپید ہوتا ہے کہ مردے کو غسل دلانا بھی ایک

ٹیکنکل کام ہوتا ہے کہ پہلے وضو بھی ذرا ٹیکٹیک سے کرا کر پھر غسل دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسے سفید کپڑے یعنی کفن دیا جاتا ہے اور اسکا پہنانے کا طریقہ بھی ذرا مختلف ہوتا ہے جو کہ ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اس بیچارے کو اٹھانے کا وقت آتا ہے تو بھرے گھر میں موجود خواتین کے بین اور آوازیں سننے والی ہوتی ہیں کہ مختلف آوازیں مل کر عجیب سا ماحول پیدا کر رہی ہوتی ہیں اور پورے محلے کو پتہ لگ جاتا ہے کہ میت اٹھ چکی۔ یہ راگ پاٹ جنازہ گھر کے دروازے سے نکلنے تک جاری رہتا ہے۔ جنازہ نکلنے کی دیر ہوتی ہے کہ سب ریلکس ہو کر کھانے کی انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اور تمام خواتین گروپ کی صورت میں کپڑوں کے ڈیزائن یا دوسرے موضوعات پر گفت و شنید شروع کر دیتے ہیں تاکہ مائنڈ تبدیل اور ٹائم پاس ہو جاوے۔ پھر کھانا کھا کر موچھوں کو تاؤ دیکر سب لوگ یہ جا وہ جا۔ البتہ جاتے جاتے سوئم کے بارے میں ضرور دریافت کرتے ہیں کہ وہاں بھی اکثر بڑے شہروں میں مرغ مسلم چلتا ہے۔ ہم نے تو کئی لوگوں کو نہ صرف بمعہ اہل و عیال یہ طعام کرتے دیکھا بلکہ گھر میں رہ جانے والے افراد کے لیے شاپر میں کھانا لیجاتے بھی دیکھا ہے!

بڑے شہروں میں تو میت گاڑیاں میت قبرستان لیجانے کا کام سرانجام دیتی ہیں، تاہم زیادہ تر علاقوں میں اس کام لیے میت چارپائی کا بندوبست کیا جاتا ہے اور پیدل ہی جنازے کو آخری آرامگاہ تک لیجایا جاتا ہے۔ کچھ کام چور قسم کے

لوگ جنازہ پڑھ کر ہی دائیں بائیں ہو جاتے ہیں اور آخر تک صرف قریبی گھر والے ہی رہ جاتے ہیں جو راستے بھر کلمہ شہادت کی آوازیں لگاتے مردے کو اسکی آخری آرامگاہ تک پہنچاتے ہیں۔ بعض دفعہ تو بندے کم ہونے اور راستہ لمبا ہونے کی صورت میں چند بندوں کو ہی یہ بوجھ سہارنا پڑتا ہے اور تھکے ترٹے بندے بیچارے کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح کوئی اور کندھا دینے والا بھی آ جائے ، پر ایسے کم کم ہی ہوتا ہے خاص طور سے اگر مرگت گرمیوں کے سیزن میں ہو تو بندہ زیادہ

کندھا دینے سے ویسے ہی پرکتا ہے۔ بعض علاقوں میں تو جناب نمازِ جنازہ کے لیے امام ڈھونڈنا بھی مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ ٹھیک طرح سے کلمہ یا سورہ اخلاص بھی نہیں پڑھ سکتے تو نمازِ جنازہ کیسے یاد ہو گی۔ کچھ ٹائم کے ناپابند حضرات عین جنازے کے ٹائم پر پہنچ کر امام صاحب کو تنگ کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ تیار نمازِ جنازہ کسی خاص شخصیت کے فوٹو سیشن کے لیے کئی کئی گھنٹے لیٹ کر دی جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ اور قبرستان لانے کے بعد میت کو قبر میں اتارنے کا بھی مسئلہ ہوتا ہے کہ کون اتارے گا۔ اسکے لیے بھی کسی قریبی عزیز کی مدد درکار ہوتی ہے یا پھر بیچارہ گورکن تو ہے ہی۔

جنازے کے بعد قلوں تک روٹی پانی کا بھی بہت مسئلہ ہوتا ہے۔ مہنگائی کے مارے ہر جاننے والے خاندان کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ خرچہ میرے سر نہ پڑے اور جیسے ہی انہیں پتہ چلتا ہے کہ کسی نے روٹی دے دی ہے تو سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ پر اور راہے ہمدردی پوچھتے ضرور ہیں کہ کسی ٹائم کی روٹی ہمیں بھی دے دیں اور اگر کوئی بھی کسی ایک ٹائم کی روٹی نہ دے تو یہ آس پاس نظر ہی نہیں آتے کہ خرچہ گلے نہ پڑ جائے۔ اگر یہ خرچہ گلے آ بھی جائے تو انہیں ادھار شدھار لیکر یہ ونگار بھگتانی پڑتی ہے۔ اگر کوئی بھی کھانا نہ دے تو بیچارے میت والے گھر کو یہ انتظام خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ جو کہ ایک اور خرچے والا کام ہے۔ دور پرے اور محلے والے لوگ اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ روٹی کھلے یا چلے تو وہ بھی اسمیں ہاتھ ڈالیں اور کھسکیں۔ بعض جگہ پر میت کے بعد کی روٹی کو کوڑی روٹی بھی کہا جاتا ہے اور اگر کوئی نہ کھائے تو ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ویسے پہلے زمانے میں تو لوگ پورے تین دن تک سوگ مناتے اور گھر میں آگ نہیں جلاتے تھے۔ پر آجکل کے مصروف زمانے میں لوگ اگلے روز ہی قل کرکے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جناب قلوں پر غریب سے غریب آدمی کو بھی کم از کم دو دیگیں تو چنوں کی پلاؤ لازمی لگانی پڑتی ہے۔ ورنہ امیروں کے ہاں میت ہو جائے تو تین روز تک مستقل مرغ مسلم چلتے ہیں اور محلے خاندان والوں کی عیاشی ہو جاتی ہے۔

غریب کے ہاں فوتگی ہو جائے تو وہ بیچارہ سارے کام ہی مانگ تانگ کر کرتا ہے اور ساتھ ساتھ دعا بھی کرتا ہے کہ اللہ کہیں میت نہ دِیو اور اگر دیو تو پہلے پیسے دیو۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے کئی لوگ تو میت کے لیے چندہ جمع کرتے بھی پائے گئے ہیں۔ میت پر دور پرے کے رشتے دار اور کچھ بزرگ اقرباء اقربا پروری کرتے ہوئے چالیسویں یعنی میت کے چہلم تک ضرور اس گھر میں پسرے رہتے ہیں تاکہ گھر والوں کو دلاسہ دیتے رہیں، حالانکہ گھر والے دل ہی دل میں دعا کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ جلدی سے جائے تو جان چھوٹے۔ بعض دفعہ تو کہیں شادی وغیرہ میں جانے کا بہانہ کرکے رشتے داروں کو بھگایا جاتا ہے۔ غرضیکہ سوا ماہ تک گھر میں خوب غدر مچتا ہے اور لاکھوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اکثر گاؤں دیہات میں ایک رسم یہ بھی ہے کہ تین دن بعد بڑے قل ہوتے ہیں جس میں درجنوں دیگیں شادی بیاہ کی طرح چڑھائی جاتی ہیں اور اسمیں پورا گاؤں، خاندان اور دور پرے کے تمام رشتہ دار انوائٹڈ ہوتا ہے اور لاکھوں روپے بہہ جاتے ہیں۔ بلکہ آجکل تو اس کام کے لیے بھی باقاعدہ کارڈ چھپوائے جاتے ہیں۔ تاہم ہر آنے والا حسبِ حال کچھ نہ کچھ پیسے ضرور دیتا ہے، یا پھر کلو چینی کا ایک پیکٹ لازمی لاتا ہے جو کہ وہاں کے رسم و رواج کے مطابق ضروری ہوتا ہے۔

، فوتگی کے بعد مرحوم کے نام کے کپڑے، جوتے، رومال، بنیان، ازار بند، لنگی

تولیہ، چادر وغیرہ کا دینا، چالیس روز تک مرحوم یا مرحومہ کے نام کا کھانا کہیں غریب کو دینا، ہر دسویں روز ختم قرآن کرانا، چالیس روز بعد چالیسواں اور دیگر بہت سی رسوم و روایات پر لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ ان تمام رسوم و رواج کو صرف اسلامی طور طریقوں کی مطابق ادا کیا جائے نہ کہ دنیاوی دکھاوے کے لیے۔ نمود و نمائش سے بہتر ہے کہ مرحوم یا مرحومہ کی مغفرت کے لیے زیادہ سے زیادہ صدقہ، خیرات کیا جائے اور قرآن پڑھ کر مرحوم یا مرحومہ کی روح کو اسکا ثواب پہنچایا جائے۔

چھلے (زچگی) پر سات چھٹیاں

ایک خبر کے مطابق پنجاب حکومت نے اپنے مرد ملازمین کو بچے کی پیدائش پر میٹرنٹی لیو کی مد میں سات چھٹیاں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہے نہ حیرت کی بات !۔ ویسے جوں جوں الیکشن نزدیک آئیں گے تو اس طرح کی مخولیات اور مزاحیات مزید بڑھتی چلی جائیں گی۔ ابھی تک تو عوام راجہ ریاض بمقابلہ رانا ثناء اللہ پٹھے فیصل آباد دے، دنگل سے لطف اندوز ہوتی تھی پر اب لگتا ہے کہ عوام کو ریلیف دینے کے لیے اسطرح کی خبریات بھی آتی رہیں گی۔ وہ ایک شعر کا دوسرا مصرعہ ہے نہ کہ: جب کوئی کام نہ ہو تو اپنے کپڑے پھاڑ کر خود ہی سیا کر۔۔۔۔کے مصداق لگتا ہے کہ پنجاب حکومت کے پاس بھی کرنے کچھ نہیں جو اسطرح کی فضولیات شروع کر دی ہیں۔

خواتین کی میٹرنٹی یعنی زچگی لیو تو سمجھ میں آتی ہے پر یہ مردوں کو زچگی لیو یا میٹرنٹی لیو کچھ پلے نہیں پڑی؟۔ اگر یہ چھٹیاں اس لیے دی گئی ہیں کہ مرد کو گھر میں کام کاج کرنا ہوتا ہے یا مہمانوں کو بھگتانا ہوتا ہے تو اسطرح کے مواقع تو مرد کی زندگی میں سال میں کئی بار آتے ہیں۔ مثلاً: بچے کے عقیقے اور ختنہ کے موقع پر، بچے کے سکول داخلے کے موقعے پر، بچی کی شادی کے موقع پر، بیگم کو اسکے گھر سے لانے لیجانے کے موقع پر، بیگم کی

طبیعت ناساز ہونے پر، شاپنگ پر لیجانے اور سامان ڈھونے کے موقعے پر، گلگلے اور مٹھائی بانٹنے کے موقع پر، وغیرہ وغیرہ۔ ویسے اس دنیا میں بہت سے جورو غلام مرد ایسے بھی ہیں جو سر ڈھا کر کام میں جتے رہتے ہیں اور نہ چھٹی کرتے ہیں اور نہ اف کرتے ہیں۔ مثلا: ہمارے ایک دوست ہیں بیچارے۔ ہم نے ان سے ایک روز پوچھا کہ یار! سنا ہے کہ آپ گھر میں روٹی ووٹی بھی پکاتے ہو۔ تو بولے! یار کچھ اور بات کرو یہ تو پرانی بات ہے۔ ہم نے پھر پوچھا کہ سنا ہے کہ آپ گھر کے برتن دھوتے اور صفائی ستھرائی بھی کرتے ہو! تو بولے کہ یار کوئی نویں گل کرو۔ پھر پوچھا کہ سنا ہے آپ بیگم کی لاتیں دباتے اور کھاتے بھی ہو۔ تو بولے کہ یار یہ تو معمول کی بات ہے کوئی نوی گل کرو۔ ہم نے ٹوپی انکے بیٹے کے سر پر رکھتے ہوئے پوچھا کہ آپکا بیٹا کہہ رہا تھا کہ پاپا کپڑے بھی دھوتے ہیں تو بولا کہ یار یہ کام تو میں روز کرتا ہوں، کوئی اور بات کرو۔ پھر مزید پوچھا کہ یار آپ بچوں کے پوتڑے بھی بدلتے اور دھوتے ہو۔ تو وہ چڑ کر غصے میں بولا کہ یار! بیوی میری اپنی، بچے میرے اپنے، میں کچھ بھی کروں تینوں کی تکلیف اے، توں ماما لگدا ایں! اس سے پہلے کہ وہ مار مار کر ہمارے سر سے گنے چنے بال بھی اتارتے ہم نے خاموشی ہی میں عافیت جانی۔ تو جناب! جب ایک بندہ اتنے سارے کام کاج گھر کے بھی کرے، ڈیوٹی بھی کرے اور چھٹی بھی نہ مانگے تو یہ ہے نہ حیرت کی بات! پھر جب مردوں میں اتنی ساری خوبیاں ہوں تو پھر انہیں زچگی پر چھٹی کی بھلا کیا ضرورت؟ چلے ہیں خادم

ا پنجاب پیٹرنٹی لیو دے کر نمبر بڑھانے

ویسے میرے خیال سے نارمل ڈلیوری کی صورت میں یہ چھٹی عورت ملازم کو بھی سات دن سے زیادہ نہیں ملنی چاہیے۔ ناچیز کو کچھ عرصہ دیارِ غیر میں بھی کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہاں ہماری ساتھی ایک کھڑوس سی عورت بچہ جمانے کے چوتھے روز ہی ڈیوٹی پر حاضر ہو گئی تھی۔ ویسے میرے خیال سے ہمارے ہاں پاکستان میں زچگی کو بہت ہی سیریس اشو بنا لیا جاتا ہے جب کہ دیگر ممالک میں ورکنگ وومین آخری دن تک بھی کام کرتی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں خواتین بعد از چھلا بھی سمارٹ اور ہینڈسم رہتی ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں بعد از چھلا خواتین کی توند نکلنے کا رواج عام پایا جاتا ہے۔ پھر چھلے کے بعد جو دیسی گھی کے لوازمات اور پنجیریاں توئی جاتی ہیں وہ سونے پر سہاگا کہ انہیں سو مو پہلوان بنا دیتی ہیں کہ میاں بھی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ میری ہی بیوی ہے یا پھر کوئی ریسلنگ والی عورت اور پھر دوسروں لڑکیوں کو لائن مارنا اور تاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے نہ کہ شادی کے بعد بچے اپنے پر بیوی پرائی اچھی لگتی ہے !۔ لہٰذا انہیں سمارٹ رکھنے کے لیے حکومت انکی زچگی لیو ختم کرکے انہیں آٹھویں دن ڈیوٹی پر آنے کا پابند کرے۔ نہ آنے کی صورت میں بچہ بحقِ سرکار ضبط کر لیا جائے۔

بات ہو رہی ہے چھلے اور چھٹیوں کی تو بعض دفعہ تو ملازم خواتین ایک سال میں دو دو بار بھی چھلا بھگتاتی ہیں تو کیا دو دو بار دونوں میاں بیوی کو چھٹیاں ملیں گی؟۔ ہمارے اکثر سرکاری ملازمین دو نمبری کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھٹیاں لینے کے چکر میں ایک سال میں چار چار زچگیاں کرا دیں! آپ بتائیں کہ کیا ایسے ممکن ہے؟؟ اسکے علاوہ چیک اینڈ بیلنس کیا انتظام ہوگا؟۔ مزید یہ کہ ہمارے ہاں خواتین زچگی کے موقعہ پر آدھا درجن خواتین اکٹھی کر لیتی ہیں۔ جن میں بیوی کی ماں، میاں کی اماں، سالیاں، بہنیں، نندیں، دیورانیاں وغیرہ شامل ہوتی ہیں اور پورے سوا مہینے بیٹھ کر اور لیٹ کر آرڈر چلاتی رہتی ہیں، کام کچھ کرنا نہیں ہوتا تو پھر چھٹی کس بات کی؟۔ اوپر سے آدھا درجن فالتو بندوں کا خرچہ بھی پورے سوا مہینے میاں غریب کے سر۔ زچگی کے علاوہ بھی بات کریں تو ہمارے ہاں کی عورت بس ایویں ہی سی ہے۔ مثلاً: ذرا سا سر یا جسم میں درد ہوا فوراً سر پر کپڑا باندھ اور کمبل لے کر لمبی ہو جاتی ہے۔ ذرا سا کام زیادہ کر لیا تو ٹانگیں پسار کر لمبی۔ ذرا سی مہمانداری زیادہ کر لی تو کئی روز کام کی چھٹی۔ (یاد رہے کہ مہمانداری اگر اپنے گھر والوں کی کرے تو کچھ نہیں ہوتا)۔ عید بقر عید پر کام زیادہ کر لیا تو ہسپتال کے چکر اور نیروبیان کے ٹیکے۔ اگر منے نے رات کو ذرا جگا دیا تو اگلے دن تینوں ٹائم کا کھانا ہوٹل سے۔ بچوں نے زیادہ ستا دیا تو سر پر ڈوپٹا اتنا کس کے باندھتی ہیں کہ کھولنے کے لیے دو آدمی بلانا

پڑیں۔ کیوں، ٹھیک کہہ رہا ہوں نہ؟۔ ویسے ہم نے تو دیارِ غیر میں ایسا بھی دیکھا کہ دونوں میاں بیوی اکیلے ہسپتال گئے اور دو گھنٹے بعد دونوں ہی خیر خیرت سے بچہ بغل میں دابے گھر آ گئے۔ اللہ اللہ خیر صلا! ہمارے ہاں اس زچگی کو مسئلہ سوِس خط بنا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا میری وفاقی حکومت سے گذارش ہے کہ پنجاب حکومت کا آرڈر کینسل کر کے رہی سہی چھٹیاں بھی فوراً ختم کی جائیں۔ ہمارے گورنمنٹ ملازم ویسے ہی سال کے 365 دنوں میں سے بمشکل صرف 200 دن کام کرتے ہیں اوپر سے مزید چھٹیاں۔ کیسا۔ ہے نہ حیرت کی بات!

ہاں تو جناب! ہم بات کر رہے ہیں چھلے اور چھٹیوں کی تو کیونکہ تمام شوہر یعنی میاں ایک جیسے نہیں ہوتے لہٰذا ان چھٹیوں کا ایک نقصان یہ بھی ہوگا کہ سارا دن میں گھر میں رہ رہ کر میاں بیوی کا پھڈا بھی ہو سکتا ہے۔ میاں مہمانوں کے سامنے بیوی کو ذلیل بھی کر سکتا ہے۔ میاں بچوں کو شرارتیں کرتے دیکھ کر اپنا بی پی ہائی کر کے کچھ اور نقصان بھی اٹھا سکتے ہے۔ میاں کے گھر رہنے سے اسکے کھانے پینے کے اخراجات میں اضافہ ہوگا۔ بیڈ پر پڑے رہنے سے بیڈ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ اگر لڑائی کے دوران کوئی چیز ہاتھ نہ آئے تو کچن کے برتنوں، گلدان اور گملوں اور جوتوں کا بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ سارا دن ٹی وی چلنے سے بجلی کا خرچہ اور چائے پانی کی وجہ سے کچن کے اخراجات میں اضافہ ہوگا۔ گھر میں ہنگامہ، فساد اور بلوہ بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ چھلے

کے دوران سسرالیوں کی آمدورفت بغیر کسی اوقاتِ کار کے جاری رہتی ہے، جو کہ میاں جی کو ناگوار گذر کر پھڈے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک اور فیشن خاص طور سے پہلے بچے کی دفعہ یہ ہے کہ ہر بندہ بمعہ اہل و عیال اس نئے مہمان کے دیدار کو اس طرح آتے ہیں کہ جیسے چڑیا گھر میں کوئی نیا نیا ۔۔۔۔۔۔ آیا ہو اور پھر کچھ کھا پی کر ہی جان چھوڑتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی خرچے کی وجہ سے میاں صاحب کا بی پی اگر دو سو پر چلا جائے تو کوئی بعید نہیں۔ لہٰذا چھٹی دینے کے اس فیصلے پر ایک نہیں دو دفعہ نظرِ ثانی کی جائے۔ ویسے ہی بیگمات دعائیں کرتی ہیں کہ میاں باہر جا کر مرے تو وہ ٹی وی کے آگے بیٹھیں۔ میاں کی چھٹی ہوئی تو اس نے اپنے کسی ضروری کام میں لگا لینا ہے، یوں بیوی کا ٹی وی کے ڈرامے کا پھڈا بھی شروع ہو سکتا ہے۔

ہمارے زرخیز اور ذہین فطین ذہن میں ابھی ابھی ایک اور آئیڈیا وارد ہوا کہ گورنمنٹ ایک قانون پاس کر کے ملازمین کے بچے پیدا کرنے پر سرے سے پابندی لگا دے۔ اسطرح آبادی میں اضافے اور چھٹیاں دونوں کا مسئلہ حل ہو جائیگا۔ یا پھر یہ کہ سرکاری ملازمین ان خواتین سے شادی کریں جو پہلے سے بچوں والی ہوں تاکہ نہ چھٹی دینی پڑے نہ انہیں بچے پیدا کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑے۔ یا پھر خاندانی منصوبہ بندی پر سختی سے عمل کرائے۔ پھر بھی اگر کسی کو زیادہ ہی بچے پالنے کا شوق ہو تو آلو پیاز کی طرح بچے بھی باہر لے ممالک سے

امپورٹ کر لیے جائیں۔ کیا خیال ہے آپکا؟۔ جناب ! خیال تو اچھا ہے پر اب آپکی خیر نہیں کہ اب آپ آگے آگے ، مولوی حضرات اور خواتین جوتے لیکر آپکے پیچھے ہونگے اور آپکے سر کی قیمت 1 کروڑ روپے ہوگی ! لہٰذا سر بچایئے اور لاکھوں پایئے۔

ٹنڈولکر کے حیرت انگیز انکشافات

معروف انڈین کرکٹر ٹنڈولکر نے اپنے اور دنیا بھر کے مردوں کے دلوں کے پھپولے پھوڑتے اور انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اداس یا ناراض بیوی فاسٹ بالر سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ناراض اہلیہ کا سامنا کرنا باؤنسر کھیلنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ دنیاکے آدھے مرد بیویوں سے ڈرتے ہیں۔باؤنسر سے بچ سکتے ہیں لیکن بیوی کے غصے سے نہیں۔بیوی ناراض ہو جائے تو منانا آسان کام نہیں۔ٹنڈولکر جی ! آخر بول پڑے نہ اور گھر کی بات باہر کہ دی۔ ویسے لٹل ماسٹر گیند کے ساتھ اتنا برا سلوک کیوں کرتے ہیں ، اب سمجھ آیا، کہ دراصل وہ گھر کے سلوک کا بدلہ باہر بال سے لیتے ہیں ! ویسے اگر ٹنڈولکر صاحب جیسا ارب پتی بندہ اپنی بیگم کو خوش نہ رکھ سکے اور اتنا ڈرتا ہو، تو کنگلے کی بیوی نے تو سر میں لازمی سواہ ڈالنی ہے۔

تو جناب عالی ! پہلے تو یہ جانیں کہ بیوی ناراض یا اداس دوسرے لفظوں میں دکھیاری ہوتی ہی کیوں ہے۔اس بیچاری عقل کی ماری کی اداسی اور ناراضگی کا ڈوپٹہ اوڑھنے کی وجہ تسمیہ اگر جانیں تو زیادہ تر یہی دکھڑے بکھیڑے ہوتے ہیں نہ کہ میرا زیور نہیں بنا، یا نئے ڈیزائن کا نہیں بنوایا، یا اماں کے گھر مانگنے والی کی طرح پرانے کپڑوں میں بھیج دیا، یا ساس، نند، دیورانی،

جیٹھانی سے کشتی، کبڈی، ریسلینگ، بچوں کا جھگڑا، خرچے کے چرچے میں کی کمی، الگ گھر میری قسمت میں دھر، یا پھر کیونکہ عورت فطرتا ہوتی ہی ناشکری، کم عقل، شکی مزاج اور بے وقوف سی کہ آپ اسے سونے کے نوالے بھی کھلادیں تو وہ یہی کہے گی کہ اسمیں بھی ضرور کھوٹ ہے۔ یوں گھر میں ہر وقت اداسی اور پریشانی کے کانٹے بو کر خود بھی ان میں الجھی رہتی ہے اور شوہر کو بھی پریشان یا پشیمان کرتی ہے۔ اصل میں عورت کی پیدائش ہے ہی بائیں پسلی کی، اسلیے یہ دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہتی ہے اور سیدھا کرنے کی کوشش کرو تڑک کرکے ٹوٹ جاتی ہے پر سیدھی نہیں ہوتی۔ کئی ٹیڑھی اور واہیات قسم کی خواتین واقعی خطرناک بھی ہوتی ہیں کہ غصہ میں کچھ کمزور قسم کے شوہر ان موصوفاؤں کے ماغی خلل کی وجہ سے ہڈیاں چٹخوا بیٹھتے ہیں۔ ہندوستان میں تو خطرناک اور ناراض بیویوں کے ستائے شوہروں کے مظاہرے بھی ہو چکے ہیں پر مجال ہے کہ کسی کم عقل بیوی کو عقل آئی ہو۔ ہندوستان کے ہی ایک علاقے کی تصویر اخبار میں دیکھی کہ بہت سی خواتین ہاتھوں میں ڈنڈے سوٹے لیے ڈانڈیا نہیں بلکہ مار دھاڑ کی ٹریننگ لے رہی تھیں۔ لگتا ایسا ہے کہ ان شوہر مار بیویوں کے شوہروں کی بھی شامت آنے والی ہے۔ ویسے ذرا یہ ہمارے طالبان کے پاس ان خواتین کو بھیج کر دیکھیں نہ کہ کیسی ٹریننگ دیتے ہیں؟۔ عورت کی اسی ناراضگی اور دماغی خلل کی وجہ سے ایک سعودی عدالت نے عورت کی پٹائی کو جائز قرار دیا ہے۔ تاہم تمام خواتین ایک جیسی بھی نہیں ہوتیں۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ

ایک کروڑ میں سے کوئی ایک اچھا دانہ نکل آئے ۔ جیسے کہ سعودیہ میں ہی ایک بیچاری عقل کی سیدھی عورت نے اپنے شوہر کی خود ہی کھڑے ہو کر دوسری شادی کرا دی اور بھنگڑا بھی پایا !

ایک سروے کے مطابق اکثر مرد ہی عورت سے محبت کا اظہار کرنے میں پہل کرتا ہے عورت نہیں ۔ اس موقع پر مرد کی عقل گھاس کی بجائے ساگ کھانے چلی جاتی ہے، یعنی مرد اپنی بربادی کا سامان اپنے ہاتھوں خود ہی تیار کرتا ہے۔ حالانکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ دنیا کی نوے فیصد خواتین کو دماغی عارضے کی وجہ سے ہسپتال کہ ضرورت رہتی ہے۔ دراصل مردوں کا بھی اسمیں کیا قصور کہ دنیا میں عورت جیسی خصوصیات ؟؟ والی اور کوئی شے اللہ پاک نے پیدا ہی نہیں کی ! تو پھر مرد حضرات کہاں جائیں۔؟ یا پھر امریکہ کی طرح ہم جنس پرستوں کی شادیاں تو اب ہمارے ہاں ہو نہیں سکتیں۔ کیونکہ وجہ آپ سب جانتے ہیں کہ ۔۔؟؟؟

لہٰذا۔۔۔ مرد حضرات اس عورت کے چکر میں ایسے گھن چکر ہوئے رہتے ہیں کہ جیسے امارات میں ایک تلنگا آدمی عورت کا روپ دھار کر نوکرانی بن کر عرصہ دراز تک ایک گھر میں کام کرتا رہا کہ خواتین کی قربت رہے۔ پھر جب بھانڈا پھوٹا تو آپ خود سمجھیے کہ کیا ہوا ہو گا اور موصوف نے گھر میں کیا کچھ نہیں دیکھا ہو گا؟ تو ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں۔ گذرے زمانے کا تو سبھوں کو یاد

ہوگا کہ اس عورت ہی کے چکر میں لوگ سلطنتیں تک گنوا بیٹھے تھے یا ان بیچاریوں کو دیواروں میں چنوا دیا تھا۔ ویسے پچھلے زمانے کی عورت موجودہ زمانے سے تھی قدرے بہتر، کہ سارا دن نکا گیڑ گیڑ کر اسکا ستیاناس رہتا تھا، آٹا ہاتھ والی چکی پر پیس پیس ہاتھوں میں گٹے پڑ جاتے تھے، کپڑے ہاتھ سے دھو دھو کر ہاتھ چھل جاتے تھے، لکٹریوں والے چولھے پر روٹی ہانڈی کرتے کرتے اسکا رنگ بھی الٹی ہانڈی اور توے جیسا ہو جاتا تھا، نوکر چاکر نہ ہونے سے سارا دن کام میں گدھاں کی طرح جتی رہتی تھی، ڈھور ڈنگر سانبھ سانبھ کر خود بھی ڈنگر ہو جاتی تھی، چونکہ اس زمانے میں پردے کا رواج تھا تو سارا دن گھونگھٹ نکالنے کے چکر میں گرتی پڑتی گوڈے الگ تڑواتی تھی، میک اپ میں صرف تبت سنو کریم کافی رہتی تھی، فیس فیشل کپڑے دھونے والے صابن یا ملتانی مٹی سے ہو جاتا تھا، درجن بھر بچوں کے ریوڑ کو سانبھتی خود بھی اس ریوڑ کا چارہ بن جاتی تھی، میاں کی مالش کرتی اور ٹانگیں دباتی خود بھی دبی رہتی تھی۔ غرضیکہ شٹل کاک برقعے میں لپٹی یہ عورت اپنے گھر کے دھندے میں ایسی مست رہتی تھی کہ اسے ناراض یا اداس ہونے کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا۔ جوں جوں زمانہ ترقی کر رہا ہے، عورت کو سہولیات مل رہی ہیں، توں توں اسکے نخرے بڑھ رہے ہیں اور دماغ خراب ہو کر تنزلی کی طرف مائل ہے!

جناب عالی! ویسے اہلیہ چاہے ناراض ہو یا خوش، میرے خیال سے اسکا سامنا ہر

شکل میں مشکل ہوتا ہے کہ اس بیچاری کے پاس دکھ درد اور طعنے تشنے کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔ ہمارے ایک شادیوں کی وجہ سے مشہور سمارٹ سے سیاستدان کہتے ہیں کہ میں غمی میں سے بھی خوشی کا پہلو نکال لیتا ہوں جو کہ انکی اچھی صحت کا راز ہے۔ پر ہماری خواتین الٹ کرتی ہےں کہ اگر میاں کوئی خوشی کی خبر دے ،یا خوشی کی بات کرے تو یہ موصوفائیں اس خوشی میں سے بھی غمی کا پہلو نکال کر ایسے بین ڈالنا شروع کر دیتی ہیں کہ جیسے آجکل ہمارے سیاستدان سپریم کورٹ کے سچ کہنے پر بین ڈال رہے ہیں ۔ ویسے اہلیہ کو ناراض کرنے میں شوہر کا ہی نقصان ہوتا ہے کہ : ناراض ہو گی تو سالن جلادے گی، ناراض ہو گی تو استری کرتے کپڑے ساڑ دے گی، ناراض ہو گی تو واشنگ مشین میں کپڑے پھاڑ دیگی، ناراض ہو گی تو میاں کا کھانا پینا بند یا پھر لیٹ کر دے گی، ناراض ہو گی تو بچے دوسرے گھروں میں کٹوریاں لیے سالن مانگتے پھر رہے ہونگے، ناراض ہو گی تو سیدھے منہ بات نہیں کرے گی، ناراض ہو گی تو کھانے میں نمک مرچ تیز ملیگا، ناراض ہو گی تو سسرالیوں کو لفٹ نہیں کرائیگی، ناراض ہو گی تو بچے سارا دن بنا پیمپر گھر بھر کو لیٹرین بنا رکھیں گے، ناراض ہو گی تو پورا گھر جھاڑ جھنکار ہو جائیگا، ناراض ہو گی تو ہر آنے جانے والے کے آگے میاں اور اسکے خاندان کی برائیاں کرے گی، کھانا پینا چھوڑ یا کم کر دیگی یا پھر چھپ چھپ کر کھائیگی، ناراض ہو گی تو بچوں کا مار مار کر بھرکس نکالیگی اور بچے اسکول سے روزانہ لیٹ ہونگے ۔ ناراض ہو گی تو اپنی پھوٹی قسمت کو روئے گی اور میاں

کے تمام مرحومین کے نام لے لے کر کوسنے دیگی۔ غرضیکہ ناراضگی میں ہر وہ کام کریگی کہ جس سے کہ میاں کے دل پر ایسے چھریاں چلتی ہیں جیسے کہ حکومت آئے روز عوام پر مہنگائی کا چھرا چلا کر انہیں بغیر بقر عید کے ذبح کرتی رہتی ہے۔ ویسے میرے خیال سے جیسے اسکول اور مدرارس میں اساتذہ کرام ایک عدد موٹا سا ڈنڈا بچوں کی پٹائی کے لیے رکھتے ہیں، اسی طرح کا ایک مولا بخش سرسوں کے تیل میں ڈبو کر بیوی کے لیے بھی گھر میں رکھا جائے کہ جہاں اسکا دماغ گڑبڑ شروع کرے فورا چھترول سے اسکا تریاق شروع کر دیا جائے اس سے پہلے کہ یہ وبا اسکے پورے جسم میں پھیلے! وہ اسکولوں کا ایک سلوگن ہے نہ کہ۔۔ مار نہیں پیار۔۔۔پر بیوی کے کیس میں یہ جملہ الٹا پڑھا جائے کہ۔۔ پیار نہیں مار۔۔

جہاں تک یہ بات کہ دنیا کے آدھے مرد بیویوں سے ڈرتے ہیں۔ میرے خیال سے یہ بات غلط ہے۔ مرد بیویوں سے ڈرتے ورتے بلکل نہیں بلکہ اصل میں وہ بیچارے تو بچوں کو رلتا نہ دیکھنے اور بچوں کو۔۔ چھولے کرارے۔۔۔ چھوٹے دو نمبر کا پانا لاؤ۔۔۔۔ چھوٹے ٹیبل پر کپڑا لگاؤ۔۔۔۔۔۔یا جانے دو استاد ڈبل اے۔۔۔۔ کی نوبت نہ آنے دینے کی وجہ سے اسکے تھلے لگ کر رہتے ہیں۔ ورنہ عورت ذات ہے ہی کیا چیز صرف ایک ماشہ، تولہ سونے یا پھر دو لفظوں کی مار۔ ویسے مارنے والے تو اس صنفِ نازک کے ساتھ رضیہ غنڈوں والی والا سلوک رکھتے ہیں اور

بہت سی غیر ضروری نازیبا قسم کی کاروائیاں روا رکھتے ہیں کہ کبھی کسی نے اس بیچاری کا کان کاٹ دیا تو کبھی ناک، کبھی چوٹی کاٹ دی تو کبھی بال، کبھی ٹانگ توڑی تو کبھی ہاتھ، کبھی سر پھوڑا تو کبھی دانت، کبھی آنکھ پھوڑی تو کبھی آنت، کبھی مکا مارا تو کبھی لات، کبھی ڈنڈا مارا تو کبھی ڈانگ۔ کبھی استرا تو کبھی چھرا، کبھی گرم پانی تو کبھی تیزاب۔ کبھی گھر بھر کے برتن تو کبھی کچھ اور وغیرہ وغیرہ۔ ویسے یہ ہے زیادتی کہ اس صنفِ نازک پر اتنا ظلم کیا جائے۔

اب رہی بات بیوی کے غصے سے بچنے اور منانے کی تو بیوی کے غصے سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اسے غصہ آنے ہی نہ دیں۔ جہاں دیکھیں کہ موصوفہ ناگواری کا اظہار کر ہی ہیں اور بات بڑھنے والی ہے تو وہیں ایک موٹے سے ڈنڈے کی ایک کاری ضرب اسکے دماغ کے عین اوپر لگائیں تاکہ دماغ کی خرابت درست ہو اور وہ اپنی اصلی حالت میں آ جائے۔ یا پھر دو ننگی تاریں بجلی کے 440 وولٹ کے شو میں لگائیں اور کرنٹ موصوفہ کے دماغ کو پہنچائیں انشاءاللہ بہت افاقہ ہوگا۔ اسکے علاوہ بھی بہت سے سوفٹ طریقے ایسے ہیں کہ بیوی کا دماغ خراب ہی نہ ہونے دیا جائے لیکن یہ آپکے مزاج اور موڈ پر منحصر ہے کہ کیا آپ ایسا کرنا پسند کریں گے۔ مثلاً: میاں گھر کے کام کاج خود کرے، بیگم کی لاتیں دبائے، بیگم کو روز سسورال لیکر جائے، اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر

سسورال کا ہی ہو جائے، بچوں کو اٹھانا، بٹھانا، پڑھانا، لکھانا، سمجھانا وغیرہ اور دیگر تمام گھریلو امور کی ذمہ داریاں خود سنبھالے، رات بھر بچوں کی پیشی پوٹی کرانے کی ذمہ داری خود لے لے، بیوی کے ڈراموں کے لیے ایک ٹی وی الگ لا کر مختص کر دے، بیوی کے آرام میں خلل واقع نہ ہو، نوکرانی کا بندوبست ہو۔ تینوں ٹائیم کھانا باہر سے آئے، ہر ہفتے نئے سوٹ، ہر ماہ سونے کے کڑے، بندے، جھمکے، لاکٹ، چین، ٹاپس آئیں، بیوٹی پارلر گھر میں ہی ہو، سسرال والوں کو اپنے ہی گھر کا حصہ جانیں، بیوی کو کبھی غصے میں دیکھیں تو گھر سے باہر نکل جائیں، گھر کے تمام امورِ خانہ داری خود نمٹائیں، تاہم ہر شادی بیاہ اور غمی خوشی میں بیگم کو آگے رکھے اور خود ہاتھ باندھ کر پیچھے رہے، لینا دینا تمام بیگم کے ہاتھوں میں ہو، ساری کمائی لا کر پہلے بیگم کے ہاتھ پر رکھے، الگ تھلگ گھر ہو، آنے جانے کی روک رکاوٹ نہ ہو۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ تو پھر نہ غصہ آئیگا اور نہ لڑائی ہوگی۔

تاہم اگر یہ عورت ذات پھر بھی نہ مانے تو سرائیکی کی ایک مثال ہے کہ : ایہہ تاں ہے ای جتیاں دے ڈاہ دی۔ یعنی یہ تو ہے ہی جوتے کے آگے سیدھی رہنے والی۔ تو جناب ! بارہ نمبر کا جوتا چلائیے اور کام پائیے اور محترم ٹنڈولکر صاحب کو بھی مشورہ کہ اس کالم کو پڑھ کر اس پر من و عن عمل کرنے کی کوشش کریں، سکھی رہیں گے۔

خواتین کے لیے فوٹ نوٹ : برائے مہربانی اس لکھے کو دل پر لیکر اداس یا پریشان مت ہو یئے گا، نہ ہی غصہ کیجئے گا کہ کہیں رنگ کالا نہ پڑ جائے اور پھر فیئر اینڈ لولی کی ضرورت پڑے۔ جسٹ ایک کہانی یا برف پر لکھا سمجھ کر بھلا دیجئے گا۔ شکریہ۔

جعلی عامل کیسے کام کرتے ہیں؟

پیارے ملک پاکستان میں یہ مشہور ہے کہ اگر کوئی بیروزگار ہو اور نہ کام ملتا ہو نہ دام تو وہ تعویذ گنڈوں کا گنڈاسہ چلا کر سبھوں کو کِل کرکے نوٹ چھاپ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے بڑے چھوٹے تمام شہروں کے ہر گلی محلے میں ایسے جعلی عامل لوگ بڑی چھوٹی داڑھیاں رکھے، کالی کالی پھٹکار زدہ شکلوں کے ساتھ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن کا کام لوگوں کو اپنے دام میں پھنسا کر آم کی گٹھلی آم کے دام بیچ کر ہزاروں لاکھوں روپے اینٹھنا اور خواتین کو بلیک میل کرکے انکے ساتھ زیادتی کے واقعات بھی اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔ اخبارات میں انکے لاکھوں کے اشتہارات دیکھ کر لوگوں کی اشتہا عروج پر اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ کیا یہ واقعی یہ اتنا کماتے ہونگے جتنے کے اشتہار دیتے ہیں۔ کچھ اسطرح کے ٹوٹے آپ کی نظر سے بھی لازمی گذرے ہونگے ،

مثلا: شہنشاہِ جنات، فخرِ پاکستان ، روحانی عامل، سلیمانی استخارہ، ہر مسئلے کا حل صرف ۳ گھنٹوں میں، عملیات کی دنیا کا مشہور نام، روحانی پیشوا، دکھی بہن بھائیوں کے نام اہم پیغام، محبت دولت اور شہرت کی جنگ میں کامیابی ہو گی، انعامی چانس صرف ایک فون کے فاصلے پر، امیگریشن میں یقینی کامیابی، من پسند شادی، طلاق کا مسئلہ، رشتوں کی بندش، سفر میں رکاوٹ، دشمن کو زیر کرنا، محبوب کو تابع کرنا، نظرِ بد، گھریلو

ناچاقی، شہنشاہِ جنات فلاں بنگالی، موءکلات کی طاقت سے محبوب کے دل پر قبضہ، لائف ٹائم گارنٹی، کالے علم کی کاٹ پلٹ کا ماہر، اماں فلانی بنگالین کا اہم اعلان۔ وغیرہ وغیرہ۔ ذرا انکے اشتہارات کے ڈیل ڈول دیکھیے :۔۔۔ فلاں بابا فلاں والے۔ آئیں اور دل کی مراد پائیں۔ روتے آئیں، ہنستے جائیں۔ جیسے منور ظریف کی فلمیں دکھاتے ہوں۔ ایک کہتا ہے بہتر گھنٹے میں محبوب آپکے قدموں میں، دوسرا کہے گا کہ چوبیس گھنٹوں میں محبوب آپکا، تیسرا تو حد ہی مکا دیگا نہ کہ صرف دو گھنٹے میں محبوب آپکے پاؤں بلی کی طرح چاٹ رہا ہوگا۔ پاؤں نہ ہوا سالن کی خالی پتیلی ہو گئی۔ ساتھ میں رابطے کے لیے آدھا درجن موبائل نمبرز بھی دیے گئے ہونگے کہ پریشانی نہ ہو۔ ایک اور صاحب کا ایڈ دیکھیں : عامل فلاں فلاں بنگال والے۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور برما کے جنگلوں میں پچاس سالہ تپسیا کے بعد آپکے شہر میں، آپکے تمام مسائل کا حل صرف ایک فون کے فاصلے پر۔ ایک ایڈ میں ایک بابے کی جنگل میں اکڑوں بغیر کپڑوں کے ممنوعہ سی، بندروں سے ملتی جلتی، پھٹکار برستی تصویر کے ساتھ لکھا ہوگا کہ میرے چلے ہوئے وار کو لوٹانے والے کو پانچ لاکھ کا چیلنج۔ حالانکہ اپنے کپڑے بندر سے نہ لوٹوا سکے ہونگے۔ آگے فرمائیں گے کہ جن کے کام رکے ہوئے ہوں، ہم سے کرائیں، ہر کام گارنٹی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہ ہونے کی صورت میں تمام

رقم واپس۔ تعویذ نہ ہوا ملت فین یا سلیقہ سلائی مشین ہو گئی ۔ پھر ایک اور عامل صاحب کا ایڈ دیکھیں ۔ کالی ماتا، کالی دیوی، مہا کالی اور ہوائی مخلوق کے گرو، آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں ، فون پر تمام مسائل حل کرائیں۔ ہمارے موکل ہر جگہ کام کرتے ہیں ۔ موئکل نہ ہوئے ملباری یا پٹھان ہو گیا کہ ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ ساتھ میں چند جعلی خطوط بھی شائع کیے گئے ہونگے کہ: میرا نام فلاں فلاں ہے ، میں مانچسٹر میں رہتی ہوں، میرے میاں بہت ہی آوارہ ، جواری، شرابی اور گوریوں کے چکر میں رہتے تھے، بابا جی کی کرپا سے اب وہ مجھ پر ایسے لٹو ہوئے ہیں کہ ہر وقت میرے پاس پڑے رہتے ہیں اور میں انہیں کام کے لیے بھی گھر سے دھکے دیکر نکالتی ہوں۔ ایک اور خط کچھ یوں ہوگا کہ : میرے میاں بہت ٹیڑھے تھے، شاید کتے کی دم کی طرح، جب سے بابا جی سے تعویذ گنڈے کرائے ہیں اتنا صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں کہ آنکھ اٹھا کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے صرف کن اکھیوں سے دیکھتے ہیں یا نیچے اور اکثر نیچے دیکھنے کی وجہ سے راہ چلتے خوا تین سے جان بوجھ کر ٹکرا جاتے ہیں اور ہر عورت کو اسکی عمر کے حساب سے بہن، باجی، اور خالہ ، ماسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مجھے بھی کئی بار ان ناموں سے پکار کر نکاح میں خلل واقع کرکے اکثر حلالہ کراتے رہتے ہیں۔ ایک اور صاحب کچھ اسطرح رقمطراز ہونگے کہ : میں بہت پریشان تھا کہ مجھے نوکری اور چھوکری دونوں ہی نہ ملتی تھیں۔ پر بابا جی کی کرپا اور دیا سے اب میں دونوں کا مالک ہوں پر دعا کرتا ہوں کہ نوکری ہمیشہ رہے

پر چھوکری ذرا ہری مچ کی طرح تیکھی ہے اللہ کرے وہ ہمیشہ کے لیے جان چھوڑ جاوے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔ہمارے ہاں کی بہت سی فلمی اور اسٹیج اداکارائیں بھی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کو ایسے بہت سے کام کرواتی رہتی ہیں۔

اب جناب آتے ہیں اصل قصہ کہانی کی طرف۔ ہمارے للو میاں کے نام سے تو آپ بخوبی واقف ہیں ہی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بھی اپنی بیگم کے ستائے ہوئے ہیں۔ ان کے دوست نما دشمنوں نے انہیں مشورہ دیا کہ یار! یہ چودھویں صدی ہے اور ہر دکھ، پریشانی اور بیماری کا علاج ممکن ہے۔ آپ بھی کسی عامل سے رابطہ کرکے اپنی بیگم صاحبہ کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں اور وہ بھی آپکے پاؤں دھو دھو کر پیے گی۔لو جناب! للو میاں نے بھی اخبار میں ایک اشتہار دیکھ کر ایک جگہ فون کھڑکا دیا، جسمیں لکھا تھا کہ گھر بیٹھے فون پر ہر مسئلہ حل کرائیں چاہے آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں۔ فون پر معلومات لیں تو بتایا گیا کہ آپ ہمارے آن لائن اکاؤنٹ میں ابھی رقم جمع کرائیں، ہمیں ابھی کنفرمیشن کا ایس ایم ایس موصول ہو جائیگا اور پھر ہم آپکا کام اپنے موکل بھیج کر ابھی کر دینگے۔ للو میاں نے سوچا کہ یار! فون پر کیا کام کرنا وہیں جا کر حال چال لیتے ہیں۔

لیں جناب! للو میاں ایک دوست سے کچھ ادھار سدھار لیکر پہنچے ایک عامل کے

آستانے پر اور ملاقات ہوئی انکی ایک قبول صورت سی سیکریٹری سے ۔اسنے حال چال لیکر اور چند دلربا ادائیں دکھا کر، پانچ ہزار روپے لیکے رتھوڑی دیر بعد اندر عامل صاحب کے پاس بھیج دیا۔ پر للو میاں بیچارے یہ نہ دیکھ سکے کہ سیکرٹری نے انکے سارے مسائل موبائل میں پہلے ہی ریکارڈ کرکے اندر باباے تک پہنچادیے اور ایک منحوس سی شکل کا کالا باباللو میاں کو دیکھتے ہیں بولا کہ بچا: بیوی کا ستایا ہوا ہے، مارتی بھی ہے، کام بھی کراتی ہے ، ڈانٹتی بھی ہے، خرچہ بھی نہیں دیتی۔ ہوں ں ں ں س۔ تیرا کام ہو جائیگا بچہ۔ لا پانچ ہزار روپے دے ۔ للو میاں بولے کہ سرکار ابھی پانچ ہزار تو میں باہر دے کر آرہا ہوں تو بولے کہ وہ اسکے تھے یہ میرے ہیں۔ لا جلدی نکال پیسے اور کھسک یہاں سے کہ میرے موکل تیرے گھر کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ عامل صاحب کے کمرے میں لٹکی مختلف مورتیاں، ہڈیاں ، کالے چراغ اور خوفناک تصاویر سے ویسے ہی للو میاں کا دل دہل رہا تھا لہٰذا انہوں نے جلدی سے عامل کے کمرے سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔ دس ہزار روپے لٹا کر للو میاں گھر کی طرف روانہ ہوئے تو دل ہی دل میں بہت خوش تھے کہ آج تو بیگم میری ٹانگیں دابے گی اور چائے پانی کا بھی ضرور پوچھے گی کہ عامل کے مؤکل ضرور گھر پہنچ کر بیگم کو لتاڑ چکے ہونگے ۔

مگر یہ کیا کہ گھر پہنچتے ہی بیگم نے پہلے تو ایک جوتا کھینچ کر للو میاں

کی گدی میں مارا جس سے ان بیچاروں کو رات میں سورج نظر آنے لگا، پھر دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو بیچارے کیا بتاتے۔ ایک دوست کی والدہ کے چہلم کا بتا کر جان چھڑانے کی کوشش کی پر بیگم نے یقین نہ کیا اور جھوٹے کا طعنہ دیتے ایک لات رسید کرتے حکم صادر کیا کہ کچن سے خود ہی کھانا لے لو اور سارے برتن دھو کر آئیں اور مجھے دبائیں۔ یہ سنکر للو میاں تو سٹپٹا ہی گئے کہ یار دس ہزار میں لاتیں دبانے کی بجائے کھانے کو ملیں۔ خیر کیا کرتے بیچارے، اپنی پھوٹی اور سوئی قسمت کو کوستے، روتے اور دس ہزار کا افسوس کرتے بیچارے کچن میں گھس گئے اور بیگم کے تمام احکامات کی تعمیل کی۔

پہلے ناکام تجربے کے کچھ روز بعد پھر انہیں ایک دوست نے دوسرے ایک عامل کے پاس بھیجا۔ شکر ہے کہ ان موصوف کا کوئی سیکریٹری نہ تھا۔ نمبر آنے پر عامل صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک بڈھا، توے کے رنگ سے بھی کالا کھوسٹ، منہ میں پان دبائے آلتی پالتی مارے بیٹھا پایا جیسے کہ لیٹرین میں بیٹھا ہو اور صرف لوٹے کے انتظار میں ہو۔ للو میاں نے اپنا مدعا بیان فرمایا۔ عامل صاحب گویا ہوئے کہ بچو پہلے تو تیرے اس کام کی فال نکالنی پڑیگی اور اسکے تین ہزار روپے ہونگے۔ للو میاں نے راضی ہو کر پیسے دے دیے کیونکہ اصل مدعا بیگم کو کسی بھی حال میں راہِ راست پر لانا تھا۔ کچھ دیر عامل صاحب کاغذ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے اور بڑبڑاتے رہے، پھر بولے ! میاں آپ کے گھر

پر کالا علم کروایا گیا ہے کہ آپکے ہاں ہمیشہ نا اتفاقی رہے اور اس کام میں دو عورتیں اور ایک مرد کا ہاتھ ہے۔ یہ سنکر للو میاں سٹپٹا گئے۔ انکے ذہن میں فورا بیوی کے تمام رشتے دار گھومنے لگے کہ یہ ضرور فلاں فلاں کا کام ہوگا۔۔۔ للو میاں نے پوچھا کہ کیا انکے نام جان سکتا ہوں۔ عامل صاحب بولے کہ میاں آپ نام وام چھوڑو اور بس اس کام کا اتارا کرالو، ساری عمر خوش رہوگے۔ پوچھا کہ جناب یہ اتارا کیسے ہوگا۔ تو بولے ! میاں یہ میرا کام ہے، جیسے کہوں ویسے کرتے جانا۔ عامل صاحب نے للو میاں کو تین دواؤں کو طرح تین طرح کے تعویذ تھمادیے۔ ایک نہانے کا، ایک جلانے کا۔ ایک پلانے کا۔ ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اگر اپنے دشمنوں کو چلتے پھرتے دیکھنا چاہو تو اگلی بار کسی دس بارہ سال کے لونڈے کو لے آنا، میں ایک عمل کرونگا اور سب کچھ تمہیں فلم کی طرح اسکے انگوٹھے کے ناخن میں نظر آجائیگا۔

للو میاں خوشی خوشی تعویذ لیکر پہنچے گھر اور سب سے پہلے ایک جلانے والے تعویذ کی باری تھی۔ للو میاں نے چپکے سے ایک کونے میں تعویذ جلانے کو شش کی تو چھوٹے منے نے دیکھ کر اماں کو بتا دیا کہ ابا سگریٹ پی رہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا للو میاں نے لاکھ کہا کہ میں فالتو کاغذ جلا رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ پر شکی مزاج بیگم نہ مانی۔۔ اور مار کوٹ کر ہی جان چھوڑی اور اسطرح یہ جلانے والا کام ادھورا رہ گیا۔ پھر جناب ایک تعویذ کو جوتے سے مارنا

تھا، پھر بیگم نے آواز سن لی کہ شاید میاں صاحب کسی بچے کو نہ کوٹ رہے ہوں۔ وہاں سے بھی بمشکل جان چھڑائی کہ میں تو مکھیاں مار رہا تھا۔ البتہ نہانے میں مسئلہ نہ ہوا کہ بالٹی بھر کر تعویذ اس میں ڈالا اور نہا دھو کر باہر آ گئے۔ اب مسئلہ تھا کہ بیگم کو تعویذ کیسے پلایا جائے۔ کچھ سوچنے کے بعد للو میاں کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا کہ بیگم کو چائے کہ جگہ آج شربت پلایا جائے اور اسمیں تعویذ ڈال دیا جائے۔ کیونکہ عامل بابا نے کہا تھا کہ گرم شے میں تعویذ نہیں ڈالنا ہے۔ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موصوف شربت بنا کر خوشی خوشی لیکر بیگم کے پاس پہنچے تو بیگم چلائیں کہ میں نے تو چائے کا کہا تھا یہ شربت کیوں؟ للو میاں بولے کہ بیگم آج پتی ختم تھی لہٰذا آج اسی پر گزارہ کرلو۔ ابھی بیگم گلاس اٹھانے ہی لگی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی اور سالی صاحبہ بمعہ آدھا درجن بچوں کے آن وارد ہوئیں۔ بیگم نے بہن کو دیکھتے ہی شربت کا گلاس خود پینے کی بجائے بہن صاحبہ کو تھمادیا اور بچوں کے لیے مزید شربت کا آرڈر دے دیا۔ یوں پھر یہ کاروائی بھی نہ ہو سکی۔ تاہم للو میاں کچھ روز بعد یہ تعویذ بیگم کو پلانے میں کامیاب رہے لیکن انکے مزاج میں تبدیلی کے بجائے مزید ابتری آتی گئی۔ موصوف پھر اسی تعویذوں والے بابے کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ بیگم کو کوئی افاقہ نہ ہے پر گھر میں فاقے ہونے لگے ہیں کیونکہ تمام رقم ان تعویذ گنڈوں پر جو

خرچ کی جارہی ہے۔ خیر جناب ! کالی شکل والے اس بابے نے للو میاں کو تسلی دی کہ عمل ذرا الٹا ہو گیا ہے، میں مزید کچھ وظائف وغیر وہ کرونگا آپ مزید پانچ ہزار لیکر دوبارہ تین روز بعد حاضر ہوں۔تاہم للو میاں دوبارہ اس بڈھے کا پاس نہ گئے کہ جیب میں اب پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

پھر ایک روز للو میاں بیچارے مت مارے کو کسی نے ایک اور مت دی کہ فلاں جگہ پر ایک بنگالی عورت یہ کام کرتی ہے اور بہت ہی پہنچی ہوئی ہے۔ لیں جناب للو میاں کو پھر کھرک ہوئی بیگم کو تھلے لگانے کی اور موصوف جا پہنچے پھر پاس موصوفہ کے : پہلے پہل تو للو میاں اس کہ چڑیل سے ملتی جلتی شکل اور کالا پھٹیچر کلر دیکھ کر ہی ڈر گئے پر پھر ڈرتے ڈرتے مدعا بیان کرنے ہی والے تھے کہ عاملہ صاحبہ نے کچھ نفسیاتی قسم کے سوال شروع کر دیے جو کہ آجکل ہر گھر میں ہوتا ہے مثلا: بیگم لڑتی ہے، پیسے میں برکت نہیں، خرچہ پورا نہیں ہوتا، بچے کہنا نہیں مانتے اور لڑتے ہیں۔ ذہن پر ہر وقت ٹینشن اور دباؤ رہتا ہے۔ سینے پر بوجھ رہتا ہے۔ نیند نہیں آتی، بھوک ٹھیک سے نہیں لگتی۔ ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ ہر وقت سوچتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جس سے کہ للو میاں بہت امپریس ہوئے کہ یہ تو واقعی کوئی بہت پہنچی ہوئی چڑیل لگتی ہے۔ موصوفہ نے فرمایا کہ آپ کو ان تمام برے حالات سے چھٹکارا مل سکتا ہے تاہم تمہیں میرے کہنے پر عمل کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے تو چودھویں کی آدھی رات کو سمندر میں

ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر فلاں وظیفہ کرنا ہوگا اور ساتھ میں لیموں کاٹ کاٹ کر پھینکنے ہونگے۔ للو میاں بیچارے تو آدھی رات کا سنکر ویسے ہی گھگیا گئے۔ بولے کہہ ماں جی! کچھ اور آسان کام بتا دیجئے۔ موصوفہ پھر گویا ہوئیں کہ مردے کا کفن، مردے کی ہڈیاں یا جانور کی حرام ہڈی لا سکتے ہو، تو للو میاں نے کپکپاتے ہوئے پھر انکار کر دیا۔ اماں بی پھر پھوٹیں کہ اچھا کہیں سے کالے الو یا ہدہد کا خون، گدھے کو کھوپڑی، اصلی کستوری یا کسی نوزائیدہ بچے کا خون یا لاش لادو۔ للو میاں تو یہ سب نام سن کر ہی دہل گئے اور اٹھ کر بھاگنے ہی والے تھے کہ پھر پوچھا کہ اماں جی! کوئی اور آسان سا وظیفہ بتادیں، تو بولیں کہ ایک عدد مورتی یا کپڑے کا گڈا بنا لاؤ جس میں پڑھ کر سوئیاں پروؤں گی پھر اسے آدھی رات کو قبرستان میں دبا آنا۔ یا پھر بیگم کے سر کے بال یا اسکا ڈوپٹا یا قمیض لادو اس پر پڑھائی کر دونگی قبرستان میں دبا دینا۔ یہ کام بھی للو میاں کے لیے ممکن نہ تھا، لہٰذا پھر انکار کر دیا۔ پھر پوچھا کہ بی بی کوئی اور آسان کام بتا دیجیے۔ تو بولیں کہ: آپ ان سب جھنجھٹوں کو چھوڑو اور مجھے مبلغ پچیس ہزار روپے لادو سب کام میں خود ہی کر لونگی اور بیگم آپ کی ہو کر رہ گے اور پاؤں چاٹنا، دابنا تو کیا تمہارا تھوک تک چاٹے گی۔ پچیس ہزار روپوں کا سنکر للو میاں نے وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔

للو میاں راستے بھر یہ سوچتے رہے کہ یار اگر ان عاملوں کی اتنی ہی پہنچ ہے اور انکے مؤکل پوری دنیا میں کام کرتے ہیں تو یہ لاکھوں مسلمانوں کے قاتل امریکی صدر اوباما یا بش کو کیوں نہیں مار دیتے؟ انکے پتلے بنا کر ان میں سوئیاں لگا کر انہیں کسی قبرستان میں غرق کیوں نہیں کر دیتے؟ ملک کا بیڑا غرق کرنے، دن رات لوٹنے اور اپنے بنک اکاؤنٹ بھرنے اور ملک کو لوٹ کر قرضدار کرنے والے، مہنگائی بڑھا کر غریبوں کی زندگی اجیرن کرنے والوں پر کیوں تعویذ گنڈے نہیں چلاتے؟ کیوں انکی مورتیاں بنا کر انمیں سوئیاں گاڑ کر اسے قبرستان میں نہیں دباتے؟ کیوں انکے موکل اسرائیل کو تباہ و برباد نہیں کرتے؟ جس نے فلسطینیوں پر مظالم ڈھا کر عالم اسلام کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ کراچی اور ملک کے دیگر حصوں میں ہوئی قتل وغارت کو اپنے نام نہاد عملیات سے کیوں نہیں رکواتے؟ ان پر کیوں بندش نہیں کرواتے؟ اپنے عمل سے ڈرون حملے کیوں نہیں رکواتے؟ اربوں روپوں کے قرضے معاف کرانے والوں سے یہ عمل کر کے چیف جسٹس صاحب کی طرح یہ رقم کیوں نہیں اگلواتے؟ بجلی، گیس، پانی، پٹرول کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کرنے والوں کے جسموں کو سوئیوں سے کیوں نہیں داغتے؟ عدالتی فیصلوں کا مذاق اڑانے والوں سے ان پر عمل کر کے کیوں عمل نہیں کرواتے؟ پاکستان کو دیمک کی طرح چاٹنے والوں پر انکے عمل کیوں اثر نہیں کرتے؟ عوام کی حلال کمائی کو لوٹ پر بیرونی ممالک میں بنک بھرنے والوں سے انکے موکل حساب کتاب کیوں نہیں کرتے؟ عوام کے نام نہاد فراڈ، جعلی اور ٹیکس

چور نمائندوں سے ٹیکس کیوں وصول نہیں کراتے؟ موٹی موٹی توندوں والے مولوی حضرات کی توندوں میں سوئیاں چبھو کر انکی گیس خارج کیوں نہیں کراتے؟ اردو انگریزی سے نابلد عوام کے جعلی اسمبلی ممبران سے عوام کی جان کیوں نہیں چھڑواتے؟ اربوں روپے الیکشن پر خرچ کرکے عوام کے درد میں گھلنے والے، عوام کی نام نہاد خدمت کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے والے مذہبی اور غیر مذہبی لیڈروں کو یہ راہِ راست پر کیوں نہیں لاتے؟ اور یہ کہ کوئی اچھا سا عمل کرکے میری شادی ایشوریا رائے، کرینہ کپوریا قطرینہ کیف سے کیوں نہیں کرا دیتے کہ موجودہ چنگیز خان اور سومو پہلوان جیسی شکل والی بیوی سے ہی جان چھوٹ جاوے؟ اپنے جعلی علم سے میرا ایک کروڑ کا پرائز بانڈ کا نمبر کیوں نہیں لگوا دیتے؟ دراصل میں یہ سب لٹیرے اور فراڈیے ہیں اور عوام کو ورغلا کر اور انکی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ یہی کچھ سوچتے اور دل ہی دل میں جلتے کڑھتے للو میاں بیچارے گھر کے پاس پہنچے تو مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی اور پریشان حال للو میاں بیچارے نہ چاہتے ہوئے بھی مسجد میں گھس گئے۔

نماز باجماعت پڑھ کر للو میاں کو بہت اطمینان سا ہوا۔ پھر نماز کے بعد کچھ لوگ تلاوت کرنے لگے اور کچھ دین، اسلام اور حضور پاک کی احادیث اور سنتیں بیان کرنے لگے اور للو میاں بھی اس محفل میں شریک ہو گئے۔ کچھ دیر

اس روحانی محفل میں بیٹھ کر انہیں لگا کہ شاید وہ ٹھیک جگہ پر آ گئے ہیں۔ اتفاق سے یہاں پر انکی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی اور باتوں باتوں میں انہوں نے اپنا دکھ انکے گوش گذار کر دیا۔ بزرگ نے للو میاں کی بات توجہ سے سنی، انکے حق میں دعا کی اور صرف ایک ہی مشورہ دیا کہ آپ اور تمام گھر والے نماز کی پابندی کریں اور درود شریف کا ورد کیا کریں۔ اللہ پاک آپکے تمام مسائل حل کر دینگے پھر محترم بزرگ کی ہدایت پر عمل کر کے ایسا ہی ہوا کہ جو کام للو میاں ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی نہ کرا سکے تھے وہ نماز اور درود پاک نے چند دنوں میں ہی کر دیا۔

ہنسنا الاؤ ہے) جوڑ، بے جوڑ شادیاں)

شادی شدہ جوڑوں کے بارے میں بہت سے لطیفے اور باتیں مشہور ہیں۔ انمیں سے ایک لطیفہ کچھ یوں ہے کہ: ایک بادشاہ نے اعلان کرایا کہ جو شادی شدہ مرد حضرات اپنی اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں وہ ایک لائین میں اور جو نہیں ڈرتے وہ دوسری لائن میں کھڑے ہو جائیں۔ تھوڑی دیر بعد بیویوں سے ڈرنے والوں کی ایک لمبی لائن بن گئی اور نہ ڈرنے والوں کی لائن میں صرف ایک آدمی کھڑا تھا: بادشاہ نے اسے قریب جاکر ویری گڈ کہتے ہوئے پوچھا کہ کیا تم واقعی اپنی بیوی سے نہیں ڈرتے ؟ تو آدمی بیچارہ بولا! کہ سر پتہ نہیں، مجھے تو بیوی کہہ گئی ہے کہ اسی لائن میں کھڑے رہنا ورنہ ٹانگیں توڑ دونگی۔ کیسا۔۔۔۔۔

ملٹن کہتا ہے کہ ایک اچھی بیوی ہمیشہ بھول جاتی ہے اپنے شوہر کو جب وہ غلط ہو۔ یعنی کہ چونکہ بیویاں اکثر ہی غلط ہوتی ہیں تو پھر انڈے، ٹماٹر اور ڈنڈے کہاں پڑیں، کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ اسی طرح ایک بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ قربانی کا جانور کب لاؤ گے ؟ شوہر بولا کہ بیگم مجھے ہی ذبح کرلو، جانور کی کیا ضرورت ! بیگم صاحبہ نے ہاتھ لہرا کر جواب دیا کہ: گدھے کی صرف کمائی حلال ہے قربانی نہیں ! ہی ہی ہی۔۔۔۔ مرد حضرات زیادہ جذباتی نہ ہوں، یہ صرف

لطیفہ ہے۔ اس سے پہلے میں اپنے کئی آرٹیکلز میں خواتین کی ریٹرھ لگا چکا ہوں، اگر کبھی مردوں کی بھی تھوڑی بہت ریٹرھ لگ جائے تو کیا حرج ہے؟

تو جناب! بیوی کیسی بھی ملے (یہ تو قسمت کے کھیل ہیں) شادی بہرحال ہے ایک اہم فریضہ جو کہ ہر مرد و عورت کو ادا کرنا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ اچھا ہوگا کہ شادی صرف عورت کی ہوتی ہے آدمی تو صرف عادی ہوتا ہے۔برے انجام کا، اور عاری ہوتا ہے دنیا داری سے کہ بیوی آنے کے بعد دیدی، دادی سب کچھ چھوڑ چھاڑ بھول بھال صرف بیوی اور بچوں کی روٹی پوری اور پوٹی دھونے میں ہی کمر نیوا بیٹھتا ہے ۔ویسے تو شادیاں روز ہی ہوتی ہیں پر کچھ شادیاں بہت ہی عجیب و غریب ہو سکتی ہیں مثلا: ڈاکٹر اور انجینئر کی شادی، وکیل اور پولیس آفیسر کی شادی، پیش امام ، درزی، موچی اور سنیارے کی شادی۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ آئیں انکی کچھ تفصیل جانتے ہیں۔

انجینئر دولہا اور ڈاکٹر دلہن ہو تو انکے شب و روز کیسے گزریں گے: میاں کہیگا کہ بھئی میرا ہیلمٹ ، سیفٹی شوز اور ڈانگری کدھر ہیں۔ ڈاکٹر بیوی اپنی اشیائِ ضروریہ لبھ رہی ہو گی کہ میری اسٹیتھوسکوپ، تھرمامیٹر اور ٹارچ نہیں مل رہی۔ ناشتے میں ڈاکٹر بیگم فرمائیں گی کہ بھئی ٹوسٹ کا ٹمپریچر سو ڈگری سے کم ہونا چاہیے اور پراٹھا گھی کی بجائے صرف ایک چمچ آئل میں

پکا ہو۔ انڈا بغیر زردی کے ہو، دودھ ملائی اترا ہوا اور چائے پھیکی ہو۔ پاپے، ڈبل روٹی، بسکٹ شوگر فری ہوں، کھانے میں ابلے ہوئے چاول دال کے ساتھ اور سلاد بس۔ انجینئر میاں صاحب اپنا راگ الاپیں گے کہ میری روٹی کی پیمائش پوری ہونی چاہیے اور فیتے سے ناپ کر دی جائے، ذرا بھی زیادہ ہو تو کاٹ دی جائے۔ بوٹیوں کا وزن برابر ہونا چاہیے۔ روٹی پرکار کی طرح تکون نہیں بلکہ گرائنڈنگ ڈسک کی طرح گول مٹول ہونی چاہیے۔ پلیٹ میں سالن اور کپ میں چائے کا لیول برابر ہونا چاہیے۔ روٹی، سالن اور چائے میں استعمال ہونے والے مٹیریل کا لیب ٹیسٹ ہو وغیرہ وغیرہ۔

ویسے تو ہماری ریما صاحبہ ماشاءاللہ سے اپنے ڈاکٹر شوہر کے ساتھ خوش و خرم ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں، اللہ انہیں سدا خوش رکھے آمین، پر اندر کی بات کا پتہ نہیں کہ بیچاری کو صبح شام جوس گلاس کی بجائے ٹیکے کی سرنج میں ملتا ہو، وٹامن فروٹ کی بجائے گولیوں کی شکل میں، آئرن پالک، سیب اور سبزیوں کی بجائے کیپسولوں کی شکل میں، روٹی فائبر اور ویٹیبل بسکٹ کی شکل میں، چائے میں چینی کی بجائے کینڈرل کی گولی ملتی ہو۔ اسکے علاوہ ذرا کہیں پیٹ میں درد ہوا تو شوہر ڈاکٹر فورا الٹرا ساؤنڈ کرنے بیٹھ جاتا ہوگا یا پھر منہ کے ذریعے نلکی ڈالکر پیٹ کی انڈواسکوپی کرنے لگ جاتا ہوگا یا پھر بلڈ اور یورین ٹیسٹ وغیرہ وغیرہ۔ ارے ہاں یورین ٹیسٹ پر یاد آیا کہ انکے

ہاں سے ابھی تک کوئی ایسی ویسی۔؟؟۔ خبر نہیں آئی؟؟آپ سمجھ گئے نہ کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟

وکیل دولہا اور عام دلہن : وکیل کی بیوی بیچاری تو سدا عذاب میں رہیگی کہ ہر وقت ہر غلط کام پر کسی نہ کسی دفعہ لگنے کا ڈر ہوگا۔ مثلا: روٹی لیٹ ہو گئی، دفعہ چار سو پانچ۔ کپڑے لیٹ ملے تو دفعہ چار سو چھ، چائے لیٹ ہو گئی تو دفعہ سات سو دو۔ پیسے مانگ لیے تو دفعہ چار سو سات۔ بیگم نے ہاتھ اٹھالیا تو دفعہ تین سو دو کا پرچہ۔ بچوں کو مار دیا تو پھر کسی نہ کسی دفعہ لگنے کا ڈر۔ انکے تو بچوں کا کسی سے پھڈا بھی مہنگا پڑیگا کہ پتہ نہیں کب اقدام قتل یا قابل دست درازی کا الزام لگ جائے۔

تھانیدار دولہا اور عام دلہن: اسکی بی وی بھی بیچاری ہر وقت ڈری سہمی ہی رہیگی کہ پتہ نہیں کب دفعہ تین سو دو کا پرچہ کاٹ دے۔ اسکے علاوہ گھر میں چھترول، لترول تو عام سی بات ہوگی کہ اسکے بغیر پولیس والا رہ نہیں سکتا۔مزید کہ کچھ ممنوعہ قسم کی گالیاں جنکے دینے سے زبان کے ساتھ ساتھ جسم بھی گندا ہو جاتا ہے وہ بھی پولیس والے کی بیوی کو برداشت کرنی پڑ سکتی ہیں۔ اسکے علاوہ اگر تھانیدار کی کبھی مار کٹائی کی ٹھرک تھانے میں پوری نہ ہوئی تو یہی کمی بیشی گھر میں بیوی کے جسم پر بھی پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا

اسکی بیوی کو چھتر کی چھترول، مولا بخش کی بخشش، گھسن، مکے، لات، تھپڑ، سریے سے ٹھکائی، رولر پھیرنا، چیرا لگانا، رات بھر جگانا، آنکھوں میں مرچیں وغیرہ جیسے ظلم و ستم کے لیے تیار رہنا پڑیگا۔

موچی، درزی دولہا اور عام بیوی: موچی سے شادی کا عورت کو ایک یہ فائدہ ہے کہ گھر کی تمام فالتو چپلیں کام میں آ جائی گی۔جہاں جوتی ٹوٹی وہیں نویں تیار۔تاہم نقصان یہ کہ میاں صاحب کو کبھی غصہ آیا تو یہ تمام جوتیاں خود انہی پر ٹرائی ہو سکتی ہیں۔اور یہ کہ موچی میاں جوتے بنا سنوار کر ہر فنکشن پر بیگم اور بچوں کو عیش بھی کرا سکتا ہے۔جبکہ درزی سے شادی میں یہ فائدہ ہے کہ روز روز نئے نئے ڈیزائن کے سلے سلائے سوٹ ملا کریں گے پہننے کو۔تاہم محتاط رہیں کہ اگر درزی ان ٹرینڈ ہوا تو کہیں نئے نکور کپڑوں کا ! ستیاناس ہی نہ کر دیے

دودھ والا دولہا اور عام بیوی: دودھ والے کے تو سارے بچے ہی دودھ میں نہائیں دھوئیں گے اور پھول کر کپا اور موٹے سانڈ ہو جایا کریں گے کہ گھر میں دودھ کی فراوانی ہو گی۔ روزانہ تازہ دودھ، دہی، کسٹرڈ، کھیر، کھویا، دیسی گھی، مکھن تیار ملا کریگا، پر کچھ ہی دنوں میں تمام گھر والوں کا فیٹ لیول اور کولیسٹرول بڑھا ہو پایا جائیگا او ریوں پھر بیماریوں کی وجہ سے دوائیں

شروع۔کہتے ہیں کہ دودھ والوں کے ہاں ہر ماہ ایک چارپائی ٹوٹتی ہے وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے۔لہٰذا بی کیئر فل بی فور میرج وداے ملک مین۔

سنیارا دولہا اور عام دلہن: اس میں دلہن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بیگم کو آئے روز نت نئے ڈیزائن کے سیٹ پہن کر شو شا مارنے کا موقع مل جاتا ہے۔تاہم کمی بیشی ہونے پر بیگم کا زیور توڑ کر واپس بھی ملانا پڑ سکتا ہے۔سنیارے کرتے یہ ہیں کہ جوں ہی کوئی نیا ڈیزائن کا سیٹ بننے آتا ہے تو پہلے اپنی بیگمات پر پہنا کر ٹرائی کر لیتے ہیں ۔ لہٰذا موجاں ای موجاں۔مگر چور بھلیئیوں سے گذارش ہے کہ ہاتھ صاف کرنے سے پہلے اصلی نقلی کی پہچان ضرور سیکھ لیں کہ سنیارا سونے میں کھوٹ ملانے سے کبھی باز نہیں آتا!۔

بنک والا دولہا اور عام دلہن:: بنک والے سے شادی میں فائدے اور نقصان دونوں ہی ہیں۔ فائدہ یہ کہ گروی رکھے زیور اکثر تقریبات میں گھر میں بیگم کے کام آجاتے ہیں۔ جبکہ کمی بیشی ہونے یا مارگٹ اچیو کرنے کے لیے بنک منیجر میاں ، بیوی کے زیور بھی گروی رکھوا سکتا ہے۔اسکے علاوہ عید بقر عید پر بیوی بیچاری کو نئے نوٹوں کی سفارش کے لیے بار بار اپنے میاں کی منت کرنا پڑا کریگی۔پھر جس طرح بینک والے قرضہ دیتے وقت قرض لینے والے کا پورا شجرہ نسب چھانتے ہیں اسی طرح وہ بیوی کے بھی گڑھے مردے اکھاڑ سکتا ہے۔کیونکہ جوانی

میں تو ہر مرد عورت سے کچھ غلطیاں ہوتی ہیں ،تانک جھانک کی، لہٰذا ماحول خراب بھی ہو سکتا ہے !۔

امام صاحب دولہا اور عام دلہن: انتہائی معذرت کے ساتھ کہ ان بیچارے نے تو ہر آن یہی پوچھنا ہے کہ بیگم نماز پڑھی کہ نہیں؟؟۔ بیگم روٹی کا پوچھے گی وہ نماز کا پوچھیں گے۔ بیگم کپڑوں کا پوچھے گی وہ سنتوں کے بارے میں دریافت کریں گے۔ بیگم شادی میں جانے کی بات کرے گی وہ نماز پر جانے کی بات کریں گے۔ عموماً بیگمات نماز پڑھتی نہیں ہیں پر کہہ دیتی ہیں کہ پڑھ لی تھی۔ تو اس صورت میں ثواب کے ساتھ ساتھ عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امام صاحب سے شادی سے پہلے کئی بار سوچ لینا چاہیے۔ ویسے تو شادی کہیں بھی کریں سوچ سمجھ کر یں کہیں بعد میں : اعصام الحق اور فاہا کا سا حال نہ ہو۔ اللہ ان دونوں کے حال پر رحم فرمائے۔ ہاں البتہ ایک فائدہ یہ ہے کہ مولویوں کے گھر حلوے مانڈے اور کھانے پینے کا سامان بہت آتا ہے، جس کی وجہ سے اکثر مولوی کی بیگم کی کچن سے جان چھوٹی رہتی ہے۔

لوہار دولہا اور عام دلہن: لوہے کا کام کرتے کرتے اس بیچارے کے ہاتھ بھی ہتھوڑے کی طرح سخت ہو جاتے ہیں۔ انکی بیگم بننے والیوں سے گذارش ہے کہ اپنے گھر سے مار کھانے کی پریکٹس کر کے آئیں کہ اس آدمی کا پیار کا ہاتھ بھی

ہتھوڑے کی طرح لگتا ہے اور ہتھ ہولا رکھان تو انہیں آتا ہی نہیں۔اور یہ کہ یہ ہاتھ کے کھلے ہونے کے ناطے ہتھوڑا کہیں بھی چلا سکتے ہیں، چاہے ہو ٹانگ، چاہے ہو آنکھ اور چاہے ہو دماغ۔ مزید یہ کہ : انکے غصے سے بھی بچیں کہ سارا دن ٹک ٹک کرتے سو سونار کی ایک لوہار کی کے مصداق ایک ہی جست میں دماغ کے دست نہ نکال دیں۔

شادیوں کی بات پر یاد آیا کہ ہمارے ایک دوست چین گئے تو انھوں نے وہاں ایک عجیب روایت دیکھی کہ ایک درخت کے نیچے بہت سی پرچیاں پڑی اور چپکی ہوئی تھیں۔ گائیڈ سے اس بارے میں پوچھا تو پہلے تو وہ ٹالتا رہا پھر آخر پھوٹا کہ کہ ان میں سے کچھ پرچیوں پر شادی اور کچھ پرچیوں پر مدد کی درخواست ہوتی ہے اگر کسی کو کچھ لینا دینا ہو یا کوئی شادی میں دلچسپی رکھتا ہو تو پرچی پر لکھے گئے نمبر پر رابطہ کرکے بات چیت کو مزید آگے بڑھا سکتا ہے۔ تو کیا پاکستان میں بھی شادی کے سلسلے میں ایسا ہو سکتا ہے ؟۔

بہر حال ! اب آپ سوچ رہے ہونگے کہ میں اداکارہ بیوی اور اداکار شوہر کے لتے لوں : تو بھئی ان سب کے حالات تو سیلف ایکسپلینیٹری ہیں، لکھنے کی کیا ضرورت ؟ مثلا: حمیرا ارشد اور احمد بٹ میں لڑائی جھگڑا۔ سیف کرینہ ہنی مون پر۔ جاوید شیخ، سلمی آغا ، نازاں سا عتیجی اور نیلی کی جدائیاں۔ ایشوریا

ابھیشیک بچی میں مگن ، ریمبو، صاحبہ بھی خیر سے بچوں والے۔ علی زیب کی جوڑی بھی شاندار رہی۔ درپن اور صبیحہ خانم کا پیار سبھی کو معلوم۔ نرگس میاں بچوں کے ساتھ آدھی پاکستان اور آدھی کینیڈا میں۔ انجمن مبین ملک اور بچوں کے ساتھ لندن میں۔ شائستہ واحدی بنک منیجر میاں کے ساتھ خوش۔ فضیلہ قیصر، قیصر خان کے ساتھ راضی باضی۔ سعود جویریہ ھیپی ھیپی۔ بشری انصاری، اقبال انصاری اب نانا نانی۔ راحت کاظمی ساحرہ کاظمی بڑھاپے کی طرف گامزن۔ ارباز خان اور خوشبو کی خوشبو بھی چہار سو۔ ہیما مالنی دھرمیندر، امیتابھ اور جیا بچن، نرگس سنیل دت، دلیپ کمار اور سائرہ بانو کی جوڑیاں کچھ سلامت ، کچھ اوپر۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

جناب عالی ! لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ شادی کریں تو جوڑ دیکھ کر کریں نہ کہ عارفہ صدیقی کی طرح بابا اور بے بی کا ملاپ ہو اور نہ ہی کسی ساٹھ سالہ سعودی شیخ کی طرح سولہ سالہ لڑکی سے ٹاکرا، کہ ابا بیٹی لگیں

(بھینس کے آگے بین بجانا (ہنسنا الاؤ ہے

ایک لطیفہ: کلاس میں ٹیچر نے لڑکوں سے پوچھا کہ اپنا اپنا نام اور مشاغل بتائیں۔ ایک لڑکا کھڑا ہوا اور بولا: میرا نام ہے نبیل اور مشغلہ ہے مون کو دیکھنا۔ دوسرا لڑکا: میرا نام ہے نعیم اور میرا مشغلہ ہے مون دیکھنا۔ تیسرا لڑکا: میرا نام ندیم ہے اور میرا مشغلہ بھی مون دیکھنا ہے۔ ٹیچر نے حیرت سے سب کو دیکھا اور کہا کہ آپ سب کے مشاغل ایک ہی ہیں، گڈ۔ اب لڑکیاں اپنے مشاغل بتائیں: ایک لڑکی کھڑی ہوئی اور بولی میرا نام ہے مون اور میرا مشغلہ ہے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھول کر ان سب لڑکوں پر لعنت بھیجنا جنہوں نے ابھی ابھی میرے نام کا رٹہ لگایا اور بین بجائی۔

مندرجہ بالا محاورہ تو سبھی نے سن رکھا ہوگا، پر اس محاورے کو عملی پاجامہ پہنایا ملتان کے کسانوں نے جب انہوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے حقیقت میں ایک بھینس پر حکومت کا بینر لگا کر اسکے آگے بین بجائی۔ دراصل میں یہ کسان بیچارے اپنے مطالبات منظور کراتے تھک گئے اور پھر انہوں نے ظالم حکومت کے خلاف بین بجانی شروع کر دی کہ اس پر اثر تو کچھ ہوتا نہیں شاید بھینس پر ہو جاوے۔ توجناب ! آج مکمل مزاح کی بجائے کچھ سیریس اور کچھ مزاح دونوں

ففٹی ففٹی ہو جائے۔

اگر ہم اپنی روز مرہ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو ہم دن بھر میں کئی جگہ یہ بین بجاتے ہیں۔ مثلاً: ڈیوٹی پر آنے کے لیے روزانہ صبح بیگم کے آگے بین بجاتے ہیں کہ ناشتہ اور کپڑے ٹائم پر دے دو، پر عمل نہیں ہوتا۔ بیگم اور بچوں کے آگے آپ روزانہ بین بجاتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو، ٹائم کی پابندی کیا کرو، آپس میں نہ لڑا کرو، ٹی وی کم دیکھا کرو، فون پر گپ شپ کم لگایا کرو، صفائی اچھی طرح کیا کرو، کچن کے خرچے کم کرو، فالتو بتیاں بجھا دیا کرو، اماں اور بہن بھائیوں کے گھر چوری سامان بھیجنے کی سپلائی لائن کاٹ کر رکھو، اس بڑھاپے میں میک اپ کی دو دو اسٹکیں نہ تھوپا کرو، نہانے میں صابن اور ٹائم کم خرچ کیا کرو، سالن میں گھی کم ڈالا کرو، سسرال والوں کی برائیاں نہ کیا کرو، بہشتی زیور صرف سنا نہیں عمل بھی کیا کرو، چٹے بال زبردستی کالے نہ کیا کرو، پارلر جا کر بڑھاپا چھپانے کی ناکام کوشش نہ کیا کرو، ناشکری، بد تمیزی اور زبان درازی نہ کیا کرو، شادی بیاہ سے جلد واپس آ جایا کرو، صبح پہلی آواز پر اٹھ جایا کرو، شوہر سے گھر کے کام کاج اور بچوں کی پوٹی اور پیمپر نہ دھلوایا کرو، مرے ہوؤں کو نہ کوسا کرو، پر ان بین کو بھی کوئی نہیں سنتا۔ بچوں کو اسکول چھوڑنے کے لیے رکشے والے کے آگے آپ روزانہ بین بجاتے ہیں کہ بھائی ٹائم پر آیا کر، پر اثر ندارد۔ بچوں کی ٹیچر

کو روز لکھ کر بین بجاتے ہیں کہ ہوم ورک ٹھیک سے چیک کیا کریں، پر اثر ندارد۔
بس، منی بس، ھائی ایس، سوزوکی، وین، ڈالے یا ٹرین میں سوار ہو کر آپ لوگوں کے بیچ پھنسے اور پھنسے رہیں اور ریکوسٹ کرتے رہیں کہ بھیا آگے ہو جاؤ، پر یہاں بھی یہ بین کوئی نہیں سنتا۔ کسی سرکاری دفتر میں جانا ہو تو ملازم بارہ بجے سے پہلے نہیں آتے۔ باس بین بجا بجا کر تھک جاتا ہے کہ لیٹ نہ آیا کرو، پر کوئی نہیں سنتا۔ پھر باس خود بھی لیٹ آنا شروع کر دیتا ہے۔ بغیر لیے دیے کچھ کام کرانے کی نامراد خواہش پوری کرنے کے لیے آپ کتنی بھی بین بجالیں، کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اپنی فائل کو پر یا پہیے لگوانے کے لیے بغیر پیسوں کا بین بجاؤ ، کوئی نہیں سنے گا۔ ویٹر سے کھانا جلد لانے کا بین بغیر ٹپ کے نہیں سنے گا، بغیر رشوت کہیں نوکری یا داخلہ مل جائے یہ بین بھی کوئی نہیں سنے گا، لائن میں لگ کر بل جمع کراؤ کا بین بھی کوئی نہیں سنے گا۔ آپ ٹریفک میں پھنسے ہیں، ہارن کا بین بجاتے رہیں کوئی نہیں سنے گا، فقیروں کو ہٹانے کا بین جاری رکھیں، کوئی نہیں سنے گا۔

اب اگر ہم بات کریں ظالم حکومت کی تو: کلرک بیچارے گلے میں سوکھی روٹیاں لٹکائے بین بجاتے رہے کہ ہماری تنخواہیں بڑھادو، کسی نے ایک نہ سنی۔ پے

اینڈ پینشن کمیٹی کی سفارشات بین بجاتی رہیں کہ غریب غرباء اور شودر لوگوں کو ریلیف دیا جائے، پر یہ بین بھی کسی نے نہ سنی۔ چیف جسٹس صاحب کے آرڈر بھی بھینس کے آگے بین ہوئے جارہے ہیں۔ عوام چیختی چلاتی ہے کہ مہنگائی نہ کرو، بجلی، گیس اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ نہ کرو، پر انکا یہ مطالبہ بھی بھینس کے آگے بین ہوا جارہا ہے۔ حکومتی اہلکار اپنی مستی میں اتنے گم ہیں کہ ہزار ہزار روپے بانٹ کر کہتے ہیں کہ ہم نے پانچ سال میں لوگوں کو سونے لقمے کھلا دیے ہیں، پھر عوام جب نہیں کا بین بجاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ۔۔۔۔ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔

عوام سڑکوں پر لاشیں رکھ کر بے حال ہو کر بین کرتے رہے کہ قاتلوں کو پکڑو، یہ اپنی مستی میں گم۔ ہزاروں لوگ پانچ روز تک معصوم بچوں اور خواتین کے ساتھ سخت سردی میں آکڑتے اصلاحات کا بین بجاتے رہے، یہ سوتے رہے اور تماشہ دیکھتے رہے۔

اسکے علاوہ اور بہت سے بین ہیں مثلا: ڈرون حملے روکنے لیے بین، قرضوں کے لیے بین، مولویوں کا بین، طالبان کا بین، ملک لوٹنے والوں کے لیے بین، کھسروں کے بین، غیروں کی جنگ کو اپنے سر تھوپنے کا بین، بے روزگار ہونے والے، اپنے ہرے بھرے لہلہاتے کھیتوں اور باغوں کی قربانی دینے والوں کا بین، اپنے رستے بستے گھروں کو اجڑوانے والے، بچے یتیم کروانے والوں کے بین، ہنستی بستی کھیلتی بیوگی کا کفن پہننے والی دوشیزاؤں کے بین، اپنے

جگر گوشے اور کڑیل جوان اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے دیکھتی ماؤں کے بین،
بم دھماکوں اور ڈرون حملوں میں زخمی اور اپاہج ہونے والے، چھوٹے چھوٹے معصوم
بچے بچیوں کے بین، ماؤں کے ساتھ کھلونے اور چوڑیاں خریدتے شہادت پاتے،
کیمپوں کے اندر دودھ کے لیے ترستے، روتے بلکتے معصوم بچوں کا بین، ایک وقت کی
روٹی کے لیے میلوں لمبی لائنوں میں لگے لوگوں کا بین، پولیس کی لاٹھیاں کھاتے،
حادثات کے بعد ہزاروں کی تعداد میں اپنے پیاروں کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کے
بین، حکمرانوں کی عقل کل پر پڑا پردے کا بین، ڈالروں کے عوض بیچے گئے، بیڑیوں میں
جکڑے، آنکھوں پر پٹی بندھے، دن رات نئی نئی اذیتیں سہتے گوانتاموبے جیلوں میں قید
لواحقین کے بین، ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی والدہ، بہنیں اور بھائیوں کے بین، انتقامی
کاروائیوں کے نتیجے میں معصوم عوام کی بے گوروکفن لاشیں اور زخمیوں کے کراہتے بین
لواحقین کو دیوانہ وار پاگلوں کی طرح جائے واردات اور ہسپتالوں میں اپنوں کی،
لاشیں ڈھونڈتے بین، کسی سرپرست کی ہلاکت کی صورت میں اسکے یتیم اور معصوم بچوں
کو ایک وقت کی روٹی اور دودھ کے لیے بین، کسی جسمانی اعضاء سے محروم کو لوگوں
کے آگے ہاتھ پھیلانے کا بین، اپنے مال واسباب اور گھروں سے اجڑ جانے والوں کے
بین، ہنستی بستی کھیلتی بیوہ ہوتی دلہنوں کے فلک شگاف دل چیر بین، اپنے جگر کے گوشے اور
کڑیل جوان کھوتی ماؤں کے ارمانوں کے بین، زخمیوں اور اپاہج ہونے والوں کے بین،
اربوں روپے کی املاک اور سامان کو تباہ ہوتے

دیکھتے روتے پیٹتے کاروباری حضرات کے نوحے اور بین، شہیدوں کی یاد میں نکالے گئے جلوس کے معصوم اور نہتے شرکاء کی شہادت کے بین۔ دہشت گردی کے خلاف مارچ، مظاہرے اور دھرنوں کے بین، غرضیکہ اتنے بین ہیں کہ بانسریاں کم پڑ جائیں۔پر حکمرانوں پر اسکا کوئی اثر نہ ہو۔

اب اگر بات کریں کہ حکومت کون سے بین آسانی سے سنتی ہے تو: اگر حکومت کی تعریف کے بین بجائیں تو انکے کان کوسوں دور کی آواز بھی صاف سن لیتے ہیں۔ نوٹوں کے بین کی آواز تو انہیں آسمان سے بھی سنائی دے جاتی ہے۔اور اب تو دہشت گردی اور بم دھماکوں کے بین ڈلنے سے پہلے ہی ان ولی اللہ لوگوں کو اسکی آواز مہینوں پہلے ہی سنائی دے جاتی ہے۔پر مجرموں کو پکڑیے پکڑیے کے بین تو آپ ڈھول لیکر بھی پیٹیں تو بھی انہیں سنائی نہ دیں گے !۔

تو بھائی لوگو ! میرا خیال ہے کہ حکمرانوں کے آگے بین بجا بجا کر سہانے خواب دیکھنے سے بہتر ہے کہ جاگ جایا جائے اور اوپر والے کے آگے صرف ایک بار صدقِ دل سے بین بجالی جائے تو تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔کیا خیال ہے آپکا؟

چہرے پڑھنے کا صحیح طریقہ

پہلے ایک لطیفہ: ایک شیر کی شادی ہو رہی تھی، بارات کی روانگی ہوئی تو ایک چوہا بارات کے آگے آگے جھوم جھوم کر ناچنے لگا۔ شیر نے پوچھا کہ شادی تو میری ہے تم کیوں ناچ رہے ہو؟ چوہے نے مسکرا کر جواب دیا کہ شادی سے پہلے میں بھی شیر ہی تھا اور ہنستا مسکراتا تھا! لیکن اب میرے چہرے پر ہنسی کے آثار کی بجائے آثارِ قدیمہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ شادی سے پہلے میرے چہرے پر ہر وقت خوشیاں ناچتی تھیں پر اب اس پر پریاں اور ہوائیاں ناچتی ہیں۔ شادی سے پہلے میرے منہ پر نور برستا تھا اب پھٹکار برستی ہے۔ اب میرے حالت کچھ یوں ہے کہ:

۔کیا پوچھتے ہو ہم سے شادی کی لذتیں ۔۔۔ ہم کو تو مسکرائے اِک زمانہ گزر گیا

۔یا پھر: ہنسی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے ۔۔ بیٹھی ہے یاد بیوی کی سَر پہ پاسبان ہو کر

چہرے پڑھنا بھی ایک فن کہلاتا ہے۔ پچھلے زمانے میں حکماء حضرات مریض کا چہرہ دیکھ کر بیماری بتا دیتے تھے۔ آجکل بھی کچھ پھنے خان چہرہ دیکھتے ہی بتا دیتے ہیں کہ آنے والا پیسے لینے آیا ہے کہ دینے۔ مرحوم اداکار رنگیلا صاحب

اسکرین پر جیسے ہی جلوہ افروز ہوتے تو لوگ انکی شکل دیکھ کر ہی کھلنا شروع کر دیتے تھے۔پر مرحوم لہری، ننھا اور کمال احمد رضوی صاحب سیرس فیس اور ڈائیلاگ ڈلیوری سے لوگوں کو ہنستا دیتے تھے۔ منور ظریف کے تو کیا کہنے۔ایک زمانے میں ایک اشتہار چلتا تھا کہ ۔۔۔۔:آخر لوگ ہمارا چہرا ہی تو دیکھتے ہیں ! پر شادی سے پہلے چہرا، شادی پر سہرا، بچے کے بعد بہرا اور اسکے بعد اندھیرا ہی اندھیرا۔

چہرے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں مثلا: ہنستا چہرہ، روتا چہرہ، اداس چہرہ، کتابی چہرہ، گول چہرا، لمبا چہرہ۔ بعض لوگوں کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ یوں سجی رہتی ہی جیسے شیرے پر مکھیاں۔ انکے پیٹ میں چاہے مروڑ اٹھ رہے ہوں، چاہے فراغت جانگیے میں ہی ہو جائے پر یہ مسکراہٹ کہ خو نہ چھوڑیں گے۔ کچھ لوگوں کے چہرے بہت ہی اداس اور پریشان ہوتے ہیں کہ جیسے ابھی ابھی میرا یا انجمن سے پٹ کر آرہے ہوں۔ یا سارے جہاں کا درد انہی کے دل میں ہو، یا پھر جیسے قطرینہ کیف یا بپاشا باسو نے شادی سے انکار کر دیا ہو۔ مسکراتے چہرے دیکھ کر لوگ اکثر غلط فہمی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں مثلا: ایک لونڈے کو صرف اس بنا پر ایک لڑکی سے مار کھانی پڑی کہ لڑکی کے ہنستے چہرے کو دیکھ کر اس نے لائن مار دی تھی ! غصے والے چہرے بھی عجیب ہوتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے سڑا ہوا بینگن ہو یا پھر باسی گوبھی کا پھول۔ دیکھا جو چہرا تیرا، موسم

سہانا لگا۔ کچھ چہرے۔بڑے۔بڑے اور کتابی سے ہوتے ہیں خاص طور سے۔بڑے اور کتابی چہرے والی لڑکی کو دیکھنے ، پڑھنے اور سمجھنے میں ہی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ اسکا چہرہ دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اسپر واقعی تین سو صفحات کی کتاب لکھنی ہو۔ چشمہ لگے چہرے بھی عجیب ہوتے ہیں کہ ہر وقت چوبیس گھنٹے چہرے پر ایک چوکھٹا دربان سجا ہوتا ہے۔ اگر کبھی غلطی سے چشمہ اتار کر گھر چلے جائیں تو بیگم جوتے مار کر گھر سے نکال دے اور بچے وٹے لیکر پیچھے لگ جاتے ہیں کہ پتہ نہیں کون چوڑھا چمار گھر میں گھس آیا ہے۔کچھ چہرے بہت ہی خوفناک قسم کے ہوتے ہیں کہ جب بھی بچہ روئے ، کھانا پینا نہ کرے یا نہ سوئے تو انکی شکل دکھا کر ڈرا دھمکا کر اسے سلادیا جاتا ہے۔ ویسے جب بیوی صبح سو کر اٹھے تو اسوقت اگر کسی بچے کو اسکا چہرہ دکھا دیا جائے تو تاعمر بچہ نیند میں ڈرتا رہے گا اور کسی جھاڑے پھونکے کا بھی اثر نہیں ہوگا!

اب اگر مزید بات کریں خواتین کی تو یہ سبھی کو معلوم ہے کہ یہ میک اپ تھوپنے میں ماہر ہوتی ہیں ، روٹی کے بغیر گزار لیں گی پر سرخی پالش کے بغیر انکی زندگی جنگل کے سادھو کی سی ہے۔ پارلر کی سجی دھجی دلہن جب صبح سو کر اٹھی تو میاں اسکا چہرہ دیکھ کر ہی بے ہوش ہوگیا۔ پانی کے چھٹے مار کر اٹھایا تو اسنے اپنی بیوی کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا۔ اسی طرح ایک شادی میں بارش کیا آئی کہ سب خواتین کے منہ دھل گئے اور کچھ پتہ نہ چلا کہ کونسی

عورت کس کی بیوی ہے جس کے جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا لے اڑا۔ اس موقعہ پر بچوں کی آہ وزاری اتنی عروج پر تھی کہ چڑیل اور جن بھوت سے نہ ڈرنے والے بچے بھی سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ اسی طرح ایک توے کے جیسے کالے رنگ کی خاتون کو جب چاند کی طرح چمکا کر اسٹیج پر لایا گیا تو اس بیچارے کے ہاتھ پاؤں اور کالی گردن کو پارلر والی جلدی میں کریم لگانا بھول گئی۔ یہ سب دیکھ کر لوگوں کا کھایا پیا بھی باہر آگیا اور اکثر لوگ امراضِ معدہ اور الٹیاں کرنے کی وجہ سے ہسپتال جا پہنچے۔

اسی طرح بیوی جب غصے اور اچھے موڈ میں ہو تو تب بھی اسکے چہرے کے تاثرات مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً غصے میں آپ اسے تارا مسیح، چنگیز خان، ہمایوں قریشی، زکوٹا جن، کالی بھانڈ، افریقی یا حبشی بلی، بھنگن، جمعدارنی، سوپیرانی، اوڈنی، اجڈ، جاہل، گنوار، امریش پوری، نانا پاٹیکر یا کسی بھی ولن، اداکار یا اداکارہ سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ غرضیکہ اسے جتنے چاہے القابات سے نواز دیں اسکے لیے کم ہیں۔ اگر کبھی ونس اِن اے بلو مون اچھے موڈ میں ہو بھی تو آپ سمجھ جائیں کہ اسنے ضرور نئے سونے کے بندے یا جھمکوں کی بات کرنی ہوگی، ان جھمکوں کے چکر میں وہ آپ سے اچھی خاصی جھک مارے گی، پر آپ اسکی جھک میں نہ آیئے گا، کیونکہ یہ جھک مرانیاں یونہی چکر دے کر جھٹ جھٹ میں نئے جھنجٹ میں پھنسا کر ایک اور غلط رستے پر ڈال کر فساد پانا شروع کر دیتی ہے ں، جیسے

کہ ایک جھوٹا لطیفہ: بیگم ڈے پر ایک شوہر کا بیگم کو پیغام: میری پیاری بیگم سوال کچھ بھی ہو، جواب تم ہی ہو۔ رستہ کوئی بھی ہو، منزل تم ہی ہو۔ دکھ کتنا ہی ہو، پر خوشی تم ہی ہو۔ ارمان کتنا بھی ہو، آرزو تمہی ہو۔ غصہ جتنا بھی ہو پیار تم ہی ہو۔ خواب کوئی بھی ہو تعبیر تم ہی ہو۔ یعنی ایسے سمجھو کہ سارے فساد کی جڑ تم ہی ہو!۔

اسی طرح سیانے کہتے ہیں کہ بیوی جب سو کر اٹھے تو میاں اسے دیکھنے سے پرہیز کرے کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟ اسمیں اور اسمیں؟؟ کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر کوئی خاتون ایک ماہ تک اپنے ہونٹوں کے اوپر اور ہونٹوں کے نیچے کے بال نہ کھنچوائے تو Gay دونوں میاں بیوی۔ میاں، میاں ہی ہو جائیں اور لوگ کہیں گے کہ یہ تو شاید مچلنا ہیں۔

ہماری میرا صاحبہ کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ باڈی لینگویج کے ساتھ ساتھ فیس لینگویج یعنی چہرے کے تاثرات دینے میں بھی بہت ماہر ہیں۔ اوپر سے ایک اخباری بیان میں یہ تاثر دے دیا کہ عزت اور شہرت؟؟ پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔ پاک بھارت تعلقات میں بہتری کے لیے لانگ مارچ کرونگی۔ وینا ملک کے تو کیا کہنے کہ فیس پر کئی کئی بار بیس لگا کر بھیس بدلتی ہیں۔ مرحوم سلطان راہی جو کہ بندوق سے نکلی گولی بھی کیچ کر لیتے تھے انکے چہرے کے اثرے

لفنگے تلنگے ویسے ہی ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔ مرحوم مہدی حسن صاحب کے گیت سننے کے
ساتھ ساتھ انکے فیس پر دیکھے بھی جا سکتے تھے!
تو جناب ! قصہ مختصر، کسی کے چہرے کو پڑھنے میں کبھی غلطی مت کیجیے گا، نقصان بھی
ہو سکتا ہے۔

نوٹ کے بدلے ووٹ؟

کچھ عرصہ پہلے ہم نے ایک کالم سیاستدانوں کے بارے میں لکھا تھا اور وہ بڑا ہٹ ہوا تھا۔ آجکل پھر الیکشن کا زمانہ ہے اور وہی آرٹیکل حالات کے لحاظ سے موزوں اور فٹ نظر آرہا ہے تو کیوں نہ آجکل کے فیشن ریمکس کی طرح اس آرٹیکل کو بھی ریمکس کر کے آپکی خدمت میں دوبارہ پیش کر دیا جائے۔

لو جناب! پاکستان میں ایک بار پھر الیکشن کا سرکس سجنے والا ہے اور تمام سیاستدانوں کے پیٹ میں پاکستان بچانے، خوشحال بنانے اور ملک سنوارنے کے مروڑ اٹھنے لگے ہیں۔ ہر سیاستدان کہتا ہے کہ میں پاکستان بچانے آیا ہوں! کیا خوب بات کہی کہ پورے پانچ سال تماشہ دیکھتے رہے اور اب انہیں پاکستان یاد آگیا۔ سب لوگ ایک بار پھر نیا چولا پہن کر سرکس دکھانے کو بیتاب۔ کہیں کاغذات جمع ہو رہے ہیں، کہیں منظور، کہیں نامنظور، کہیں اپیلیں، کہیں کلمے نماز، دعائیں تو کہیں شادیوں اور جائدادوں کے بارے میں سوالات، تو کہیں جعلی ڈگریوں پر قید اور ضمانت۔ کسی کو ٹکٹ ملا تو کوئی بغیر ٹکٹ الیکشن کی گاڑی میں سوار ہونے کے لیے بیتاب۔ جسے ٹکٹ نہ ملا وہ آزاد کے چکر میں گھن چکر۔ ویسے آزاد امیدوار ہوتا بڑے فائدے میں ہے کہ جب چاہے لوٹا ہو

جائے۔

ویسے ہم کبھی کبھی سوچتے ہیں کہ آخر یار یہ لیڈر لوگ لوٹے ہی کیوں ہوتے ہیں؟ بالٹی، تسلا، پتیلا، پتیلی، کڑاہی، چمچ، کفگیر، ڈوئی، توا یا چمٹا وغیرہ کیوں نہیں ہوتے؟۔ کچھ غور و فکر اور ادھر ادھر سے پوچھ پاچھ کے بعد پتہ چلا کہ دراصل میں یہ بیچارے لیڈر لوگ لوٹے عوام کے غم میں گھل گھل کر ہوتے ہیں۔ انہیں عوام بیچاری کی اتنی فکر ہوتے ہے کہ لوٹا گیری بھی انکے دامن میں ڈالکر بچ بچاکے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلا:

ایک صاحب نے از خود فرمایا کہ وہ لوٹے اس لیے ہوئے ہیں کہ انکے حلقے میں ترقیاتی کام ناپید تھے، لوٹا ہونے پر انہیں بے بہا فنڈ مل گئے ہیں اور میرے حلقے میں دودھ دہی اور شہد کی نہریں بہنے لگی ہیں۔ مزید فرمایا کہ پہلے مجھے کوئی گھاس نہیں ڈالتا تھا اب اعلیٰ قسم کی امپورٹیڈ گھاس ملنے لگی ہے۔ میرے حلقے کے لوگ ترقیاتی کام نہ ہونے پر میرے پیچھے جوتے لیکر دوڑتے تھے، اور اس چکر میں اپنی بہت سی قیمتی کمالیہ کی دھوتیاں گنوا بیٹھا تھا، نوکریوں کے لیے بوری بھر بھر درخواستیں ملتی تھیں میں کچھ نہیں کرپاتا تھا البتہ گندم کے لیے سال بھر کی بوریاں جمع ضرور ہو جاتی تھیں۔ پہلے میں سالوں اپنے حلقے اور گھر میں نہیں جاپاتا تھا کہ میرے بچوں نے بھی مجھے ماموں کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر جاتا بھی تھا تو رات کے اندھیرے میں پچھلے بوے سے جاکر پچھلے

سے ہی مال شال رکھ کر واپس آ جاتا تھا۔ پر اب جب سے میں لوٹا بنا ہوں سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب تو میں جب چاہوں، جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ دورانِ اجلاس بھی کسی بھی درخواست پر کسی بھی منسٹر یا وزیرِ اعظم سے سائن کرا کر اپنا کام نکال لیتا ہوں۔ سیاست میں جسکا پلڑا بھاری دیکھوں اسی طرف چلا جاتا ہوں۔ ہیں نہ فائدے ہی فائدے لوٹا بننے کے۔

ہر چیز کی طرح لوٹے سیاستدان کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں مثلاً: ۔۔ ایک نمبر کا لوٹا۔ یہ لوٹا کچھ زیادہ دن چل جاتا ہے جبکہ دو نمبر لوٹا کچھ عرصے بعد جواب دے جاتا ہے اور عجیب و غریب آوازیں نکالنا شروع کر دیتا ہے جو نوٹ دکھا کر بند کی جاتی ہیں۔ سستا لوٹا۔ یہ وہ لوٹا ہوتا ہے جو کہ عموماً صرف پیسوں سے خریدا جاتا ہے جبکہ مہنگا لوٹا بعض دفعہ فنڈ کے ساتھ وزارت بھی مانگ لیتا ہے۔ کچھ لوٹے بہت ہی قیمتی قسم کے ہوتے ہیں کہ بعض اوقات انہیں لوٹا کرنے کے لیے بڑے ہینڈسم اماؤنٹ، وزارت، گاڑی اور، بنگلے شنگلے کی پیشکش بھی کی جاتی ہے۔ کچھ لوٹے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انکے ایک ووٹ سے حکومت ڈانواڈول ہو جاتی ہے۔ ایسے لوٹے بہت زیادہ نخرے والے ہوتے ہیں اور انکے ناز و نعم اٹھانے کے لیے حکومتی چمچے ہر وقت انکے ساتھ دم چھلے بنے رہتے ہیں کہ چھینک بھی آ جائے تو فوراً سپیشل جہاز کرا کر باہر کے ملک علاج کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ کچھ لوٹے خاندانی ہوتے ہیں کہ جنکا کام ہی لوٹا

ہونا ہوتا ہے، ان لوٹوں کو جہاں کچھ ملتا نظر آئے فوراً وہیں گر جاتے ہیں۔ بلکل ایسے جیسے کہ بنیے کا بیٹا کچھ دیکھ کر ہی گرتا ہے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بس ہر حال میں لوٹا ہونا ہے چاہے کوئی کچھ بھی کہتا رہے اور یہ عادت ،، چھوٹتی نہیں یہ کافر منہ کو لگی ہوئی ،، کے مصداق قبر تک انکے ساتھ جاتی ہے۔ انکا بس نہیں چلتا کہ مرنے کے بعد بھی دوسرے کی قبر میں لیٹ جائیں۔ ویسے آجکل سیاست میں کچھ ایٹی کیٹس آنے سے لوٹا ہونے والے کچھ لوٹے ریٹرائن بھی کر دیتے ہیں اور کچھ اس تکلف میں نہیں پڑتے بلکہ فارورڈ لوٹا، بیک لوٹا، فرنٹ لوٹا وغیرہ جیسے قافیے ساتھ لگا کر کام چلا لیا جاتا ہے۔ کچھ ایسے لوٹے بھی ہوتے ہیں جو کہ بوجوہ ۔۔۔۔۔ ؟؟؟ کافی عرصے سے لوٹے نہیں ہوئے ہوتے اور ہر وقت لوٹا ہونے کے لیے مچلتے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انہیں لوٹا بننے کی کھرک ہو رہی ہو تو ایسے لوگ اپنی یہ عادتِ قدیمی وقتی طور پر اپنے گھر میں ہی پوری کر لیتے ہیں کہ کبھی بیگم کی طرف تو کبھی بچوں کی طرف ہو کر لوٹا بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سرائیکی کی مثال ہے نہ کہ۔ سِر ونجے تے عادت ونجے۔ ہمارے ہاں کچھ لوٹے ایسے بھی ہیں کہ جو باجماعت لوٹے بننا پسند فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ گروپ کی صورت میں تو بعض دفعہ اپنی پوری جماعت ، قبیلے، اہل و عیال اور دیگر تمام افراد کے ساتھ لوٹے ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوٹے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو حکومت اور اپوزیشن دونوں میں شامل رہتے ہیں۔ اگر انکی بات نہ مانی جائے تو جھکائی اپوزیشن کی طرف اور اگر مال پانی

اچھا مل جائے تو حکومت کی طرف۔ تاہم اسکی بھی مدت ہوتی ہے، جونہی مال ختم ہوتا ہے یہ پھر سے لوٹا بننے کو ہر دم تیار ہو جاتے ہیں۔ لوٹے کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں لوٹیاں بھی دستیاب ہوتی ہیں پر ان پر نہ ہی لکھا جائے تو بہتر ہے کہ ہم نے شام کو اپنے گھر بھی جانا ہوتا ہے؟؟؟

ایک لیڈر صاحب کا قصہ سنیے جو کہ تازے تازے لوٹے ہو کر اپنے آبائی گاؤں پہنچے تو انکا پر تپاق استقبال ہوا۔ ڈھول کی تاپ پر لوگ بھنگڑے ڈال رہے تھے اور کچھ اس طرح کے نعرے لگا رہے تھے۔۔۔۔۔ لوٹا ساڈا شیر اے باقی ہیر پھیر اے۔ آوے آوے لوٹا آوے۔ آیا آیا لوٹا آیا۔ لوٹے دے نعرے وجن گے۔ ہمارے آن ہماری شان۔۔۔ لوٹا خان لوٹا خان۔ انکی شان میں اتنا کچھ ہونے کے با وجود مجال ہے جو لوٹا صاحب نے ذرا بھی برا منایا ہو کیونکہ سیاست کے کاروبار میں تو سب چلتا ہے نہ۔ اسکے علاوہ ان کی شان میں مختلف بینرز کچھ اسطرح کے تھے: ہم اپنے عظیم قائد کو لوٹا ہونے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے کچھ نہیں کیا بس درجن بھر مختلف سائز اور رنگ کے لوٹے ایک ڈنڈے پر لٹکائے جلوس میں موجود تھے۔ میڈیا کے نمائندوں نے اسکے تاثرات لیے تو پتہ چلا کہ موصوف کی لوٹوں کی دکان ہے اور اسکی مارکیٹنگ کے لیے جلوس میں شریک ہیں۔ ایک بینر کچھ اسطرح کا تھا۔ لوٹا ہونے والے تیری عظمت کو سلام۔

ایک اور بینر کچھ اسطرح تھا۔ لوٹے رے لوٹے تیری ٹونٹی کدھر ہے؟؟ لوٹا صاحب نے مجمع سے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا: میرے محلے اور حلقے کے پیارے لوگو جیسا کہ آپکو معلوم ہے کہ مجھے لوٹا ہونے کا کوئی خاص شوق نہ تھا پر میں آپ لوگوں کے گٹروں کے ڈھکن لگوانے کو لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کی نالیاں بنوانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کے ڈنگروں کے بھانے بنوانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں، میں آپ لوگوں کو تھانے اور پٹواریوں کے چنگل سے چھڑانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں۔ مجمعے سے کسی نے آواز لگائی کہ آپکے تو اپنے بھائی بند پٹواری اور تھانیدار ہیں، ایک جَنا ڈھکواتا ہے اور دوسرا جَنا لے دلا کر چھڑواتا ہے، پر ان صاحب نے بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی اور مزید بولے کہ میں آپ لوگوں کو آپ کی بیگمات کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کو لوٹا ہوا ہوں۔ اس پر مجمعے میں بہت زور سے تالیاں اسیے پیٹی گئیں کہ جیسے وہاں سارے ہی رن مرید یعنی صنفِ نازک کے ظلم کا شکار ہوں ۔مزید گویا ہوئے کہ میں آپ لوگوں کو بھتہ خوروں اور اٹھائی گیروں اور رشوت ستانی سے نجات دلانے کے لیے لوٹا ہوا ہوں۔ مجمعے سے پھر آواز آئی کہ آپکا اپنا لختِ جگر یہ کام بحسن و خوبی یہ کارنامہ انجام دے رہا ہے تو انہوں نے بھرپور بہرے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی اور بولے کہ میں لوٹا آپ لوگوں کی بھلائی کے لیے ہوا ہوں، ہوتا رہا ہوں اور اگر آپ کے حقوق ؟؟ادا نہ کیے گئے تو آپکا یہ پڑھا لکھا لیڈر آپ لوگوں کے لیے سو بار لوٹا

ہوتا رہیگا۔ تالیاں۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ آپنے مجھے لوٹا ہونے کے باوجود سینے سے لگایا اور عزت دی۔ اسکے علاوہ میرے وہ بھائی بند جو مجھے لوٹا ہونے کا بار بار طعنہ دیتے ہیں وہ سن لیں کہ میں طعنوں سے ڈرتا ورتا نہیں ہوں اور اگر انہوں نے اپنی گندی زبان بند نہ کی تو میں انکی وہ۔۔۔۔؟؟ والی فلمیں یو ٹیوب پر چلا دونگا۔ مجمعے سے پھر آواز آئی کو سرجی ! آپ کی بھی ایک ویسی ہی ؟؟؟ ویڈیو یو ٹیوب پر پڑی ہے اسکے بارے میں آپکا کیا خیال ہے ؟؟؟

لیڈر صاحب دھیان دوسری طرف کرکے پھر بولے کہ میرے لوٹا ہونے کی ایک اور وجہ میرا اپنی پالٹی سے اختلاف ہے، جہاں میری بات نہیں سنی جاتی تھی۔ مثلا: میں انہیں کہتا تھا کہ وینا ملک کے کیس میں آپ کچھ کریں، وہ مجھے پیسہ وغیرہ دے کر چپ کرا دیتے تھے۔ ایک بار میں نے تیسری جنس کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی تو انہوں نے مجھے فری ریٹرن ایئر ٹکٹ، سات ستارہ ہوٹل میں قیام و طعام، لیموزن کار اور ایک مشہور اداکارہ کے ساتھ باہر کے ملک کانفرنس میں بھجوادیا۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ میں اَدھا درجن بچوں کا باپ ہوں، انگریزی تو کجا میری تو اُردو بھی ٹھیک نہیں، اور یہ کہ مجھے تو سائیکل بھی نہیں چلانی آتی تو لیموزن کار اور کٹری کیوں دی؟؟ پر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور آخر کار میں وہاں کار کا چالان کرا بیٹھا۔ بی بی کے

بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی صحت کا بھی خیال رکھیں گی اور انگریزی بھی سکھائیں گی اسلیے ساتھ لے جائیں، حالانکہ میری صحت ویسے بھی بہت اچھی ہے صرف بارہ گولیاں روزانہ کھاتا ہوں، اور وہ بی بی جیسے گئی تھی ویسے کی ویسے ہی واپس آ گئی بغیر کچھ سیکھے سکھائے ؟؟۔ ایک بار پھر میں نے انکی ایک اور بات پر اختلاف کیا تو انہوں نے مجھے ایک فلاں کمیٹی جس کا مجھے نام ٹھیک طرح نہیں آتا اسکا چیئر مین بنا دیا اور میں آجتک اسکا چیئر مین ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ چور مین بننے کے بعد سے میری دال روٹی اچھی چل رہی ہے۔۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے مجھے اپنی پرانی پالٹی چھوڑنی پڑی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب آپ بتائیں کہ میں نے غلط کیا یا ٹھیک ؟؟ مجمع سے کچھ مری مری سی آواز آئی کہ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ آواز کچھ کم ہونے پر انتظامیہ کے کسی بندے نے آواز لگائی کہ یا رپانچ پانچ سو روپیہ دے کر نعرے مارنے کو لایا ہوں، کچھ تو آواز نکالو۔ یوں پھر سے نعروں میں تیزی آ گئی۔

ذرا وقفے کے بعد لیڈر صاحب دوبارہ گویا ہوئے کہہ: لوٹا ہو کر اب میں دوبارہ الیکشن و لیکشن لڑ کر ملک اور قوم کا پیسہ اور آپکا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا آپ نے مجھے جیسے پہلے قبولا تھا اسی طرح جہاں ہے اور

جیسے ہے کہ بنیا دپر اسی حال میں قبول لیں۔ مزید یہ کہ اللہ کا شکر ہے مجھے فنڈ بہت سارے مل گئے ہیں آپ لوگ اپنے اپنے علاقے کے ترقیاتی کاموں کا حساب کتاب اور میرا دال روٹی کا خرچہ لگا کر مجھے بتادیں، انشاءاللہ میں آپکے تمام مسائل حل کرا دونگا۔ قریب کھڑے ایک چیلے نے لیڈر کے کان میں کھسر پھسر کی کہ سر جی اذان کا ٹائم ہو رہا ہے اس ٹائم پر جھوٹ ذرا کم بولیں، بلکہ بہتر ہے کہ اپنی تقریر یہیں اینڈ کر دیں اس سے پہلے کہ لوگ ہم پر لوٹے برسانا شروع کریں۔ لیڈر صاحب نے پوچھا کہ کیا عصر کی اذان؟ چیلے نے چپکے سے پھر کان میں کہا کہ سر جی ! سورج غروب ہوتے وقت مغرب کی اذان ہوتی ہے، عصر کی نہیں۔ مزید کہا کہ اس سے پہلے کہ لوگ آپ سے عشاء کی نماز کی رکعتیں پوچھ لیں، یا کوئی سورت سنانے کا کہیں، جو کہ آپ کو نہیں آتیں، آپ یہاں سے کھسکنے والی بات کریں۔ لیڈر صاحب نے بھی پھر وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔

!کچھ مزید ریمکس بھی آپ لوگوں کے منتظر ہیں۔ انتظار کیجیے گا

کیسی ہوگی آئندہ اسمبلی؟

آجکل ایک بار پھر الیکشن کا دور دورہ ہے اور ہر ایک کو کاغذات نامزدگی جمع کرانے کی آزادی ہے۔ یوں اس سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہماری تیسری جنس نے بھی اپنے کاغذات نامزدگی جمع کرا کر کنوینگ شروع کر رکھی ہے۔ بلکہ ایک اور خبر کے مطابق اس تیسری جنس یعنی خواجہ سراؤں نے اسمبلی میں نشستوں کا بھی مطالبہ دھر دیا ہے۔لیں جناب ! بیچاروں کو قبرستان میں جگہ ملتی نہیں، چلے اسمبلی میں سیٹیں لینے۔ جب سے ہمارے عزت مآب چیف جسٹس صاحب ان پر مہربان ہو کر انہیں نادرا شناختی کارڈ، نوکریوں میں کوٹہ، قرضوں کی وصولی میں مدد اور دیگر طریقوں سے انکی ہیلپ کرنے میں لگے ہیں نہ تو یہ لوگ؟ کچھ زیادہ ہی پھیلتے جارہے کہ جی اب اسمبلی میں کوٹا۔۔۔ ہونہہ۔۔ کل کلاں کو کھڑے ہو کر کوئی نیا ممنوعہ مطالبہ کر دینگے۔ ویسے پڑوسی ملک ہندوستان میں تو یہ لوگ جنس کے خانے میں اپنا نام لکھوانے کی منظوری بھی لے چکے ، اب پاکستان میں دیکھیں کہ انہیں کیا کچھ ملتا ہے۔ سوچیں کہ اگر ان لوگوں؟ کو اسمبلی میں آنے کی اجازت مل جائے تو کیسا ہوگا مستقبل کا پاکستان؟

الیکشن کے لیے ٹکٹ لینا انکے لیے ایک بہت ہی مشکل مرحلہ ہوگا کہ ٹکٹ کونسی قوم قبیلہ کو جاری کیا جائے اور پھر اسطرح سے انکا آپس میں پھڈا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک کہے گی یا کہے گا کہ الیکشن میں نے لڑنا ہے دوسرا کہے گا یا گی کہ میں نے لڑنا ہے۔ آپس میں سوال جواب کچھ ایسے ہونگے کہ: اے ہے تجھے تو لڑائی مار کٹائی بھی ٹھیک سے نہیں آتی تو الیکشن کیا لڑے گا۔ گی۔ دوسرا کہے گا۔ گی۔ کہ ہے ہے تجھے تو ڈانس بھی ٹھیک طرح سے نہیں آتا تو الیکشن کیا لڑے گی،گا۔ پھر کہیں گے آؤ پہلے لڑنے کا مقابلہ کر لیتے ہیں جو جیتا وہی سکندر یعنی ٹکٹ وہ لے گا۔ لے گی۔۔۔ لو جناب۔ لڑائی شروع ۔۔۔۔۔۔ تھپڑ پے تھپڑ۔ مکے پہ مکا۔ چپیڑ پہ چپیڑ۔ منہ کی نوچائی۔ بالوں کی کھینچائی۔ کان کی پکڑائی۔ ناک کی مڑائی اور تڑائی۔ اب جناب ہاتھ آ گئے نام نہاد ڈوپٹے جو کسی کسی کے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ دوپٹے کے بعد باری آتی ہے کپڑوں کی پھاڑا پھاڑی کی۔۔۔ اور پھر کپڑے۔۔۔ کپڑے۔۔۔۔۔ چلیں کپڑے سینسر کرکے جوتے کی طرف چلتے ہیں۔ لو جناب آخر میں بچا جوتا۔ اب جوتے سے ایک دوسرے کی چھترول اور لترول شروع۔۔۔ پھر ایک جنا یا جنی تھک ہار کر ہار جاتی ہے یا جاتا ہے۔۔ ارے ٹھریے جناب اس لڑائی مار کٹائی کے دوران ان کے منہ سے جو پھول جھاڑے گئے انکا ذکر بھی تو سنیں۔ پر نہیں، آرٹیکل گندا ہو جائیگا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ کچھ ممنوعہ اقسام کی گالم گلوچ کا تبادلہ ہوا۔

الیکشن مہم اور جلسے جلوس: الیکشن مہم اور جلسے جلوس کے بغیر تو ہمارے ہاں الیکشن ہی نہیں ہو سکتے اور آجکل یہ عروج اور آخری دموں پر ہیں۔ ویسے ایک بات ہے کہ ان کے جلسے جلوسوں میں عوام کی کثیر تعداد تو صرف اپنے من پسند کھسرے دیکھنے جایا کریگی۔ انہیں تو اعلانات کرانے کی بھی ضرورت نہیں پڑیگی کہ منہ در منہ ہوتی بات کوٹھوں چڑھ کر ہر جگہ پہنچ جائیگی۔ آجکل جلسے جلوسوں میں گانا بجانا ہو رہا ہے پر انکے جلسوں میں گانا بجانے کے ساتھ ساتھ ناچ کا آئیٹم بھی
اضافی طور پر شامل ہو جائیگا جسے عوام کی کثیر تعداد پسند کرے گی۔ کچھ شوقین قسم کے حضرات تو اس جنس کو صرف ہاتھ لگا کر ہی تسکین حاصل کر لیتے ہیں جو کہ وہ وافر مقدار میں کرینگے۔ اسکے علاوہ انکے جلسے جلوسوں میں تالیاں پیٹنے کا بھی مقابلہ ہوا کریگا۔ نعرے کچھ اسطرح ہونگے۔ ہائے ہائے زندہ باد۔ ہائے ہائے مردہ باد۔۔۔۔ ہائے ہائے تجھے ووٹوں کی جگہ کیڑے پڑیں۔ مخالف کے خلاف نعرہ: مرد ہے تو میدان میں آ۔۔۔ ساڈے نال متھا لا۔۔۔ کون کرے گا کم مہنگائی۔۔۔ ہائے ہائے رانی مائی، رانی مائی۔ گلابو باجی ساڈی شیر اے۔ باقی ہیر پھیر اے۔ کون کرے گا قرض وصولی۔۔۔ باجی صائمہ باجی چنبیلی۔ تیرا نعرہ میرا نعرہ۔۔۔ ریما نے آنا، بوبی نے آنا۔۔ ہماری آن ہماری شان۔۔۔ نصیبو خان، ریما خان۔ آئی آئی باجی آئی۔۔۔ بینر © کچھ اسطرح ہونگے : پاکستان بچانا

ہے تو تیسری قوم کو لانا ہے۔ ہم حلقہ فلاں کے عوام تمام کھدڑوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمیں ہمارے حقوق دو ورنہ تالیاں پیٹ پیٹ کر پاگل کر دینگے۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔اب جناب تقریر کچھ اسطرح ہوگی: میرے پیارے۔۔۔۔ آپ لوگوں نے جنس نمبر ایک اور دو، دونوں کو آزمایا پر پیاز اور آلو ٹماٹر پھر بھی مہنگا ہوا، آپ ہمیں آزمائیں، ہائے ہائے سب کچھ فری کر دینگے۔ آپ نے دونوں کو آزمایا پر پٹرول، بجلی، گیس پھر بھی مہنگی رہی، آپ ہمیں جتوائیں یہ سب اشیاء بھی مفت دیں گے۔ آپنے ان دونوں کو جتوایا انہوں نے اپنی جائدادیں بنائیں، آپ ہمیں جتوائیں ہم آپکی جائدادیں بنوائیں گے۔ آپ ہمیں جتوائیں ہم آپکے بالک ہونے کی خوشی میں اور شادی کی خوشی میں فری ناچیں گے۔ آپ ہمیں چنیں ہم آپ کو فری قرض وصول کرکے دینگے۔ آپنے دونوں پارٹیوں کو آزمایا پر دونوں ناکارہ نکلیں، آپ ہمیں جتوائیں ہائے اللہ ہم ۔۔۔۔۔ ہائے اللہ آپ کسی خان وان کے بھی پیچھے نہ جائیں یہ تو بیس بیس فٹ اوپر سے چھلانگیں لگا کر اپنی ٹانگ بانہہ تڑا بیٹھے گا، آپکے کسی کام نہ آئیگا بلکہ آپ ہمارے پیچھے آئیں ہم آپکو ضرور کچھ نہ کچھ دیں گے؟؟ خان اور شریفوں کے جلسوں میں تو صرف دکھاوے کے رش ہیں، آپ ہمیں ووٹ دیں ہم نہ پھر آپ کے صدقے واری جائیں گے ۔آپ ہمیں جتوائیں ہم ہاتھ لگانے کے بھی پیسے نہیں لیں گے۔ اور پھر وہ شرما کر تقریر بند کر دینگے۔

تو جناب ! اگر یہ الیکشن جیت گئے تو انکے لچھن دیکھیے گا کہ پہلی دو جنس تو رات کو ہوائی فائرنگ کرکے جشن مناتی ہے۔ یہ لوگ ہاتھ لہرا لہرا کر، ناچ گانا اور بھنگڑے ڈال کر جشن منائیں گے اور لوگ جان بوجھ کر گلے لگ لگ کر انہیں مبارخبادیاں دے رہے ہونگے ۔ کچھ شوقین مزاج عبداللہ دیوانے انکی جگہ فائرنگ بھی کر رہے ہونگے کیونکہ یہ نازک اندام بیچارے ہاتھوں سے گن نہیں چلا سکتے ۔ سارا دن پھر پھر اور خجل خوار ہو کر دھوڑ مٹی اور گند میں لڑے یہ بیچارے یا بیچاری یر قان کے مریض لگ رہے ہونگے۔پر شوقین مزاج عوام انہیں ہر صورت قبول ہی لیگی اور ایک اور بہانہ مل جائیگا انہیں چونٹیاں مارنے کا۔ جوابا انہوں نے صرف ہائے اللہ، اوئی، اور دفعہ دور پر اکتفا کرنا ہے اور بس۔اسمبلی میں پہنچ کر انکے کرتوت کیا ہونگے، تھوڑا نظر ڈالیں؟

اسمبلی میں آمد اور حلف برداری: اس قوم کی اسمبلی میں آمد بھی کسی دھماکے سے کم نہیں ہوگی۔ انکی جیت کی خوشی میں پہلے تو انکے گروانگا سواگت کریں گے پھر ناچتے گاتے، اچھلتے کودتے اسمبلی میں چھوڑنے آئیں گے۔اب سوچیں کہ حلف کے دوران یہ کیا کہیں گی یا کہے گا۔ ؟ پہلے پہل تو انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دینی ہیں کہ ہماری طرف سے لکھ لکھ مبارکاں، جی آیا نوں، ست بسم

اللہ۔ہائے موٹے، ہائے کٹے، ہائے چکنے، ہائے سمارٹ، ہائے بے بی، ہائے مولوی اور دیگر کئی طرح کی ہائے ہواہر پا دینی ہے اور پھر اسمبلی میں آنے کی خوشی میں بھنگڑا یا لڈی ڈانس شروع ہو جائیگا۔یا پھر یہ لوگ؟ اٹھ اٹھ کر انگلیاں کڑکا کر بلائیں لینا اور نظر اتارنا شروع کر دینگے۔اس دوران میں مولوی ممبر حضرات ہو سکتا ہے کہ اسمبلی سے واک آؤٹ کا افتتاح بھی کر دیں اور پھر یہی لوگ انہیں کسی شرط؟ پر منا کر واپس لا کر اسمبلی کی کاروائی دوبارہ شروع کریں۔ ویسے اسمبلی میں انکی موجودگی ہیں کورم ٹوٹنے کا مسئلہ حل ہو جائیگا کہ ہر کوئی، ہر وقت انکے لچھن دیکھنے کو ہر حاضر پایا جائیگا۔ مرحوم محترم مولانا نورانی صاحب کا ریکارڈ تھا کہ انہوں نے کبھی اسمبلی اجلاس سے غیر حاضری نہیں کی تھی، اسطرح ان کا ریکارڈ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اسمبلی میں انکی پہلی ترجیح یہی ہو گی کہ تالیاں بجانے سے پابندی اٹھائی جائے کہ یہ لوگ تالی کے بغیر بات نہیں کر سکتے۔ ویسے تو تالیاں پہلی اور دوسری جنس بھی خوب بجاتی ہیں تاہم انکی تالیوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔پھر انہوں نے اسمبلی میں بل پیش کر دینا ہے کہ تیسری جنس کے شوقین لوگوں کی حمایت میں بل پاس کیا جائے تاکہ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکے۔ جس کی کہ مولوی حضرات بھرپور مخالفت کریں گے۔اور پھر یوں ایک نیا شو شروع ہو جائیگا۔ یہ بیچارے لوگ کیونکہ نہ مردوں میں ہیں اور نہ عورتوں میں، تو انکے لیے الگ سے نشستیں، الگ باتھ روم، الگ ریسٹ روم، الگ گیسٹ ہاؤس، الگ میک اپ روم غرضیکہ

تمام ہی چیزیں الگ بنانا ہونگی، نتیجہ اضافی خرچہ۔ جسکا کہ آجکل ملک متحمل نہیں ہو سکتا۔
اسکے علاوہ اگر انہوں نے اپنی افزائش نسل کا بل پیش کر دیا تو پھر کیا ہوگا کالیا؟
اگر اتفاق سے انہیں وزیر بنا دیا جائے تو اسکا تو ٹیکا ہی الگ ہوگا۔ فرض کریں کہ یہ وزیر بن کر مذاکرات امریکہ بہادر سے کر رہے ہوں تو یہ کچھ یوں فرمائیں گے ، گی: ہائے ہائے ابے کلو پہلے ڈرون حملے بند کرا پھر آنا۔ ہائے ہائے گورے چکنے پہلے امداد بحال کرو ناہیں تو میں توسے ناہیں بولوں۔ اگر یہ کبھی غصہ میں آجائیں تو کہیں پیار سے کسی کو ہلکی سی چپیڑ بھی نہ لگادیں۔ اسی طرح اگر پڑوسی ملک سے مذاکرات کرنے پڑے تو انکا پہلا سوال یہی ہوگا کہ پہلے پہلے پہلگام یہں ہمارے جاننے والوں سے ملاقات کا اہتمام کیا جائے ۔ کشمیر کو آزاد کریں یا مادھوری دے دیں ، یا قطرینہ کیف یا کرینہ کپور یا راکھی ساونت دے دیں تاکہ ان سے ڈانس ہی سیکھ لیں۔ ویسے وہاں کے تیسری جنس والے انسے زیادہ تگڑے ہیں اور اگر انہوں نے بھی ایسا ہی وزیر بنا دیا تو پھر کیسا ہوگا مذاکرت کا انجام، سوچیں ذرا؟ ایک تحقیق کے بعد عورت کے بارے میں کہہ دیا گیا ہے کہ جی یہ معمہ ہے نہ سمجھنے اور نہ سمجھانے کا، اس جنس کے بارے میں کیا کہا جائیگا کہ جو بیچارے نہ عورتوں میں نہ آدمیوں میں ؟؟کچھ سروے انکے بارے میں بھی ہو جائے اے چارہ گراں !

تو جناب ! اس تیسری قوم سے گذارش ہے کہ اپنے آپ کو اسمبلیوں میں لانے سے پہلے ان اسمبلیوں کی کار کردگی تو ملاحظہ فرمایئے کہ دن رات اٹھارہ کروڑ عوام انہیں کوسنے دیتی ، لعن طعن کرتی ہے اور تمام ممنوعہ گالیاں جن کے دینے سے تین دن تک زبان گندی رہتی ہے وہ بھی دیتی ہے۔ یہ تو روزانہ اسلام آباد میں کالے بکروں کے صدقے کے طفیل بچے رہے ، ورنہ کب کے کیں ہو چکے ہوتے۔ تو کیا آپ بھی اپنے آپکو یونہی کوسوانا ، لعن طعن کروانا اور ممنوعہ گالیاں دلوانا چاہتے ہیں؟ اگر ہاں ! تو پھر ٹھیک ہے !کیجئے بسم اللہ اور آئیے اسمبلیوں میں جونکوں کی طرح ہمارے خون چوسنے کو اسکے علاوہ آجکل کے الیکشن کے زمانے کے کچھ سیاسی ڈائیلاگ اور انکی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

میں نہیں مانتا: تو ہمارے لوگوں کے ذہنوں پر ایسا سوار ہوگیا ہے کہ اب وہ ہر بات اور کام ، چاہے جائز ہو یا ناجائز، ٹھیک ہو یا غلط، میں نہیں مانتا ، میں نہیں مانتا کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ مثلا: ایک سیاستدان کے اعصاب پر ۔۔۔یں نہیں مانتا۔۔ کچھ اسطرح سوار تھا کہ نکاح کے دائم قاضی نے پوچھا کہ ۔۔۔ فلاں بنت فلاں ۔۔۔۔ اتنے حق مہر کے عوض آپکو دی۔۔۔ابھی قاضی نے۔۔ کیا آپ کو قبول ہے؟؟۔۔ بھی نہیں کہا کہ پہلے ہی بول اٹھے ۔۔ میں نہیں مانتا۔

میں نہیں مانتا۔ ایک لیڈر کی بیوی نے گھر میں لیڈر سے کہا کہ آج تو سالن میں نمک ٹھیک ہے۔ تو بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ بیگم کی چھترول کرتے ہوئے بیگم نے یاد دلایا کہ کل بھی کی تھی، تو آج پھر کیوں؟۔ بولے میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا اور پھر نوے سِروں مار کٹائی میں شروع ہو گئے۔ ایک رپورٹر نے ایک لیڈر سے پوچھا کہ ملک میں شدید لوڈ شیڈنگ، بیروزگاری، مہنگائی اور بدامنی ہے۔ گیس کی شدید قلّت کے باعث لوگوں کو بلیک میں دس دس روپے کی روٹی خریدنی پڑ رہی ہے، تو بولے کہ میرے گھر میں تو سب کچھ ہے لہٰذا میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ بلکہ ساتھ یہ بھی لگا دیا کہ میں نہیں جانتا۔ جب انہیں کہا گیا کہ جی لوگ لوٹے ہو رہے ہیں، بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ جب میں لوٹا بنوں گا تو مانو نگا۔ جب پوچھا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپنے رشوت لی، شراب پی، پلاٹ لیا، بنک لون لے کر واپس نہیں کیا، بولے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ ان لوگوں کی کل تک جن کے ساتھ گاڑھی چھنتی تھی، مل بیٹھ کر کھاتے پیتے تھے آج انہی کو کہتے ہیں کہ میں انہیں نہیں مانتا، نہیں مانتا۔ یہ لوگ چار سال تک انہی اسمبلیوں میں بیٹھ کر ہر سرد و گرم میں شامل ہو کر عوام کا خون چوستے اور چسواتے رہے۔ سب نے مل کر عوام کو ایسے ایسے درد دیے کی پونسٹان فورٹ سمیت تمام پین کلر کام چھوڑ گئیں۔ چار سال میں سینکڑوں بار بجلی، گیس اور پیٹرول بم عوام پر گرتے رہے، یہ اسمبلیوں میں سوتے رہے، اب کہتے ہیں کہ میں ان اسمبلیوں کو

ہی نہیں مانتا۔۔۔ نہیں مانتا۔ایک ڈکٹیٹر صاحب کو سروے کرکے بتایا گیا کہ آپکی ریٹنگ گر گئی ہے لہٰذا آپ از خود گھر چلے جائیں، بولے کہ ایسے سروے مروے کو میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ پھر آخر کار انہیں منوا کر ہی بڑے گھر سے نکالا گیا۔اور آجکل قابلِ احترام عدلیہ کے ہر فیصلے کو کہا جارہا ہے کہ میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔ کیوں بھئی؟؟؟؟

میں باغی ہوں: آجکل کا سیاستدان کیا کہتا ہے سنیئے نام نہاد اصولوں پر سمجھوتہ نہ ہوا تو۔ میں باغی ہوں۔ بچوں سے ناراضگی تو میں باغی ہوں۔ بیگم سے ناراضگی تو میں باغی ہوں۔ وزارت نہ ملی تو میں باغی ہوں۔ فنڈ نہ ملے تو میں باغی ہوں۔ طبیعت کے مطابق عہدہ نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ پان، سگریٹ، نسوار، گٹکا نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ ملاقات کا ٹائم نہ ملا تو میں باغی ہوں۔ غرضیکہ انکے مزاج کے خلاف کوئی بھی بات ہو جائے تو یہ لوگ۔۔۔ ہاں میں باغی ہوں، ہاں میں باغی ہوں کا نعرہ مستانہ شروع کیے دیتے ہیں۔ عوام آئے روز مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، گیس شیڈنگ، بیروزگاری۔۔۔ دہشت گردی کے عفریت کا شکار ہیں اسکے لیے یہ کبھی باغی نہیں ہوئے۔ عوام پر ڈرون حملے ہوتے رہے یہ کبھی باغی نہیں ہوئے۔ لاکھوں عوام گھربار چھوڑ کر بے گھر ہوئے یہ باغی نہ ہوئے۔ سیلاب زدگان آجتک جھگیوں میں سسک رہے ہیں، انکے لیے یہ باغی نہ ہوئے۔ خودکشیاں، فاقے اور بچے فار سیل کے بورڈ لگے ہوئے دیکھ کر بھی یہ

باغی نہ ہوئے۔
بجلی، گیس، تیل کی قیمتیں روز بڑھ جاتی ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ آٹا، گھی، چینی، چاول اور دالیں ہمسایہ ملک میں سستی اور ہمارے ہاں مہنگی ہوتی ہیں یہ باغی نہیں ہوتے۔ منفی ریٹنگ رکھنے والے حکمران عوام پر مسلط ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ عوام کے نام نہاد وزیروں اور مشیروں پر چار سال میں لگ بھگ ایک کھرب روپے اڑ چکے عوام کو کوئی ریلیف نہ ملا، پر یہ باغی نہ ہوئے۔ ستر فیصد عوامی نمائندگان اسمبلیوں میں چار سال سے چپ کے روزے رکھ کر عوام کے پیسے سے عیاشی کر رہے ہیں، یہ باغی نہ ہوئے۔ عدلیہ پر سر عام زبان کے نشتر اور گھاؤ لگائے جا رہے ہیں، شعلہ بیانیاں دکھائی جا رہی ہیں، یہ باغی نہیں ہوتے۔ ریلوے، پی آئی اے، اسٹیل مل اور دیگر قومی ادارے دیوالیے کے قریب پر یہ باغی نہیں ہوتے۔ آمریت آتی جاتی رہی ملک برباد ہوتا رہا یہ باغی نہ ہوئے۔ اغیار کی جنگ میں اربوں ڈالر کا نقصان ہوتا رہا، ہزاروں جانیں گئیں پر یہ باغی نہ ہوئے۔ اپوزیشن چار سال تک گہری نیند سوتی رہی، عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے پر کوئی باغی نہ ہوا۔ کرپشن کی مثالیں قائم ہوتی رہیں، کوئی باغی نہ ہوا۔ ہمارا کشکول دنیا بھر میں پھر کر ہمیں ذلیل و رسوا کرتا رہا، کوئی باغی نہ ہوا۔ اگر باغی ہوئے تو صرف اپنے فائدے اور مفادات کے لیے۔ کیوں؟ آخر کیوں۔؟؟

سونامی : سونامی کا لفظ کبھی کبھار سمندری طوفان کی شکل میں سننے کو ملتا ہے، پر اب سیاستدان چند ہزار کے مجمعے کو سونامی کا نام دیکر ایک دوسرے کو ڈرا رہے ہیں۔ بلکہ اب تو مائیں بھی بچوں کو گبھر سنگھ یا کتے بلی کی بجائے سونامی سے ڈرا کر سلاتی ہیں کہ بیٹا سو جا ورنہ سونامی آ جائیگا۔ پتہ نہیں یہ کونسے سونامی کی بات کرتے ہیں۔ حالانکہ عوام تو پہلے ہی بجلی ، گیس، بیروزگاری، دہشت گردی اور دیگر خرافات کے سونامی کا شکار ہیں اس مری ، پٹی اور لٹی عوام کو پتہ نہیں مزید کونسے سونامی سے ڈرایا جارہا ہے؟۔ جناب والا ! سونامی اگر لانا ہی ہے تو حقیقت میں ایک سمندری سونامی ، کسی وائرس یا زہرِ ہلاہل کا سونامی لے آیئے تاکہ یہ دکھوں کی ماری عوام، روز روز کی جھِک جھِک سے ایک ہی بار اس سونامی کی نذر ہو کر سکون کی ابدی نیند سو سکے۔ آجکل سونامی کو ایک نیا نام زو۔ نامی بھی دیا گیا ہے۔ زو کا مطلب چڑیا گھر ہوتا ہے اور نامی سے آپ کوئی بھی نتیجہ اخذ کرلیں؟؟

انقلاب : ایک اور نعرہ انقلاب بھی آجکل بہت مقبول ہوا ہے: سب کہہ رہے ہیں ہمیں ووٹ دیجئے گا، انقلاب ہم لائیں گے۔ ہمارے للو میاں بھی انقلاب کے بہت شوقین ہیں اور اپنے گھر میں ہمیشہ نت نئے انقلابات لانے کے تجربے کرتے رہتے ہیں۔ مثلا:
ایک بار گھر میں بچت کا انقلاب لانے کے لیے انہوں نے یہ

کیا کہ: بچوں کو دودھ کی جگہ پانی میں سفید رنگ ملا کر پلانا شروع کر دیا۔ گوشت کی جگہ شام کو قصائی کے پھٹے پر سے چھیچھڑے لا کر پکانے شروع کر دیے۔ بھینس کے پائے کی جگہ مرغی کے پائے پکانے شروع ہوئے۔ سبزی کی جگہ شوربے والی گھاس، دال کی جگہ مختلف پتوں سے اترے بیج۔ بجلی کی جگہ اپنی چندیا، گیس کی جگہ بائیو گیس یعنی گٹر کا استعمال۔ روٹی کی جگہ صرف بھنے چنے جو کہ پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ گیس بنانے کے کام بھی آئے اور تمام گھر میں آرڈر دیے گئے کہ جونہی گیس اخراج کی حاجت ہو فورا سلنڈر پر بیٹھ جائیں اور اس میں جمع کریں۔ للو میاں کے اس گھریلو انقلاب سے تنگ انکی بیگم ایک روز پھٹی تو ایسی پھٹی کہ سیاستدانوں کے لتے لینے لگیں کہ یہ لوگ اقتدار میں آ کر ہی کیوں انقلاب لانا چاہتے ہیں؟۔ کیا انقلاب یا عوام کی خدمت
اقتدار کے بغیر نہیں ہو سکتی؟۔ اربوں روپے جلسے جلوسوں پر لگانے سے بہتر نہیں کہ یہ پیسہ عوام کی فلاح پر خرچ کر کے انقلاب لایا جائے؟۔ یہ لوگ ملک میں تعلیمی انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ زرعی انقلاب کیوں نہیں لاتے۔؟ روزگار انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ بجلی گھروں کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟، صنعتی انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ اللہ کے احکام پر چلنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ ہم جیسوں کی غربت دور کرنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ کرپشن دور کرنے کا انقلاب کیوں نہیں لاتے؟۔ اگر لاتے ہیں تو صرف نعروں کا انقلاب ہی کیوں لاتے

ہیں؟۔ اس سے پہلے بھی اسی طرح کے انقلاب کی باتیں ہوتی رہیں پر عوام کو ہمیشہ مسائل کے انقلاب کا سامنا رہا۔ للو میاں سمیت گھر میں کسی کے پاس بھی بیگم للو میاں کے سوالوں کو کوئی جواب نہ تھا؟؟

گو گو :اب رہ بات گو گو کی، تو للو میاں کے بچے اکثر ٹی وی پر یہ نعرے سنکر اسے گو گو پان مصالحہ سمجھتے رہے اور اکثر فرمائش کرتے کہ ہمیں وہاں ضرور لیجایا جائے تا کہ وہاں مفت میں بٹتا گو گو پان مصالحہ مل سکے۔ تاہم ایک روز للو میاں نے انہیں سمجھایا کہ بچو۔۔۔۔ گو گو۔۔ کوئی پان مصالحہ نہیں ہے بلکہ یہ نعرہ اس شخصیت کے لیے لگایا جاتا ہے جس سے کہ لوگ اسکی پالیسیوں کی وجہ سے ناخوش ہوں اور دیس نکالا کرنے کے چکر میں ہوں۔ بس پھر کیا تھا، اگلے روز جیسے ہی للو میاں کام سے واپس گھر میں داخل ہوئے تو گھر کے تمام در و دیوار گو گو کے نعروں سے بھرے پڑے تھے۔ اسکے ساتھ ساتھ للو میاں کے تمام کپڑے پھاڑ کر انکے بینر بنا کر گھر میں لگا دیے گئے تھے جن پر مختلف قسم کے نعرے درج تھے جنہیں پڑھ کر للو میاں کے ہوش اڑ گئے۔ مثلا: چھوٹی منی کی طرف سے بینر پر لکھا گیا کہ: میرے چاکلیٹ اور چپس کے بجٹ میں اضافہ کر ورنہ گو ابا گو۔ بڑی بیٹی کا بینر کچھ یوں تھا کہ: پچھلے دو سال سے میرے کپڑے اور جوتے نہیں بنے، فورا کپڑے سلواؤ ، میرے نئے ناپس لاؤ ، میرے جیب خرچ میں اضافہ کر۔ ورنہ گو بابا گو۔ بیٹے صاحب کا بینر کچھ یوں

تھا کہ : مجھ پر مار دھاڑ کا بوجھ کم کیا جائے، مجھے دوستوں کے ساتھ آزادی سے گھومنے پھرنے دیا جائے، پڑھائی اپنی مرضی سے کرنے دی جائے، ورنہ گو پاپا گو۔ دوسرے بیٹے صاحب کچھ یوں گویا تھے کہ: گھر سے مار پیٹ کے تمام اوزار ہٹائے جائیں اور مجھے رات گئے تک گھومنے پھرنے کی آزادی دی جائے، نیا فون بلیک بیری بمعہ بلوٹوتھ کے لیکر دیا جائے ورنہ گو ابو گو۔ للو میاں کی بیگم بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں اور انکا بینر کچھ یوں تھا کہ : فوراً گھر میں لارج سائز کا رنگین ایل ای ڈی ٹی وی لایا جائے ورنہ گو میاں گو۔ ایک اور بینر پر لکھا تھا کہ : میں گھر کے کام کاج کر کر کے کھپ چکی ہوں ڈیوٹی سے آکر میرا ہاتھ بٹایا جائے یا پھر فالتو کاموں کے لیے ماسی رکھوائی جائے اور پچھلے بیس سال میں کیے گئے تما وعیدوں، بالخصوص میرے جھمکوں والا وعیدہ فوراً پورا کیا جائے ورنہ گو منے کے ابا گو۔ للو میاں نے یہ صورتحال دیکھی تو فوراً اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور اسوقت کو کوسنے لگے جب انھوں نے گو گو کے معنی ان بچوں کے گوش گزار کیے تھے۔ اچانک سب سے چھوٹی اور للو میاں کی پیاری بیٹی اپنا بینر لیکر کمرے سے نمودار ہوئی جس پر لکھا تھا :

میرے پیارے بابا جانی آپ ہی ہیں ہم سب کا سہارا۔۔ آپ کہیں نہ گو کہیں نہ گو، میرا ہے بس یہ ایک ہی نعرا

للو میاں نے آگے بڑھ کر اپنی پیاری بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔

ٹرین کے سفر کا آنکھوں دیکھا حال

ایک بار بمعہ اہل و عیال ایک ٹرین سے سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ سوری، ایک بار پھر سفر کرنے کا اتفاق ہوا، اگر چہ جو ہونا تھا ہو چکا مگر اچھا نہیں ہوا، دل کرتا ہے کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا، آپکے ساتھ ضرور کچھ شئیر کیا جائے۔ خیر جناب ! اپنے شہر کے اسٹیشن پر گئے انہیں عرضی پیش کی کہ صاحب ہمیں اے سی یا لوور اے سی میں سفر کرنا ہے، بجکم بیگم جان کہ موصوفہ عام کلاس میں سفر نہیں کر سکتیں۔ مگر ہمیں یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ اس کلاس کی بوگی ہماری مطلوبہ ٹرین میں ناپید تھی۔ دوبارہ عرضداشت پیش کی کہ جی عام سلیپر میں ہی سیٹیں دے دیں، فرمایا کہ جی یہ بکنگ یہاں دستیاب نہیں ہے۔ اسکے لیے آپکو بڑے شہر جانا پڑیگا۔ بڑے مایوس ہو کر ریلوے کے کوچے نکلے اور سوچا کہ اب بیگم کو کیا جواب دیں گے ؟۔ خیر چاروناچار اکانومی کلاس کی سیٹ اور برتھ پر ہی گزارہ کرنا پڑا۔

مقررہ دن، وقت اور تاریخ پر اسٹیشن پہنچنے سے پہلے ریلوے انکوائری میں گاڑی کا اررائیوال ٹائم جاننے کے لیے بہت فون کیے، مگر حسب توقع جواب ندارد۔ خیر جناب اسٹیشن پہنچے تو پتہ چلا کہ گاڑی آج صرف ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ لو جناب

گاڑی آ گئی ، ہر بندہ گاڑی پر ایسے ٹوٹ پڑا جیسے چیل گوشت پر۔ جیسے تیسے ہم بھی بمعہ اہل و عیال و سامان، گھس گھسا کر ایک ڈبہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اپنی بک شدہ سیٹ اور برتھ پر پہنچے تو ہماری سیٹ اور برتھ پر پہلے سے کچھ غیر متعلقہ افراد کا قبضہ تھا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے پہلے بیگم اور بچوں کی طرف دیکھا، آستینیں چڑھائیں پھران غیر متعلقہ افراد کو بڑھک لگائی کہ سیٹیں خالی کریں، مگر انہوں نے ایسے سنی ان سنی کردی جیسے کہ ہمارے سیاستدان عوام کو کرتے ہیں۔ بیگم کو بہت غصہ آیا اور حسب عادت نہایت گرجدار آواز میں انہیں اٹھنے کا حکم دیا تو بیگم کی ڈر کی کام آ گئی، سیٹیں خالی تو ہو گئیں مگر اس شرط پر کہ انکی ایک عدد مریضہ کو فلاں جگہ تک ساتھ بٹھایا جائیگا۔ خیر انسانی ھمدردی کے ناطے، جو کہ ھم میں (بیگم میں نہیں) کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، ہم مان گئے۔ جب ہم نے اوپر اپنی برتھ پر نظر ڈالی تو وہاں پر بھی دو عدد خواتین فراش پائیں اور انہوں نے بھی برتھ خالی کرنے سے ایسے صاف انکار کر دیا، جیسے ہمارے سیاستدان کرسی چھوڑنے سے کرتے ہیں۔ اب حالت یہ تھی کہ ھم چار سیٹیں اور برتھیں بک کرانے کے باوجود بھی سیٹوں کے درمیان لاوارثوں کی طرح کھڑے تھے اور دوسرے لوگ ہماری سیٹوں پر براجمان تھے۔ خیر کچھ گھنٹوں بعد مذکورہ خواتین نے اپنا اسٹیشن آنے پر ہماری برتھ خالی کر دیں۔ کچھ دیر بعد ہمیں واش روم کی حاجت ہوئی، وہاں گئے تو پتہ چلا کہ بجلی کے ساتھ ساتھ پانی بھی نہیں ہے۔ دوسرے واش روم گئے تو

وہاں سرے سے ٹونٹی ہی نہ تھی۔ مجبوراً ٹیشو پیپر پر ہی گزارہ کرنا پڑا۔ خیر جیسے تیسے پندرہ گھنٹے سفر کرنے کے بعد اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے اور وہاں اترتے ہی واپسی کی کمپیوٹرائزڈ بکنگ بھی کرالی۔

واپسی پر جب ہم دوبارہ اپنی کمپیوٹرائزڈ بکنگ والی سیٹوں پر پہنچے تو وہاں پر بھی ایک فیملی پہلے سے براجمان تھی، اور حیرانگی اس بات پر تھی ان سیٹوں پر نمبرنگ تین بار کی گئی تھی۔ پہلے والے اصلی نمبر دوسرے والے کالے مار کر سے اور تیسرے والے سفید چاک سے لکھے گئے تھے، اور ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ،، چاک والے نمبر درست ہیں،،۔ اب ہم کبھی کمپیوٹرائزڈ بکنگ والے نمبروں کو دیکھیں اور کبھی چاک والے نمبروں کو، کہ پتہ نہیں کون

سے درست تھے۔ لو جناب یہاں بھی سیٹوں کے پیچھے پھڈا شروع۔ ہمیں جھگڑتا دیکھ کر ایک نیک بخت نے مشورہ دیا کہ آپ اس سلسلے میں ٹرین کے ٹی ٹی سے رابطہ کریں۔ ٹی ٹی صاحب کو ڈھونڈا اور انہیں اپنا مدعا بیان کیا تو بہت برھم ہوئے اور نہایت غصہ اور جلال میں آکر منہ چارلی چپلن کی طرح بنا کر کہنے لگے کہ میں سیٹیں الاٹ کرنے والا ٹی ٹی نہیں بلکہ سامان والا ٹی ٹی ہوں۔ خیر صاحب سیٹوں والے ٹی ٹی صاحب کو بھی ہم نے ٹرین چلنے سے چند منٹ پہلے گاڑی کے انجن کے پاس جا ہی لیا۔ مدعا بیان کرنے پر انہوں نے بھی پہلے کچھ چی پاں کی ،

مگر بعد ازاں سیٹوں کا مسئلہ حیران کن طور پر بالآخر بغیر کچھ لیے دیے حل کرا ہی دیا۔
دوبارہ پندرہ گھنٹے کی ٹریول کے بعد سسرال پہنچے ، کچھ روز سٹے کرنے کے بعد گھر واپسی کا قصد کیا، اسٹیشن پہنچے ، رات گیارہ بجے کی ٹرین رات ایک بجے آئی، بچوں کا نیند سے برا حال، بیگم پریشان، ساتھ سسرالی بھی پریشان کہ جلدی سے مطلوبہ گاڑی آئے تو انہیں دھکا دیں، اور گھر جا کر آرام کریں۔ لو جناب ! صبح کے چھ بجے ایک اور ٹرین چینج اور کے لیے ایک اسٹیشن پر اترے ۔ ٹرین جانے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، قلی صاحب سے بکنگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ہمیں سرتاپاؤں ایسے دیکھا جیسے ہم نے اس سے کو ئی الجبرا کا سوال پوچھ لیا ہو اور فرمایا کی جناب اس ٹرین کی بکنگ نہیں ہوتی۔ ،، توانوں پتا نئیں جے ،،، جہاں مرضی آئے قبضہ کر لیں قبضہ گروپوں کی طرح ، اور پوچھنے پر مزید بتایا کہ گاڑی پلیٹ فارم نمبر 2 سے روانہ ہوگی۔ ہم نے پلیٹ فارم نمبر 2 بہت تلاش کیا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ پھر ایک صاحب نے پوچھنے پر ایک جانب دور کا اشارہ ، کرکے بتایا کہ وووووووووووووہ رہا پلیٹ فارم نمبر 2، دراصل وہ گاڑیوں کا ایک شنٹنگ پوائنٹ تھا، نہ کہ پلیٹ فارم ۔۔ جلدی جلدی ہم بھی گاڑی تک پہنچے اور مبلغ تین عدد سیٹوں پر بمعہ اہل و عیال قبضہ کر لیا۔

گاڑی کیا تھی بس گاڑی کے نام پر ایک ٹوٹا پھوٹا ڈبہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ہمارے پاؤں کے نیچے سے واقعی زمین نکل کر نیچے دوسری زمین نظر آنے لگی، یعنی جہاں ہمارا پاؤں تھا اسکے عین نیچے فرش میں ٹاکی لگا کر بوگی کے ٹوٹے فرش کو چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ آپ باسانی گاڑی کے وہیل دیکھ اور گن سکتے تھے۔ غرضیکہ گاڑی کی حالت بہت ہی خستہ تھی۔ ایک ایک بندے نے چار چار سیٹیں ملی ہوئی تھیں، اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا ابھی ہم گاڑی کے چلنے کی اناؤ نسمینٹ ، یا گاڑی کے ہارن کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ حیرت انگیز طور پر گاڑی بلکل آن ٹائم چل پڑی وہ بھی بغیر کسے ی اناؤ نسمینٹ اور گاڑی کے ہارن کے اور حیرت انگیز طور پر ہمیں آن ٹائم اپنی منزل مقصود پر بخیر و عافیت پہنچا دیا۔

مندرجہ بالا ٹرین جرنی سے ہمیں اندازہ ہوا کہ لگژری گاڑیاں صرف راولپنڈی، لاہور، کراچی والوں کے لیے ہیں، چھوٹے اور پسماندہ علاقوں کے لوگوں کے لیے ایسی تھکڑ گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں کہ بندہ ایک بار سفر کرے تو تین دن تک بستر سے نہ اٹھے، اور ایسا لگتا ہے جیسے ان علاقوں میں کوئی حیوان یا شودر انسان بستے ہیں جو کہ اچھی گاڑیوں میں سفر کرنے کے مستحق ہی نہی ہیں۔ ریلوے کے اعلی حکام اور نئی حکومت سے جنوبی پنجاب کے پسماندہ علاقوں میں اچھی

گاڑیاں چلانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری
بات۔

ٹوٹے۔ پڑھیے اور ہنسیے

ایک لطیفہ: "ایک بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ اگر میں گم ہو جاؤں تو آپ کیا کروگے؟ شوہر نے جواب دیا کہ اخبار میں اشتہار دونگا۔ بیوی نے پوچھا کہ اشتہار میں کیا لکھواؤ گے؟ شوہر نے جواب دیا کہ: جینوں لبھ جائے اودی۔ (یعنی جس کو مل جائے اسی کی)!

لکھنے والا جب زیادہ مصروف ہو یا کوئی موضوع لکھنے کو نہ مل رہا ہو تو وہ ایویں ہی ولیاں اور بونگیاں مارنے لگتا ہے۔ کچھ ایسا ہی آجکل اپنے ساتھ ہے کہ کچھ ناگہانی مصروفیات کے باعث کچھ لکھ نہیں پا رہے۔ بہرحال کچھ ٹوٹوں پر گزارہ کیجیے، پر کمنٹس ضرور دیا کریں کہ اس سے لکھنے والا سیکھتا ہے۔ میرے بہت سے پڑھنے والے فون پر بھی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ انکا بھی پیسے خرچ کرنے کا شکریہ۔

۔ ایک چھوٹی سے بچی ایک دکاندار کے پاس گئی اور بولی کہ انکل جب میں بڑی ہو جاؤنگی تو کیا آپ مجھ سے شادی کروگے؟ دکاندار ہنس کر بولا کہ ہاں کر لونگا۔ بچی بولی کہ: تو کیا آپ اپنی ہونے والی بیوی کو ایک چاکلیٹ بھی مفت نہیں دے سکتے؟!

۔ غریب آدمی روٹی کے حصول کے لیے دوڑتا ہے، امیر آدمی روٹی ہضم کرنے کے لیے دوڑتا ہے

۔ منہ کھولنے سے پہلے اپنا دماغ کھولو

۔ بہت زیادہ سوچنے سے مسائل پیدا ہوتے ہیں

I love the people who can make me laugh when i dont even want to smile.

۔ زندگی ایک سائیکل کی طرح ہے، لہٰذا بیلنس برقرار رکھنے کے لیے اسے چلاتے رہنا پڑتا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن۔

۔ میں طوفانوں سے نہیں ڈرتا، بلکہ میں یہ سیکھتا ہوں کہ میں اس ماحول میں اپنا جہاز کیسے چلاؤں۔ لوئزا مے الوٹ

۔ سخت عائم ہمیشہ نہیں رہتا، مگر سخت آدمی ہمیشہ رہتا ہے۔ رابرٹ ایچ شسلر

۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں سب سے بہتر ہے اپنے آپ کو مصروف رکھنا۔ اپنے غصے اور طاقت کو کسی اچھے مقصد کے لیے استعمال کرو۔ لی آکوکا

۔ میں احسانمند ہوں اپنی تمام مشکلات کا جن پر قابو پا کر میں مضبوط ہوا اور قابل ہوا ان دیکھی مشکلات پر قابو پانے کے لیے۔ میری تمام پریشانیاں میرا حوصلہ بلند کرتی ہیں۔ جیمس کیش پینی

۔ پاکستان میں فی الحال انقلاب نہیں آسکتا کیونکہ ڈاکوؤں کو خوف

نہیں، سیاستدانوں کو ہوش نہیں، فوجیوں میں جوش نہیں، غریبوں میں ہمت نہیں، مڈل کلاس کو فرصت نہیں، امیروں کو ضرورت نہیں، لہٰذا سوتے رہیے اور بولتے رہیے۔

۔ زندگی ایک بہت مشکل امتحان ہے، بہت سے فیل ہو جاتے ہیں نقل کرتے ہوئے دوسروں کی، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ہر کسی کا سوالیہ پرچہ الگ الگ ہوتا ہے۔

۔ چودہ سے پچیس سال کی لڑکی فٹ بال کی طرح ہوتی ہے، ایک کے پیچھے بائیس لوگ ہوتے ہیں۔ چھبیس سے پینتیس سال کی لڑکی کرکٹ بال کی طرح ہوتی ہے، ایک کے ہاتھ آتی ہے تو باقی تالیاں بجاتے ہیں۔ چھتیس سے پینتالیس سال کی آنٹی ٹیبل ٹینس بال کی طرح ہوتی ہے ایک کہتا ہے کہ تو رکھ، دوسرا کہتا ہے کہ تو رکھ۔ اسکے بعد کی عورت گولف کی بال کی طرح ہوتی ہے جتنی دور جائے اتنا اچھا، بلکہ زمین کے اندر جائے تو اور بھی اچھا!۔

۔ چھوٹی پلیٹ میں زیادہ سالن ڈالو تو باہر نکل جاتا ہے

۔ ایک میمن نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا دروازے پر کون ہے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ سوئمنگ پول کے لیے چندا مانگ رہے ہیں۔ میمن نے پوچھا کہ بیٹا کیا دے رہے ہو۔ بیٹا بولا ، کہ ایک گلاس پانی۔ میمن نے جواب دیا کہ شاباش بیٹا

ساتھ والوں کے نل سے دینا۔

۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ کبھی بد لہ نہیں لیتا

۔ حسد کرنے والا موت سے پہلے مر جاتا ہے

۔ کسی پر اعتماد نہ کرو جب تک اس کو غصہ میں نہ دیکھ لو

۔ موت کو یاد کرنا نفس کی تمام بیماریوں کو علاج ہے

۔ خوشی انسان کو اتنا نہیں سکھاتی جتنا کہ غم

۔ سچائی ایک ایسی دوا ہے جسکی لذت کڑوی مگر تاثیر میٹھی ہے

۔ اذان کے وقت خاموش رہا کرو تاکہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہو

۔ ہر لم شیک ڈانس فرام کوریا آن ہے

۔ موبائل زیادہ انسان کم۔ کیا بات ہے۔

۔ ساس نے اپنے تین دامادوں کی محبت آزمانے کے لیے انکے سامنے دریا میں چھلانگ لگادی۔ ایک داماد نے اسکو بچالیا۔ ساس نے انعام کے طور پر اسے کار دے دی۔ دوسرے دن یہ ڈرامہ پھر ہوا، پھر دوسرے داماد نے بچالیا، اسے موٹر سائیکل انعام میں مل گئی۔ تیسرے دن ڈرامہ ریپیٹ ہوا تو تیسرے داماد نے سوچا کہ میرے لیے ضرور سائیکل ہوگی لہٰذا کیا ضرورت ہے بچانے کی، چھڈو پرے ! اور ساس ڈوب گئی ! اگلے روز اس داماد کو مرسیڈیز مل گئی، لیکن سسر صاحب کی طرف

!سے۔کیسا
محبت بلکل ایک شطرنج کی طرح ہوتی ہے، ایک غلط چال چلی اور
آپ۔۔۔

روزے داروں کی کہانی

روزوں کا مہینہ امت مسلمہ کے لیے اللہ پاک کا ایک بہت بڑا انعام ہے، جسمیں آسمانی شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے، جب کہ زمینی شیطانوں کا پٹہ شاید خود بخود کھل جاتا ہے اور وہ کھل کر اپنا شیطانی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بد بخت، بد نصیب، لالچی، حرام خور، ذخیرہ اندوز، اس ماہ مبارک کی اہمیت اور فضیلت کو نہ سمجھتے ہوئے بھوکے بٹیروں کی طرح مارکیٹ میں کمانے کے لیے ایسے وارد ہوتے ہیں کہ جیسے پورے سال کی کمائی صرف اسی ماہ ماہ مبارک میں کرنی ہے۔ اپنی مرضی کا منافع کمانے کے لیے ماہ رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی انکے گودام روز مرہ کی اشیاء سے ایسے لبالب بھر جاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کسٹم والوں کی یا تحصیل کچہری کے کلرکوں کی جیبیں پیسوں سے بھری ہوتی ہیں۔ یہ حرام خور، ذخیرہ اندوز اسوقت تک اس کام میں جتے رہتے ہیں جب تلک کہ اس حرام کی کمائی سے نکو نک نہ ہو جائیں۔ حیرت کی بات یہ کہ انہیں نکو نک کرنے میں اور عوام کا گلا اور جیب کاٹنے میں انتظامیہ انکا بھر پور ساتھ دیتی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ سیب 300 روپے کلو، کیلا 200 روپے درجن، انگور 200 روپے کلو، آڑو 120 روپے کلو اور کھجور 50 روپے پاؤ بک رہی ہے۔ دوسری طرف سستا آٹا اور سستی چینی کے لیے لائنوں میں لگے عوام ایک دوسرے کو ننگ دھڑنگ کر رہے ہوتے ہیں. ایک ٹرک

سستے آٹے یا چینی کا آتا ہے تو ہزاروں لوگ اسپر ایسے پل پڑتے ہیں جیسے شہد کے چھتے پر مکھیاں، اور شریف آدمی دور کھڑا اپنے نصیب کو کوستا رہتا ہے۔ حکومت دعوے تو کرتی ہے کہ اربوں کی سبسڈی دے رہی ہے، تاہم پتہ نہیں چلتا کہ یہ سب۔ سڑی کہاں سڑ رہی ہوتی ہے۔ نام نہاد رمضان بازاروں میں نہ دکاندار ہیں اور نہ خریدار، ماسوائے چند شہروں کے۔ اتنی مہنگی اشیاء تو غریب صرف چھو ہی سکے گا کہ خرید کر کھانا اسکے بس میں نہیں۔

ہر سال حسب روایت رمضان المبارک کا چاند انتہائی غور سے دیکھنے اور شواہد جمع کرنے کے لیے رویت ھلال کمیٹی کا اجلاس بلایا جاتا ہے۔ عموما یہ ہوتا ہے کہ رات بارہ بجے جب آدھے لوگ سو چکے ہوتے ہیں، آدھے لوگ تراویح کے انتظار میں مساجد میں بیٹھ بیٹھ کر سوکھ جاتے ہیں، یا پھر کئی امام حضرات تنگ آکر تراویح پڑھا بھی چکتے ہیں، اور کئی گھروں کو سونے چلے جاتے ہیں، تو چاند نظر آنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے، پتہ نہیں یہ رات دس بارہ بجے کونسا چاند دیکھتے ہیں؟؟ اس بار شکر رہا کہ پورے ملک میں روزہ ایک ہی دن ہوا، اللہ کرے عید بھی اکھٹی ہی ہو۔

رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی پہلے دو چار روز تو مساجد میں نمازیوں کی بڑی لمبی لمبی قطاریں نظر آتی ہیں، پھر آہستہ آہستہ یہ گراف گرنا شروع ہو

جاتا ہے، اور پھر جیسے ہی بیس دن گزرتے ہیں دوبارہ سے مساجد بھرنا شروع ہو جاتی ہیں، زیادہ تر لوگ توآخری عشرہ کا ثواب کمانے کے لیے مساجد میں آتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف ختم شریف کی مٹھائی کھانے کے چکر میں مساجد کا رخ کرتے ہیں۔ اور تو اور محلے یا شہر کی جس مسجد میں بھی رمضان شریف کے قرآن کے ختم کی خبر ملے یہ فورا وہاں پہنچ جاتے ہیں، صرف مٹھائی کھانے کو۔کچھ ایسے ہی روزہ خور حضرات افطاری کے ٹائم مسکین سی شکل بنائے مساجد میں بھی بکثرت وارد ہوتے ہیں تاکہ پرائے مال پر ذرا ستھرا ہاتھ صاف کر سکیں .اور تو اور انتظامیہ میں شامل ہو جاتے ہیں، تاکہ خاص خاص مال سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ کچھ کام چور اور سینہ زور حضرات جو کچھ نہیں کرنا چاہتے وہ ان دنوں اعتکاف میں بھی بیٹھے نظر آتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنا زیادہ ٹائم عبادت میں گزاریں، منڈے شنڈے اکھٹے ہو کر رات رات بھر مساجد میں گپیں ہانکتے نظر آتے ہیں اور دوسروں کی عبادت میں مخل ہوتے ہیں ۔ دن میں کسی بچے کو کوئی کام کہ دو تو فورا مسکین سی صورت بنا کر روزہ کا بہانہ بنا دیتے ہیں چاہے روزہ ہو کہ نہ ہو۔ اسکے علاوہ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے ہڈ حرام جو پورا سال کچھ نہیں کرتے ان دنوں روزوں کا بہانہ کرکے مزید ہڈ حرامی پر اتر آتے ہیں،10 بجے ڈیوٹی پر آئے اور 12 بجے چھٹی کرکے غائب ۔

دوسری طرف بازار کا حال دیکھیے کہ اتنی مہنگائی اور گرانی کے باوجود لگتا نہیں کہ مہنگائی ہے، سموسے، پکوڑے، جلیبی، کھجلا، پھینیاں، چکن رول اور دیگر سامان سحر و افطار کی دکانوں پر لوگ یوں پلے پڑے ہوتے ہیں، کہ جیسے کبھی یہ اشیاء ان کے لعاب دہن سے ہو کر بھی نہ گزری ہوں یا یہ کہ اس بار نہ ملا یا نہ کھایا تو اب کے بچھڑے کبھی خوابوں میں ملیں گے، یا جیسے فری بٹ رہی ہوں۔ دوسری طرف غریب کی بیگم ایک ھاتھ میں تھیلا اور دوسرے میں سو روپے تھما کر کہتی ہیں کہ پورے ہفتے بھر کا فروٹ لے آنا، میاں واپس آتے ہیں تو اس میں ایک افطاری کا سامان بھی پورا نہیں ہوتا۔اس بھلیے لوکے کو کیا پتہ کہ باہر کتنی مہنگائی ہے۔ پچھلے سال آلو مہنگے یعنی 60 روپے اور سیب نمبر دو سستے یعنی 50 روپے کلو تھے۔ میاں نے تو تنگ آ کر کہ دیا تھا کہ بیگم سیب کے ہی پکوڑے بنالو، اور سالن میں بھی آلو کی جگہ سیب استعمال کرو۔ وہ تو شکر رہا کہ بیگم روزے سے تھیں ورنہ انکا جواب کئی روز تک کانوں میں رس گھولتا رہتا۔ خیر جناب ! گھر میں جتنے بندے ہوتے ہیں اتنی ہی اشیاء کہ سب کی الگ الگ پسند۔ کسی نے شکنجوی پینی ہے تو کسی نے روح افزا تو کسی کو لسی پسند ہے، سادہ پانی کو تو رقیب روسیاہ کی طرح ان دنوں ایسا جانتے ہیں کہ جیسے اسمیں جمال گھوٹا ملا ہوا ہو۔ افطاری کے ٹائم بڑوں سے زیادہ بچے پکوڑوں، سموسوں، دہی بھلوں اور دیگر لوازمات پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں، ادھر سائرن بجا اور بچوں کی کاروائی شروع، بعض دفعہ تو بڑوں کو

صرف پانی پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ رمضان المبارک میں صبح کی سحری کا آغاز ایسے ہوتا ہے کہ ہر روز صبح سویرے میاں کا بیگم سے پھڈا ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے، بیگم کو دس بار اٹھاؤ تو تب جا کر ایک بار اٹھتی ہے، اور بجائے اس کے کہ بیوی میاں کو اٹھائے، میاں صاحب بیوی کو اٹھا رہے ہوتے ہیں، کیونکہ آلو اور قیمے کے پراٹھے، پھینیاں اور دیگر لوازمات جو تیار کروانے ہوتے ہیں۔

روزوں کا مہینہ جہاں روزہ داروں کیلئے رحمت ہے، وہیں روزہ خور حضرات کے لیے باعث زحمت بھی ہے کہ انہیں کھانے پینے میں شدید تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ ان بیچاروں کو صبح کے ناشتے اور دوپہر کے لنچ کے لیے بار بار بس اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ چاہے کسی گاڑی یا بس کے آنے جانے کا ٹائم ہو یا نہ ہو، اڈے اور اسٹیشن پر رش اسی طرح ہوتا ہے، اور مسافروں سے زیادہ روزہ خور حضرات کھانے پر ٹوٹے اور پلے پڑے نظر آتے ہیں۔ تمبو کے پیچھے دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے کہ پاکستان ریلوے اور اڈے والوں نے محکمہ کا خسارہ پورا کرنے کے لیے اپنی جگہ کسی شادی ہال والوں کو کرائے پر دے دی ہے۔ اس تمبو کے پیچھے روزہ خور حضرات کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں پولیس والے بھی نظر آتے ہیں جو کہ بخوشی اپنی ڈیوٹی وہاں لگواتے ہیں تاکہ پیٹ اور جیب دونوں کے بھرنے میں آسانی رہے۔ اسکے ساتھ ساتھ مریض حضرات اور وہ حضرات

جنکے گھریلو تعلقات میں کشیدگی چلی آ رہی ہو، ایسی پبلک پلیسس پر کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

بہر حال ! اگر ان مذکورہ ذخیرہ اندوز حضرات کو اس ماہ مبارک کی اصل اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو یہ اپنے گوداموں کے منہ خیرات کے لیے ایسے کھول دیں کہ لینے والے بندے ختم ہو جائیں پر مال ختم نہ ہو۔ اور اگر روزہ خور حضرات کو روزہ کی اہمیت اور فضیلت پتہ چل جائے تو وہ سال بھر پکے روزے سے رہیں، نہ کہ ایسے جیسے ہمارے ایک شیخ صاحب دوست ہیں انکے ہاں جب بھی غلطی سے کوئی مہمان آ جائے تو وہ فوراً روزے سے ہو جاتے ہیں، تاکہ کچھ کھلانا پلانا نہ پڑے۔ کیا آپ کا واسطہ کبھی ایسے لوگوں سے پڑا ہے ؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو اس مبارک مہینے کی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین۔

میاؤں کی عید کیسے گزرتی ہے؟

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے سے فراغت کے بعد اللہ پاک کی طرف سے مسلمانوں کے لیے عید الفطر کی صورت میں ایک انعام دیا جاتا ہے۔ جسکا اہتمام تمام دنیا کے مسلمان بڑے ذوق و شوق سے کرتے ہیں۔ عیدین کا انتظار عموماً بڑوں سے زیادہ بچوں کو رہتا ہے، کیونکہ انکی جیب بھرنی اور بڑوں کی کٹنی ہوتی ہے اور عموماً یہ ڈائیلاگ بھی سننے کو ملتا ہے کہ جی بس عید تو بچوں کی ہوتی ہے، ہماری یعنی بڑوں کی کیا عید۔ عید کی تیاریاں عموماً چاند رات کو ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر چاند صاحب بے وقت کی بجائے بر وقت نظر آ جائیں (جیسا کہ اکثر نہیں ہوتا)، تو لوگ بازاروں میں ایسے امڈ آتے ہیں جیسے آجکل لوگ سستا آٹا اور چینی کے لیے رمضان بازاروں میں بھاگے دوڑے چلے آتے ہیں۔ بازاروں میں رش کا یہ عالم ہوتا ہے کہ خاتون کا مونڈھا مرد سے اور مرد کا خاتون سے چھل رہا ہوتا ہے، مجال ہے کوئی ایک دوسرے کی طرف دیکھے۔ کہ رش اور جلدی میں کس کے پاس اتنا وقت ہے۔ کچھ خواتین و حضرات تو حقیقی شاپنگ کے لیے آتے ہیں، جبکہ کچھ لونڈے لپاڑے بس یونہی بازار ناپتے اور لفٹری کرتے یا پھر مونڈھے مارتے اور کھاتے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں انکے عجیب و غریب قسم کے فیشن بھی دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً پھٹی جینز، کمر میں ایسے انکی ہوتی ہے جیسے کہ بس ابھی نیچے کو گئی اور پھر۔۔۔۔۔۔۔

نوک دار جوتے، پانچ انچ چوڑی بیلٹ میں اٹھنی کی طرح کا گول رنگٹ، بازو کٹی، شرٹ، الٹی ٹوپی، کان میں رنگٹ، ھاتھ میں راکھی کا سا دھاگہ یا لوہے کا کڑا، بالوں کا ہیئر اسٹائل ایسا جیسا کہ ابھی ابھی کسی سے کشتی لڑ کر آ رہے ہوں یا سو کر اٹھے ہوں، داڑھی اور شیو کا کٹ ایسا ہوتا کہ جیسے کسی نے انکے منہ پر کالا مار کر پھیر دیا ہو۔ وغیرہ وغیر۔ یہ تمام ڈھونگٹ ان خاتونوں نما مردوں نے صرف صنف نازک کو لائن مارنے کے لیے رچائے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ ایڈونچر کے شوقین حضرات چاند رات کو غلط قسم کے ممنوعہ مشروبات پی کر دنیا و مافیہا سے بے خبر کہیں کے کہیں پڑے ہوتے ہیں، اور عید کی صبح دم مساجد میں انکی گمشدگی یا فوتگی کا اعلان ہو رہا ہوتا ہے۔

عید کا موقع ہو اور نائی اور درزی کا ذکر خیر نہ ہو بڑی اچنبھے کی سی بات ہے۔ جو درزی بیچارہ سارا سال مکھیاں مارتا ہے وہ بھی ان دنوں ایسا مصروف ہوتا جیسے کہ آجکل ہمارے ایم این اے اور ایم پی اے حضرات لڑنے جھگڑنے میں یا جیسے آجکل لوگ بجلی اور گیس کے کنکشن کے لیے کسی ایم این اے، ایم پی اے کی سفارش ڈھونڈتے ہیں اسی طرح کپڑے سلانے کے لیے بھی ایم این اے اور ایم پی اے حضرات کو کھوجتے نظر آتے ہیں اور درزی حضرات بھی ہاؤس فل کا بورڈ لگا کر خوب نوٹ چھاپتے ہیں اور بیچارے کسٹمرز کو عید کی صبح تک سولی پر لٹکا کر رکھتے ہیں۔ نو خیز درزی حضرات اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب

ھاتھ صاف کرتے ہیں اور جہاں کہیں کپڑا غلط کٹا یا غلط سلا اسے فوراً نئے فیشن کا نام دے دیتے ہیں۔ اسی طرح نائی حضرات بھی رت جگا کرکے پوری چاند رات لوگوں کی زلفیں تراشتے، شیو کرتے، فیشل اور مساج کرتے، چہرے رگڑتے، بوڑھوں کو جوان کرتے نظر آتے ہیں۔ نیم حکیم خطرہ جان کے مصداق نیم نائی یعنی ٹرینی نائی بھی اس موقع پر اپنے ہاتھ لوگوں پر خوب صاف کرتے ہیں، اور اگر غلطی سے کہیں کٹ لگ بھی جائے تو وہاں کریم کی ٹاکی لگا دیتے ہیں۔ الغرض جس نوجوان کے پاس کوئی کام نہ ہو، وہ ان دنوں درزی اور نائی بنا ہوتا ہے۔یا پھر یونہی اچھا ؟؟ٹائم پاس کرنے کے لیے کسی مینا بازار میں چوڑیوں اور مہندی کے سٹال لگا لیتے ہیں۔

لیجیے جناب عید کی صبح ہوئی تو ہمارے للو میاں کی بیگم نے چولہے پر شیر خورمہ کا دیگچہ چڑھادیا اور شیر خورمہ میں اتنے لوازمات ڈلوا کر اس پر اتنا خرچہ کرا دیا کہ اتنے میں تو چنے پلاؤ کی دیگ پک جاتی اور پورے محلے میں تقسیم بھی ہو جاتی۔ شیر خورمہ تیار ہوا تو بیگم صاحبہ نے آرڈر جاری کیے کہ جی محلے میں اور رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے اور کم از کم پانچ سو روپے بھی ہر ڈونگے کے ساتھ جانے چاہییں، جی ہاں ڈونگے ! ناٹ پیالیاں، کیونکہ بقول بیگم صاحبہ ذرا ذرا سا کیا بھیجنا، بندہ چیز بھیجے تو اچھی خاصی چیز تو بھیجے ! للو میاں نے جب بیگم کو یاد کرایا کہ ہمارے ہاں تو جن پیالیوں میں

سویاں آ رہی ہیں انکا سائز تو ہمارے مٹھو کے پنجرے میں لگی پانی کی پیالیوں سے بھی چھوٹا ہے، تو بیگم فورا بولیں کہ جی انکا عمل انکے ساتھ، ہمارا ہمارے ساتھ۔ اور تو اور صبح صبح ڈونگے بھر بھر کے اورنگی سے کورنگی اور سٹیل مل کراچی سے صدر کراچی جتنے فاصلے پر رہائش پذیر بہنوں کے بھی شیر خورمہ بھجوانا نہ بھولیں۔ اگر بھولی تو اپنی نند کو بھولی جو بدقسمتی سے پچھلی گلے میں ہی رہتی تھی۔

اب مرحلہ شروع ہوتا ہے جناب عیدی کا، ماسوائے چھوٹی صاحبزادی، جس بیچاری کو ابھی پیسوں کی سوجھ بوجھ ہی نہیں ہے دس کا نوٹ کونسا اور سو کا نوٹ کونسا، سب ناٹ گئے کہ جی اتنے کم نہیں اتنے دیں، وغیرہ، وغیرہ، آخر کار بڑی مشکل سے پانچ پانچ سو پر جا کر مک مکا ہوا۔ عید کے موقع پر بہت سے ایسے لوگ بھی سائیں بن جاتے ہیں، جو پورا سال نظر نہیں آتے، مثلا جمعدار صاحب، جنہیں پورا سال گلی یا نالی صاف کرتے نہیں دیکھا وہ بھی صبح صبح آ کر کنڈی پیٹنا شروع کر دیتے ہیں کہ صاحب عیدی۔ دفاتر میں چپڑاسی، مالی، گھر میں ماسی عید سے دس روز پہلے ہی سلام صاحب، سلام صاحب کی رٹ شروع کر دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ ڈھول، ڈرم اور پیپے پیٹ پیٹ کر سحری میں جگانے والے بھی، آٹا، گھی، چینی، پیسے وغیرہ ہر چیز لینے کے لیے ہر دم تیار ہوتے ہیں۔ اور تو اور عیدی کے ساتھ ساتھ زکوتہ اور فطرانہ تک کا بھی تقاضا کرتے ہیں، جو کہ انہیں

دینا بالکل بھی جائز نہیں۔ کیونکہ انمیں بہت سے نوکر تو مربعوں کے مالک ہیں اور نوکری صرف گھی، چینی اور نمک مرچ لینے کے لیے کرتے ہیں۔

عید کی نماز کے لیے بچوں کو ساتھ لیجانا بھی ایک فیشن ہے۔ ہر آدمی کے ساتھ چار چار چھ چھ بچے، ایسا لگتا ہے جیسے ابا خود نماز نہیں پڑھنے جارہے بلکہ بچوں کو نماز پڑھانے یا کسی پارک میں سیر کے لیے لیجارہے ہیں۔ للو میاں کے ہمراہ آدھے درجن بچے دیکھ کر راستے میں ہر فقیر یہی سوچ کر پیچھے بھاگتا رہا کہ یہ ضرور ڈھیر سارا فطرانہ دیں گے، بلکہ ایک بار تو پسینہ صاف کرنے کے لیے للو میاں نے رومال جیب سے نکالنے کے لیے جیب میں ھاتھ ڈالا تو درجن بھر فقیروں نے گھیر لیا اور بڑی مشکل سے جان چھڑائی۔ ان بیچاروں کو کیا پتہ کہ اس بار تو للو میاں کو تو اس بار بونس بھی نہیں ملا اور فطرانہ کی رقم کی کیلکولیشن بھی انہوں نے تمام مسلکی اختلافات سے قطع نظر جس مسلک کا فطرانہ سب سے کم تھا، اس کے حساب سے کی اور انکی بیگم نے فطرانہ کی رقم بقلم خود اپنے دائیں ھاتھ سے اپنی ایک پرانی جاننے والی کو آدھا گھنٹہ دعائیں، سر کی مالش اور سارے گھر کا فالتو کام کرا کر دی۔ عیدگاہ میں بچے جائیں اور خاموش بیٹھ جائیں ایسا نا ممکن ہے۔ بالخصوص جب امام صاحب نماز اور زائد تکبیروں کا طریقہ بتا رہے ہوتے ہیں۔ نتیجتا للو میاں بیچارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ کس تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر باندھنے ہیں اور کس پر

چھوڑنے ہیں اور پھر کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھ کر نماز پوری کرنی پڑی۔ اگر دوران نماز آپس میں بچوں کی کسی بات پر تو تکار ہو جائے تو پھر مختلف بچوں کے رونے دھونے کی آوازیں مل کر ایسا راگ ایجاد کرتی ہیں، کہ استاد بڑے غلام علی کو بھی مات۔ عید گاہ سے نکلتے ہی غباروں اور کھلونوں کی فرمائش، ایک روپے والا غبارہ پانچ میں ضرب چھ برابر چھتیس ،بڑی مشکل سے کتے بلی، گدھے سے ڈرا دھمکا کر للو میاں نے گھر واپس لا کر گنتی کرا کر تمام بچے ماں کے حوالے کیے۔

للو میاں بچوں سے نمٹ کر ابھی کمر سیدھی کرنے کو لیٹے ہی تھے کہ بیگم کی طرف سے دوپہر کے کھانے کے لوازمات کے آرڈر جاری ہوئے، جو کہ چکن بریانی، مٹن قورمہ، شامی کباب، فروٹ کسٹرڈ، سلاد اور آئس کریم وغیرہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ للو میاں نے بیگم کو یاد دلایا کہ آپ دو تین کلو دہی بھلے پہلے ہی بنا چکی ہیں، مٹھائی، فروٹ، کیک، کولڈ ڈرنک وغیرہ سے فریج بھرا پڑا ہے، صبح کا شیر خورمہ بھی وافر مقدار میں موجود ہے، تو پھر یہ سب۔۔۔۔۔۔۔ ؟ بیگم نے للو میاں کی بات بیچ میں کاٹتے ہوئے یاد کرایا کہ میری بہن دوپہر کو عید ملنے آ رہی ہیں بمعہ اہل و عیال، اسکے بعد للو میاں میں مزید کچھ سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی، کیونکہ سالی بھی آدھی گھر والی ہوتی ہے۔ اگرچہ پچھلی عید پر بیگم نے للو میاں بیچارے کی بہن کو چاند رات کا بچا کھچا سالن یہ کہ کر

کھلا دیا تھا کو آج صبح سے طبیعت ناساز ہے، کچن میں گئی ہی نہیں اور پروف کے طور پر دوپٹہ الٹا کر سر پر بھی کس کے جوڑ لیا تھا۔

للو میاں نے بیگم کا فرمائشی پروگرام بھگتا کر اجازت چاہی کہ وہ بھی ذرا دوست احباب کو مل آئیں، پہلے تو کچھ چوں چراں کی کچھ باہر سے منگانا پڑا تو کیا محلے کے بچوں کو ڈھونڈتی پھروں گی، کیونکہ اپنے بچے تو اپنے گھر کے علاوہ سب کے کام کرتے ہیں۔ بیگم نے مگر پھر اس شرط پر اجازت دی کہ جلدی آنا ہے، اور کسی ایک بچے کو ساتھ لیجائیں اور بچے کو سختی سے ھدایت کی کہ باہر سے جو بھی کچھ ملے لاکر مجھے، یعنی ماں کو دینا ہے اور یہ بھی رپورٹ کرنی ہے کہ ابا کس کو کہاں کہاں کتنی عیدی دیتے ہیں اور بچوں نے ماں کی ہدایات پر پورا پورا عمل کرتے ہوئے، باہر سے ملنے والی تمام عیدی ماں کے ہاتھ پر لاکر رکھ دی اور دوسری رپورٹ بھی لائیو سنا دی، یعنی میاں کی جیب کٹی بچوں اور ماں کی بھری۔

واپس آئے تو سالی صاحبہ بمعہ آدھا درجن بچوں کے وارد ہو چکی تھیں۔ گھر میں درجن بھر بچوں کا جلسہ ہو تو کسی بھی چیز کا اپنی جگہ پر ملنا محال ہے۔ فریج میں جھانکا تو بڑی حیرانگی ہوئی کہ بلکل صاف شفاف تھا، سوچا کہ شاید بچوں کی وجہ سے تمام اشیاء خوردو نوش ھمسایوں کے ہاں نہ رکھوا دی گئی ہوں، مگر

بڑے بیٹے نے یہ بتا کر للو میاں کی سوچ کا بت توڑ دیا کہ پاپا ہم سب کچھ کھا پی چکے ہیں، سب کچھ بہت مزیدار تھا۔ ساتھ ہی بیگم بھاگتی ہوئی آئیں کہ جلدی سے پیپسی اور سیون اپ کے دو دو لیٹر پیک اور قلفہ آئس کریم کے دو بڑے پیک لیتے آیئے کہ کھانے کا ٹائم ہو رہا ہے۔ سسرالی لوگ جب گھر میں وارد ہوں تو سوال و جواب نہیں صرف حکم کی تعمیل ہوتی ہے، جو کہ کی گئی۔ کھانے پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد عیدی کے واری وٹہ کا ٹائم آیا تو بیگم صاحبہ نے فرمائش کر کر کے ایک ایک بچے کو الگ الگ عیدی دلوائی۔

ساتھ ساتھ بچوں کے اوصاف حمیدہ بھی بیان کرتی رہیں کہ یہ بچہ اسکول میں ہمیشہ فرسٹ آتا ہے، یہ والا سپارہ میں سب سے آگے ہے، وہ والا کھیل میں سب سے آگے ہے یہ والا بہت ہی کیوٹ اور شرارتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تاہم جب للو میاں کے بچوں کی ، باری آئی تو ایک کو بھی عیدی نہ لینے دی کہ کہیں میری بہن اور بہنوئی کا خرچہ نہ ہو جا ئے اور زبردستی تمام بچوں کو گلی میں کھیلنے بھیج دیا، تاہم پھر بھی سالی صاحبہ نام کرنے کو گود والی بچی کو پچاس روپے پکڑا ہی گئیں۔

اسکے بعد جناب للو میاں کی بیگم کی سہیلیوں کا دورہ شروع ہوا، کچھ میاں کے رشتے دار اور دیگر عزیز و اقارب بھی تشریف لائے اور یہ سلسلے رات گئے تک اسی طرح جاری و ساری رہا۔ سوتے وقت بیگم صاحبہ اگلے دن کے پروگرام گنوا رہی تھیں کہ کہاں کہاں وزٹ کرنا ہے، اور میاں بیچارہ دل ہی دل میں نفع و نقصان

کے اس شراکتی کاروبار کے حساب کتاب جوڑتے نیند کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے
ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ پانی کا سمندر ہوتا۔

ہم تو اس مہنگائی کے ہاتھوں مر چلے

للو میاں نے ہفتہ واری خریداری کے لیے پہلے پہل سبزی والے کے پاس پہنچ کر آلو، پیاز، ٹماٹر، ادرک، لہسن، دھنیا، ہری مرچیں، اور دیگر سبزیات کے ریٹ معلوم کیے تو سنکر چکرا کر قریبی نالی کو چومنے ہی والے تھے کہ ایک پلر نے تھام لیا کہ چند ہی دنوں میں فی کلو پر دس دس روپے بڑھ چکے تھے۔ ریٹ کے مسئلے پر سبزی والے کی طبیعت پر للو میاں کی بحث بہت ہی ناگوار گزری اور موصوف نے ہاتھ لہرا کر ارشاد فرمایا کہ جناب ہماری سبزیوں کے ریٹ اسٹاک ایکسچینج کی طرح روزانہ کے حساب سے بڑھتے گھٹتے ہیں، لہٰذا آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں اور مزید فرمایا کہ سبزیات کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے اور ازلی دشمن کو سبزیات کی ایکسپورٹ بھی سے بھی لنک ہے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ پیاز گھر میں اسٹاک کرلیں کہ دشمن ملک میں اسکی شارٹیج کی وجہ سے اسمگل ہو کر وہاں کی عوام کو ووٹ کے بدلے پیاز دے کر آسانی اور آپ کو نوٹ کے بدلے پیاز کی بجائے پریشانی ملنے والی ہے۔

خیر جناب! سبزی والے سے فراغت کے بعد للو میاں پرچون والے کے پاس پہنچے تو دالیں، بیسن، چینی، پتی، آٹا، گھی، دودھ وغیرہ کے ریٹ بھی آٹھویں آسمان پر

تھے ، وجہ یہاں بھی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ بتایا گیا۔ اب باری تھی بڑے گوشت والے قصائی کی کہ اسکے ریٹ میں فی کلو پچاس روپے اضافہ ہو چکا تھا اور وہ کئی گاہکوں کو پٹرولیم مصنوعات کو قیمتوں میں اضافے کا سبب گردان کر مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ایک بڑے میاں تو پوچھ ہی بیٹھے کہ میاں کیا گائے بھینس بھی پٹرول اور ڈیزل سے چلتی ہے؟ ۔ چھوٹے گوشت والے کی طرف للو میاں اسلیے نہ جاسکے کہ وہ ایک عام آدمی کی پہنچ سے ویسے ہی اتنا دور ہوتا ہے جتنا کہ زمین سے چندا ماموں۔ غریب آدمی تو صرف بقر عید پر ہی اس عنقا چیز کا دیدار کر پاتا ہے، یا پھر کہیں غلطی سے کوئی عقیقے ، صدقے یا خیرات وغیرہ کا بھیج دے۔ مرغی کا گوشت جو کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ للو میاں نے مرغیوں کی بیماری کی وجہ سے بیس روپے کلو بھی خریدا تھا اسکا ریٹ تین سو روپے سنکر ، مرغی والے کو مرغی کے کپڑے اتارنے میں مصروف پاکر کان دبا کر فوراً ہی واپس پلٹ آئے۔ اب جناب باری تھی فروٹ والے کی طرف جانے کی۔ کیلا، دس روپے اضافی درجن، کینو بیس روپے کلو پر مہنگا، سب سے زیادہ مہنگا گولڈن سیب تھا جو کہ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے یا امارت جھاڑنے کو للو میاں بیچارے گھر لیجاتے تھے اور صبر شکر کرکے ایک سیب آٹھ آدمی کھاتے تھے ۔ مگر اب کی بار اسکی سونا اور چاندی سے ملتی جلتی قیمت سنکر ہی تراہ کے ساتھ ساتھ لیٹرین کی حاجت اور کچھ اور بھی نکل گیا؟ سیب لینا تو دور کی بات تھی۔ ویسے چند ماہ پہلے نمکین آلو ساٹھ روپے اور سیب

پچاس روپے کلو تھا تو للو میاں نے بیگم کو مشورہ دیا تھا کہ مہینے میں جو ایک بار گوشت پکتا ہے اسمیں آلو کی بجائے سیب ہی ڈال لو۔ مگر بیگم کا موصولہ جواب یہاں قابلِ لیکھت نہیں ہے۔ فروٹ والوں نے بھی مہنگائی کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے پٹرولیم مصنوعات کو ہی گردانا۔ آس پاس نظر دوڑائی تو یوں لگا کہ جیسے کلو چیز خریدنے والا بھی شرما شرما کر پاؤ پاؤ لے رہا ہے اور اگر مہنگائی اسی تناسب سے بڑھتی رہی تو لگتا ہے کہ لوگ تولا، ماشے اور رتی میں چیزیں خریدا کریں گے یا پھر گھر میں شو روم میں سجا کر صرف دیکھا کریں گے اور بچوں کو بھی بتایا کریں گے کہ کسی زمانے میں ہم یہ چیزیں بھی کھایا کرتے تھے۔ بہرحال! پورے بازار میں صرف خربوزہ ہی واحد، اکیلا دکیلا فروٹ نظر آیا جو کہ للو میاں کی جیب پر گراں نہیں گزر رہا تھا، لہٰذا اس ہفتہ واری فروٹ ڈے پر بچوں کو خربوزے کی ایک ایک قاش پر ٹرخانے کا سوچ کر انہوں نے ایک دانہ خرید ہی لیا۔ بازار میں تھوڑا دور چلے تو ایک مجمع سا نظر آیا، خیال آیا کہ شاید مداری والے دوبارہ وارد ہونا شروع ہوگئے ہیں، یا پھر کوئی طاقت کی دوا بیچنے والا ہوگا، مگر قریب جا کر پتہ چلا کہ ہوٹل والے نے ایک خانصاحب سے روٹی کے زیادہ پیسے چارج کر لیے تھے اور اس تنازع میں دونوں گتھم گتھا ہیں۔

ابا اور اماں کے پان چھالیہ کے لیے پان سگریٹ والے کے پاس پہنچے تو حیرانگی ہوئی کہ پچاس روپے میں چند روز پہلے جتنے پان چھالیہ آتے تھے اب آدھے آئے۔ امپورٹ ہونے کے باوجود پنواڑی صاحب نے بھی مذکورہ وجہ بتا کر جان چھڑائی۔ جنرل اسٹور پر سے شیمپو، صابن، ٹوتھ پیسٹ اور بیگم کے سرخی پاؤڈر وغیرہ کے دام پوچھے تو بتایا گیا کہ ریٹ تقریباً دس سے پندرہ فیصد بڑھ چکے ہیں لہٰذا فوراً لے لیں، ہو سکتا ہے کل نئے ریٹ آ جائیں۔ للو میاں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف بیگم کے سرخی پاؤڈر خرید لیے، کیونکہ ان چیزوں کے بنا گھر میں داخلہ بھی ممنوع ہو سکتا تھا۔

دواؤں کے لیے میڈیکل اسٹور سے صرف قیمتیں پوچھنے پر ہی گزارہ کیا کہ تمام دوائیں تیس چالیس فیصد بڑھنے سے بچوں کیا اب بڑوں کی پہنچ سے بھی اتنا دور ہو چکی ہیں جتنا کہ پاکستان سے امریکہ۔ سرکاری ہسپتال جسے کبھی حقیر فقیر سمجھا تھا، ڈاکٹروں کی بڑھتی فیسوں کی وجہ سے اب آغا خان ہسپتال لگنے لگے ہیں، لہٰذا سب کو صائب مشورہ ہے کہ وہیں جایا کریں ہر مرض کی ایک ہی سی دوا دس روپے کی پرچی پر فری ملتی ہے۔ چلتے چلتے للو میاں کو خیال آیا کہ بچوں کو وین میں ٹھونس ٹھانس کر اسکول والوں کے حوالے کرنے والا ڈرائیور درجن بھر ماہ میں دو درجن بار کرایہ بڑھا کر دوبارہ تقاضا کر رہا تھا اور اسکول

والے بھی ہر ماہ بچوں کے ہاتھ ایک پھرا بھجوا رہے ہیں کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر، نہ چاہتے ہوئے بھی اسکول کی فیسوں میں اضافہ کیا جارہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ راہ چلتے للو میاں کا ٹاکرا ایک عدد فقیر سے ہوا تو موصوف نے چھوٹتے ہی دو یا پانچ نہیں پورے پچاس روپے ایسے ڈھٹائی سے مانگے جیسے للو میاں نے اسکا ادھار دینا ہو اور ساتھ احسان بھی جتایا کہ کم نہ دینا ورنہ دعا کی بجائے بد دعا دے دونگا۔ فقیر سے نمٹ کر للو میاں بیگم کا دوپٹہ رنگوانے رنگساز کے پاس پہنچے تو بیچارہ کئی ایک خواتین سے ریٹ کے معاملے پر جھگڑنے میں مصروف تھا اور للو میاں سے بھی فی ڈوپٹہ سو کے بجائے ڈیڑھ سو روپے جھاڑ لیے۔ للو میاں بیچارے نے بحث اسلیے نہ کی کہ رنگساز کو قفیں ٹونگ کر وہ پہلے ہی خواتین سے چار چار ہاتھ کرتا دیکھ چکے تھے۔ پاس ہی کاج اور اوور لاک والے کی دکان سے بھی قیمت کے معاملے پر کئی خواتین کے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ بچوں کے اسکول کے جوتے اور کپڑے والے کی دکان پر پہنچے تو جو، جوتے چند ماہ پہلے سو روپے میں لیے تھے اب دو سو کے ہو چکے تھے اور دکاندار نے بحث کرنے پر تڑی بھی لگا دی کہ لینے ہیں تو لو ورنہ اپنا راستہ ناپو۔ یوں کپڑوں اور جوتوں کے پیسوں میں صرف جوتے ہی لے پائے۔ واپسی گھر جانے کے لیے ویگن میں سوار ہوئے تو کرایہ پھر بڑھ چکا تھا، بہت تکرار کی کہ ابھی ہم دس روپے میں آئے تھے تو اب پندرہ روپے کیوں؟، کنڈکٹر نے کرایہ لیکر چلتی ویگن سے دھکا دیکر نیچے اتار دیا۔

خیر ! جیسے تیسے للو میاں بیچارے پورے کی بجائے آدھا سامان لیکر گھر پہنچے تو کچھ سر پھٹے مہمان گھر میں فراش پائے ۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ راستے میں آتے ہوئے بس والے سے کرایہ کے معاملے پر پھڈا کر بیٹھے تھے، اسلیے اس حال کو پہنچے۔ یوں دس روزہ مہمانوں کی خاطر مدارت کے ساتھ روزانہ مرہم پٹی کا خرچہ بھی للو میاں بیچارے کو اٹھانا پڑا اور مہمان رحمت کی بجائے زحمت اور عذاب بن گئے کہ ماہانہ بجلی ، پانی، گیس، ٹیلی فون کے بلوں کے لیے رکھی گئی تمام رقم ان مہمانانِ گرامی پر خرچ ہو چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں للو میاں کے بڑے صاحبزادے موصوف ہاتھ پر پٹی بندھے وارد ہوئے تو پتہ چلا کہ سپورٹس کی دکان پر گیند بلا لینے گئے تھے کہ ریٹ بڑھنے پر ہیرو بن کر جوش میں آ گئے تھے اور یوں معاملہ اس نہج پر پہنچ چلا کہ ہاتھ کی ہڈی کی قربانی دینا پڑی اور للو میاں کو جیب کٹوانے کی قربانی دینی پڑی ۔ بیگم کی انکوائری الگ بھگتی کہ پچھلے ماہ تو اتنے پیسوں میں پورے ماہ کا راشن آیا تھا اس بار صرف پندرہ دن کا کیوں؟ باقی کے پندرہ دن کہاں سے کھائیں گے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

ساتھ ساتھ بیگم موصوفہ نے اپنے عزیز و اقارب کے ہاں ہونے والی چار عدد شادیوں کے کارڈ بھی تھما دیے کہ انہیں بھگتانے کا بھی بندوبست کریں ، سو دو سو سے کام نہیں چلیگا، کم از کم ہزار

روپے تو لازمی ہوں گے ، بچوں کے اور میرے کپڑے لتے علیحدہ ہیں ۔ للو میاں اس نیک بخت ، کم عقل کو اب کیا بتاتے کہ باہر مہنگائی سے تنگ لوگ اپنے جگر گوشوں، عزت نفس اور جسمانی اعضاء تک کو بیچنے پر مجبور ہیں اور تم روز نئے کپڑوں لتوں کی بات کرتی ہو۔ مگر یہ خواتین کہاں مانتی ہیں کہ اپنی پھنی ناک کٹنے کے ڈر سے بڑھ چڑھ کر میاؤں کا خرچہ کروا دیتی ہیں۔

تو جناب ! مہنگائی کا اور ہمارا اب جنم جنم کا ساتھ ہوگیا ہے۔ کم از کم ہمارے اس جنم میں یہ ختم نہیں ہونے والی۔ لہٰذا روز روز خون سڑانے سے بہتر ہے کہ اس سے سمجھوتہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اسلام آباد کی بھینسوں کے آگے بجائے گئے اب تلک کے تمام بین اسلیے رائیگاں گئے کہ وہاں صرف اندھی، گونگی ، لولی لنگڑی اور بہری بھینسیں بستی ہیں، ! جنہیں عوام کا کوئی خیال نہیں

میرا سے انگریزی میں انٹرویو

۷۸۶

خبر یہ ہے کہ معروف اداکارہ میرا صاحبہ نے انگریزی بولنے کا کورس کامیابی سے مکمل کر لیا ہے اور اب وہ بڑے اعتماد اور روانی سے فرفر انگریزی بولتی پائی جارہی ہیں۔انگریزی کورس کرنے سے پہلے تو ہم نے محترمہ کے منہ سے انگلش کے پھول نکلتے دیکھے تھے پر اب یہ پھول کیسے گجروں میں تبدیل ہوئے یہ پتہ کرنا پڑگا۔ پہلے تو انکا سارا زور Actually, اور you know وغیرہ پر ہوتا تھا، پر اب دیکھتے ہیں کہ انکے تلوں میں کتنا تیل پیدا ہوا ہے۔ ونس اپان اے ٹائم ٹی وی پر ایک انگریزی پروگرام آتا تھا، نام تھا اسکا شاید۔ مائنڈ یور لینگویج۔، اسمیں مختلف ممالک کے طلباء مذاق مذاق میں انگریزی سیکھتے تھے ۔ یہ محترمہ بھی کہیں ایسا ہی کوئی پروگرام یا کلاس تو اٹینڈ نہیں کر آئیں ؟پر لگتا کچھ ایسا ہی ہے۔ یقین نہ آئے تو مندرجہ ذیل انٹرویو پڑھیے۔

سوال: آپ نے اپنا کیریئر کب اسٹارٹ کیا؟

جواب: اکچولی: کیریئر میرے ابا کی سائیکل پر ہوتا تھا میں جدید بائیسکل

استعمال کرتی ہوں جسے جھک کر چلایا جاتا ہے، اس پر کیریئر نہیں ہوتا۔

سوال: آپ کی ڈیٹ آف برتھ؟

جواب: سوری! میں ٹرین میں سفر نہیں کرتی۔ سو، نو برتھ۔

سوال: آپ کی فیورٹ پکچر؟

جواب: لاسٹ ایئر میں دبئی گئی تو وہاں میں نے بہت سی پکچرز بنائیں، البم دیکھ لیں۔

سوال: آپ کی پسندیدہ ڈش کون سی ہے؟

جواب: مجھ ماربل کی ڈش میں کھانا اچھا لگتا ہے۔

سوال: آپ کی فیورٹ پرسنلٹی؟

جواب: پرسنلی میں کسی سے فری نہیں ہوتی

سوال: کیا آپ اپنا کام ریسپونسبلٹی سے کرتی ہیں؟

!جواب: میرے پاس ایک ہی بلی ہے اور اسکا نام ہے مانو

سوال: کیا کسی نے آپ کو شادی کے لیے پروپوز کیا؟

جواب: پوز تو میں روز ہی دیتی ہوں۔

سوال: اگر آپ کو کوئی ٹیز کر رہا ہو تو کیا کریں گی؟

!جواب: سوری۔ میں سمجھی نہیں

سوال: آپ کا فیوچر کا کیا پروگرام ہے؟

جواب: سوری! ٹی وی پر گرام دیکھنے کا ٹائم نہیں ملتا۔

سوال: کس اداکار کو آپ لائک کرتی ہیں؟

جواب: میں بچپن میں بہت لائق ہوا کرتی تھی، بٹ اب ذرا۔۔۔۔۔۔۔۔

سوال: کیا آپ کسی کوری میمبر کرتی ہیں؟

جواب: میں بہت سے کلب کی ممبرز ہوں۔

سوال: کونسا فوڈ آپکو زیادہ پسند ہے؟

جواب: موڈ ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

سوال: آپکا پسندیدہ سنگر کون ہے؟

جواب: سنگر کی مشین ہمارے گھر میں ہوتی تھی بٹ آجکل خراب ہے۔

سوال: کس شخصیت سے زیادہ امپریس ہیں؟

جواب: ایمپریس مارکیٹ شاید کراچی صدر میں ہے۔

سوال: کونسا سٹی زیادہ پسند ہے؟

جواب: سیٹی کوئی بھی مارے اچھی لگتی ہے پر، ہر کوئی پٹا نہیں سکتا۔

سوال: آپکے فی انسی کا نام؟

جواب: جی ہاں فینسی کپڑے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔

سوال: شوبز کے علاوہ آپکی اور کیا ہوبیز ہیں؟

جواب: سوری۔ سوال دوبارہ کریں پلیز۔

سوال: آٹو گراف بک میں کیا کمنٹس لکھتی ہیں؟

جواب: پلیز ذرا آسان اردو میں بات کریں۔

سوال: کیا آپ ڈونیشن دیتی ہیں؟

جواب: یہ ہم نے بچپن میں پڑھا تھا کہ ہندو اور مسلمان دو نیشن ہیں۔

سوال: کوئی میسج دینا چاہیں گی، اپنے چاہنے والوں کو؟

جواب: مساج گھر میں ہی ہو تو اچھا ہوتا ہے، بنکاک نہ جایا جائے۔

سوال۔ نماز پڑھتی ہیں۔

جواب: جی، میں صبح اٹھ کر عشاء کی نماز پڑھتی ہوں۔

سوال: کیا آپ کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں؟

جواب: جی بلکل۔ اسی لیے تو شادی نہیں ہوتی۔

سوال: سنا ہے کہ آپ نے کسی افیئر کے چکر میں بنگلہ دیش وزٹ کیا تھا اور کسی پائلٹ وائلٹ سے شادی کا بھی چکر تھا؟

جواب: میں نے فیر (کرایہ) کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ باقی یہ کہ شادی کے لیے بندہ سمارٹ ہو چاہے جہاز چلائے یا کھوتا ریڑھی۔

سوال: آپ اپنی والدہ کی انتخابی مہم کے سلسلے میں بہاولنگر میں الیکشن کیمپین چلاتی رہیں، کیسا لگا؟

جواب: بہاولنگر کی کمپلین مہم بہت اچھی تھی پر وہاں کے رانگڑوں نے ہمیں ہر

وادیا تھا۔

سوال: ایک دن کی حکومت مل جائے تو کیا کریں گی؟

جواب: ہر گلی میں انگریزی سکھانے کے اسکول کھلوا دونگی۔

سوال: سنا ہے کہ آپنے انڈین فلموں میں وینا ملک کی طرح بہت سے بولڈ سین پکچرائز کرائے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟۔

جواب: مجھ جیسی شریف لڑکی کو وینا ملک سے نہ ملائیں پلیز!

سوال: انڈین فلموں میں جاب کرنے کا ایکسپیرینس کیسا رہا؟

جواب: سوری! میں سمجھی نہیں۔

سوال: شکریہ کہ آپنے اپنے پریشس ٹائم کو ہمارے ساتھ سپینٹ کیا؟

جواب: کیا کھانا لگ چکا ہے۔

سوال: سنا ہے کہ آپ بہت مغرور ہے

جواب: مغرور جو کہتی ہے تو کہتی رہے دنیا۔ ہم مڑکے کسی شخص کو دیکھا نہیں کرتے

سوال: اوہو! شاعری سے بھی لگاؤ ہے آپکو؟

جواب: جی ہاں! میں نے شکسپیئر، ملٹن اور ولیم ورڈزورتھ کو انگریزی میں بہت پڑھا ہے!

سوال: کوئی وِش جو پوری نہ ہو سکی ہو؟

جواب: لوگوں کو وش کرنا اچھا لگتا ہے۔

سوال: کیا آپکی انگریزی واقعی اتنی ویک ہے جتنا کہ لوگ کہتے ہیں؟

جواب: کیا اس پورے انٹرویو میں، میں نے انگریزی کی کوئی غلطی کی؟

جی، جی، نہیں۔ بلکل نہیں۔ انٹرویو دینے کا شکریہ۔ بس دعا کریں کہ یہ چھپ جائے۔ اللہ حافظ۔

جن قابو کرنے اور کام لینے کے طریقے

ہمارے ہاں بہت سے ایسے پیر فقیر حضرات پائے جاتے ہیں جو کہ جن قبضے میں ہونے کا دعوا کرتے ہیں۔ ہمارے للو میاں کو بھی جن قابو کرنے کا شوق چرایا اور کچھ عرصہ چلا کھینچنے کے بعد ایک جن کو قابو کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے اور پھر اپنے تمام جائز اور ناجائز کام اس سے کرانے لگے۔ آیئے ان کاموں کی کچھ تفصیل جانتے ہیں۔

جن کو حاضر کرنے کا وظیفہ پڑھتے ہی جن حاضر ہوا اور بولا: کیا حکم ہے میرے آقا!

للو میاں نے جن سے پوچھا کہ جو کام کہونگا، کریگا۔

جن بولا: لیں باس۔

للو میاں نے حکم دیا کہ من و سلوی حاضر کیا جائے۔ چند لمحوں میں دنیا بھر کے انواع و اقسام کے کھانے حاضر ہوگئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر للو میاں نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جن کو حکم دیا کہ میری بیوی کی ایسے ٹھکائی کرو کہ اسے پتہ بھی نہ چلے اور ٹھکائی بھی ہو جائے: پچھلے دس سال سے اس چڑیل نے مجھے تنگ کیا ہوا ہے۔ جان بھی نہیں چھوڑتی۔ تھوڑی دیر بعد گھر بھر میں

للو میاں کی بیگم کی دھاڑ دھاڑ کی آوازیں تھیں اور للو میں کانوں میں انگلیاں ڈالے تماشا دیکھتے اور ہنستے رہے۔

للو میاں : جن بھائی ! کوئی ایسا تگڑم لڑاؤ کہ میری بجلی کبھی نہ جائے۔

! جن: حضور والا ! یہ میرے بس میں نہیں ،کچھ اور بتایئے

للو میں نے پھر آرڈر دیا کہ مہنگائی اور دہشت گردی ختم کرو۔

جن : میرے آقا اس کام کے چکر میں ہمارے بہت سے جن بھائی خود دہشت گردی کا شکار ہو کر ختم ہو چکے پر یہ دونوں ختم نہ ہوئیں ، کچھ اور بتایئے۔

للو میاں: اچھا یہ بتاؤ کہ وینا ملک اس وقت کہاں ہے، اسے حاضر کرو۔

جن: حضور اس پر تو پہلے ہی ہماری اپنی ایک پوری گینگ عاشق ہے اور یہ لفٹ ہی نہیں کراتی۔ میں تو خود اس کا عاشق ہوں۔کیا چکنی ہے یار۔ اسکے علاوہ ہے بھی بڑی منہ پھٹ ، لائیو پروگراموں میں مولویوں کے پول کھول کے رول دیتی ہے۔ کہو تو کرینہ کپور لادوں۔

للو میاں : ابے الو ! وہ اب سیف کی بیوی ہے۔ چل قطرینہ کیف کو حاضر کر؛

جن: حضور اس پر بھی بہت سے جن بھوت عاشق ہیں آجکل رنویر سنگھ سے لڑائی کے بعد بہت سخت مقابلہ ہے۔ سونم کپوریا ایشوریا کے بارے میں کیا خیال ہے؟

! للو میاں : ابے انہیں چھوڑ یار ! تو نرگس یا دیدار کو لے آ

جن: حضور والا نرگس تو اپنے آبائی وطن کینیڈا میں ہے اور دیدار صاحبہ اپنے

میاں ؟کے ساتھ حج پر جارہی ہے یقین نہ آئے تو پرانے وزیر داخلہ سے پوچھ لیں۔

للو میاں :اچھا یار ! مادھوری کو حاضر کر، کیا مسکراتی ہے یار، اور ڈانس کا تو جواب نہیں !زبردست ! جلدی لا ! مزہ آجائیگا۔

جن: حضور اسکے تو دو بچے ہیں: پھر بھی ؟ لو جی مادھوری حاضر ہو گئی۔

للو میاں : مادھوری جی ! میں آپکا بہت ہی پرانا عاشق ہوں، سنا ہے آجکل آپکا اپنے میاں سے پھڈا چل رہا ہے، کیا آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟

مادھوری: اے مسٹر، شٹ اپ۔ میں تو پہلے ہی اگنی کے پھیرے کاٹ کر دو بچے کاڑھ چکی ہوں، میرا میاں ڈاکٹر ہے، ٹیکہ لگا دیا نہ تو ساری عمر ہی سوتے رہو گے۔

للو میاں : مادھوری جی ! مجھے مایوس نہ کریں، بڑی مشکل سے آپکا دیدار نصیب ہوا ہے ! میں فرنائل کی گولی کھا کر مر جاؤنگا ورنہ مجھ سے ابھی شادی کر لو !

مادھوری: شٹ اپ۔ اور غائب۔

للو میاں مایوس ہو کر: یار جن بھائی ! ذرا شیرون سٹون ، گلوکارہ شکیرا، میڈونا، کیٹ ونسلٹ ، ایما واٹسن یا برٹنی سپیسیرز وغیرہ کے بارے میں پتہ کرو کہ کہاں ہیں؟

جن: حضور انہیں رہنے دیں ، پرانی ہو چکی ہیں۔ میں آپکے لیئے کوئی اور کنچا سی لڑکی ڈھونڈ لاؤنگا، تاکہ آپکی جان موجودہ کالی کلوٹی بیوی سے چھوٹ جائے

بس مجھے تھوڑا سا ٹائم دے دیں۔مزید بتائیں کیا حکم ہے ،

للو میاں : اچھا: یار یہ سونم کپور بھی آجکل بہت چھائی ہوئی ہے ، کیسی رہیگی۔

جن: سر جی ! تھوڑا سا انتظار کر لیں شاید ایشوریا رائے فارغ ہو جائے تو اس سے آپ کی شادی کرا دونگا۔

للو میاں : ابے یار کیا میری قسمت میں چھٹل ہی رہ گئی ہے۔ کسی کنواری کنیا کو ڈھونڈ کر لا !

جن: سر جی ! یہ سب سکرین بیوٹی کا کمال ہے ورنہ ہمارے ہاں بھی ایک سے ایک دانہ پڑا ہے۔ اپنی ٹی وی ڈراموں والی چھوکریاں بھی کسی سے کم نہیں۔

للو میاں: اچھا یارا چھوڑ انکو تو اپنے یار نواز شریف کو ذرا حاضر کر ! ذرا میں اسکے تو لتے لوں کہ یہ کیوں روز روز کند چھری سے عوام کو کاٹ رہا ہے۔

جن: سر جی ! وہ ذرا کابینہ کے اجلاس میں مصروف ہیں۔

للو میاں : یار یہ بینا وینا چھوڑ اسے بلا ابھی۔

جن: جو حکم میرے آقا ! نواز شریف حاضر ہو گئے۔

للو میاں : کیوں جی میاں صاحب ! الیکشن میں تو آپ نے بڑی بڑ ھکیں ماری تھیں اور آسمان سے تارے توڑ کر لانے کی باتیں کرتے تھے پھر یہ روز روز کی مہنگائی اور ڈرون حملوں پر آپ کچھ کیوں نہیں کرتے۔

نواز شریف: جناب ! یہ سب کچھ ہمارے بس میں نہیں۔ یہ سب پچھلی حکومتوں اور مشرف کا کیا دھرا ہے!

للو میاں: بس میں نہیں تو بس کریں اور میٹرو بس میں بیٹھ کر رائے ونڈ جائیں، اتفاق مل چلائیں۔

نواز شریف: یہ بھی میرے بس میں نہیں میٹرو بس شہباز شریف کے ہاتھ میں ہے۔

للو میاں: آپنے وعدہ کیا تھا کہ غریبوں کو مکان، قرضے، بلٹ ٹرین، غریبوں کے لیے بنک، صنعتوں کی ترقی، موٹر وے وغیرہ وغیرہ، وہ سب وعدے کیا ہوئے؟

نواز شریف: میاں ! میں نے صرف زبانی کہا تھا، کوئی اسٹامپ پیپر پے لکھ کے نہیں دیا تھا۔ کرلے جو کرنا ای ! ویسے میں نے یہ اسکیمیں اناؤنس کر دی ہیں۔

للو میاں: جناب عالی ! اناؤنس کرنے سے کام نہیں چلے گا، عمل بھی کرکے دکھائیں۔

نواز شریف: عملیات کا کام میں نہیں کرتا یہ سب پچھلی حکومت کے لوگ کرتے تھے، جن کے پیر ہر وقت انکے گلے کا ہار تھے۔

للو میاں: میاں صاحب ! اچھا مجھے وزیر بنادیں:

نواز شریف: ٹھیک ہے امریکہ سے پوچھ کر بتاؤنگا۔

للو میاں: اپوزیشن میں رہتے ہوئے آپ برادران نے فارمر صدر صاحب کو بہت برا بھلا کہا، سڑکوں پر گھسیٹنے، لوٹی دولت سوس بینکوں سے لانے اور مقدمات

کھولنے کی بھی باتیں کی تھیں، پر اب یہ باہم دست و گریبانی، باہم شیر وشکری میں کیسے تبدیل ہو گئی؟

نواز شریف: آپنے بہت لمبا سوال کر دیا ہے، میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے، اللہ حافظ۔ اور نواز شریف صاحب غائب۔

للو میاں: جن بھائی، ذرا اوبامہ کو تو حاضر کر!

جن: جو حکم میرے آقا۔ پر ذرا پہچاننے میں غلطی نہ کرنا کیونکہ میرے اور اسکے کلر میں زیادہ فرق نہیں!

للو میاں: ارے تو بلا تو سہی۔ لو جناب! اوبامہ حاضر ہو گئے۔

للو میاں: ابے او اوبامہ: تیرا میں کھولوں پجامہ۔ تو ڈرون کیوں مارتا ہے بے۔

اوبامہ: اوئے تمیز سے بات کرو ورنہ ابھی تمہارے گھر کو بھی ڈرون سے اڑا دونگا۔

للو میاں: ابے کالے تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، سنا۔ میرے ساتھ تیرے سے بڑا جن ہے، ایک منٹ میں تیری بتیسی باہر کر دیگا!

اوبامہ: ابے چھوڑ! تمہاری ساری بتیسیاں تو میں نے پہلے ہی خریدی ہوئی ہیں، تم سب پاکستانی تو ہو ہی بکاؤ مال!

للو میاں: ابے میرا بی پی ہائی نہ کر میں چپیڑ مارونگا۔ اس سے پہلے تیرے بش کو جوتا مارا تھا آج تلک وہ جگہ سہلاتا ہے۔ تیرے تو اپنے وائٹ ہاؤس پر حملے

ہوتے ہیں تو دنیا کو کیا بچائے گا؟اور تو تو ہے بھی ڈرپوک، بیوی سے ڈر کر سگریٹ چھوڑ
!دی اور پتہ نہیں کیا کیا چھوڑے گا۔ ابے لے جا یار اسے گوانتانا موبے میں بند کر آ
جن: جو حکم میرے آقا۔ پھر اوبامہ غائب۔
للو میاں: یار اب یہ اپنے مولانا فضل الرحمٰن کو تو حاضر کر۔
جن: سر جی! بہت وزنی ہیں، اٹھائے بھی نہیں اٹھتے اوپر سے انکے بیانات کا وزن
۔ویسے بھی وہ آجکل اپنے بیٹے کی الیکشن میں ہار کہ وجہ سے کہیں غائب ہیں اور انکے کچھ
تحفظات بھی ہیں، آپکو پہلے وہ دور کرنے ہونگے؛
للو میاں: یار بلا تو سہی، وہ بھی کر لیں گے۔لو جناب! مولانا صاحب حاضر ہوگئے۔
للو میاں: مولانا صاحب! ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں صرف دو ہ ہی سیاستدان تھے جو
کہ عیاری، مکاری، چالاکی، دھوکے بازی، فریب کاری اور کمینگی کی سیاست کرتے تھے۔
انمیں اسے ایک اب اس دنیا میں نہیں اور دوسرے آپ ہیں؟ کیا آپ یہ بات تسلیم
کرتے ہیں؟
مولانا: کچھ تحفظات کے ساتھ آپکی یہ بات مانی جا سکتی ہے۔
للو میاں: مولانا: ہم آپکے روزانہ دیے گئے بیانات پڑھ کر بہت حیرت کرتے ہیں کہ
آپ کس طرح پینترے بدلتے ہیں، آپنے یہ اتنی اچھی کیمنگی کی سیاست اور

بیان بازی کے گر کہاں سے سیکھے؟ اور یہ کہ آپکا پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ اپوزیشن میں ہیں یا حکومت میں ؟۔

مولانا: آپکے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ سیاست میں سب چلتا ہے۔

للو میاں: عمران خان کے بارے میں آپکا کیا خیال ہے؟

مولانا: میں انکے بارے میں پہلے کہ چکا ہوں کہ وہ یہودی ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔ وہ اپنی بیوی نہیں سنبھال سکتا، ملک کیا سنبھالیگا۔

للو میاں: خان صاحب آپکے بارے میں بہت غلط قسم کے کمینٹس دیتے ہیں، کچھ کہیں گے اس بارے میں؟

مولانا: اسکی سزا وہ بھگت چکے ہیں، میں کچھ نہیں کہونگا۔زیادہ بدتمیزی کی تو پھوکا مار کر اب چودہ فٹ کی بجائے اٹھائیس فٹ سے گرادونگا۔

للو میاں: آپکے نام کے ساتھ ڈیزل ڈیزل کا لفظ بہت آتا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

مولانا: اسکی وجہ بتادی تو سب لوگ اٹھ کر بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا اسے پردے میں ہی رہنے دیں۔

للو میاں: ضمنی الیکشن میں آپکے بیٹے کی ہارنے کی وجہ؟

مولانا: تمام سازشی طاقتوں کا اکٹھا ہونا۔اب اور سوال مت کریں، میرا چھٹے کھانے کا ٹائم ہونے والا ہے۔ بائے۔ مولانا غائب۔

للو میاں: یار جن بھائی: یہ اپنا عمران خان آجکل کدھر ہے؟ سنا ہے کہ یہ بیٹوں کی آڑ میں پھر جمائما سے جمعے کو ملنے لندن سدھارا ہوا تھا؟ بلا

تو ذرا اسکو۔

جن: جو حکم میرے آقا! خان حاضر ہو گیا۔

للو میاں: کیوں جی خان صاحب! آپنے تو الیکشن میں بہت بڑھکیں لگائیں تھیں کہ نیا پاکستان بنائیں گے، یہاں تو پرانے والے کا بھی بیڑا غرق اور ستیاناس ہونے کو ہے! کیا کہیں گے آپ؟۔

عمران خان: دیکھیں جی! ہماری صرف ایک صوبے میں حکومت ہے اگر پورے پاکستان میں ہوتی تو آپ تبدیلی دیکھتے نہ۔ ویسے بھی جب سے میری آرمی چیف اور نواز شریف سے میٹنگ ہوئی ہے، مجھے اندر کی باتیں اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی ہیں، مطلب یہ کہ گراؤنڈ ریالیٹیز۔

للو میاں: آپ خان ہو کر اپنے حریف سیاستدانوں کے بارے میں اتنے گندے گندے چھی چھی والے الفاظ بولتے ہیں، وجہ: ؟

عمران خان: اسکے بغیر جلسے میں چارم پیدا نہیں ہوتا، تھوڑی بہت بڑھکیں مارنی پڑتی ہیں۔ سوری میری فلائٹ کا ٹائم ہو گیا ہے۔ اللہ حافظ۔

للو میاں: یار جن بھائی! یہ خان بھی بھاگ گیا۔ مجھے ذرا نیاگرا فال کینیڈا کی سیر تو کراؤ، مگر ساتھ میں روسی ٹینس سٹار حسینہ ماریہ شراپو ضرور ہو۔

جن نے غصے میں آکر للو میاں کو ایک لات ماری اور یہ کہتے ہوئے غائب ہو گیا کہ:

!چلانے گھوڑے تانگے اور شوق نوابوں والے

للو میاں کی آنکھ کھلی تو وہ بستر سے نیچے اور بستر انکے اوپر اور بیگم کپڑے

دھونے والا ڈنڈا لیے سر پر کھڑی پوچھ رہی تھی کہ ۔۔۔ کہاں کی سیر کراؤں۔۔۔ اور پھر ایک زور دار ڈنڈا گھما کر جو للو میاں کے سر پر پڑا تو وہ بیچارے ایک بار پھر لمبی نیند میں چلے گئے، پر اس بار یہ نیند زخموں کی تھی!

بکرا۔عید کیسے گزرتی ہے

بقر عید کا نام سنتے ہی انسانی ذہن فورا تکہ، بوٹی، کلیجی، سری، پائے، ران اور چانپوں کی طرف چلا جاتا ہے اور لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ دراصل ہم نے سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اس فریضہ کو سرانجام دینا ہے۔آجکل ہر شہر گاؤں اور دیہات میں قربانی کے لیے جانوروں کا فیشن شو یعنی منڈی لگی ہے اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق اس شو میں جا کر جیب ہلکی کرنے کے چکر میں ہے۔سیانے لوگ تلاش جانوراں برائے قربانی سال پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں،جب وہ بلی کے بچو نگڑے کے برابر کا ایک آدھ بکرا، بکری کا بچہ لیکر یا تو گھر باندھ کر چھوٹے بچوں کو بہلانے کا کام بھی لیتے ہیں، یا پھر کسی جاننے والے کی زمینوں پر کھلے ڈھلے پلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ آخر وقت کے ڈھیر سارے خرچے سے بچا جاسکے۔لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہ بیچارہ مظلوم قربانی کا جانور آخری دنوں میں ہی خرید پاتے ہیں۔بلخصوص بڑے شہروں کے لوگ تنگی مکاں کی وجہ سے ادھر جانور لیا اور ادھر چھری دے تھلے۔تنخواہ دار سب سے مظلوم طبقہ تو آخری دم تک ادھر ادھر سے کچھ آنے کی امید پر اس خاص شے کے لیے چاند رات ہی کر دیتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز ایڈوانس ہو گئی ہے۔ اب آپ مویشی منڈی یا بکرا پیڑی جائیں، بکرا، بکری یا جو بھی جانور لینا ہو اسکی ایشوریا یا مادھوری اسٹائل، مختلف زاویوں سے بہت سی تصاویر بنا کر بیگم اور بچوں کو ایم ایم ایس کریں، پسند کرائیں، چرچے کے لیے خرچہ کریں اور جانور گھر لے آئیں۔ عیدین پر سب سے زیادہ شامت بیچارے سرکاری ملازم کی ہی تو آتی ہے کہ لگی بندھی تنخواہ اوپر سے اضافی خرچہ۔ حضرت کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بڑے جانور میں سستا سا حصہ ڈال لیا جائے، مگر بچے اور بیگم میاں بیچارے کو ان نیک ارادوں سے باز رکھتے ہوئے بکرے کی فرمائش اور رٹ برابر ایسے جاری رکھتے ہیں جیسے امریکہ ڈومور کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔ بلکہ بعض بیگمات تو اسی مریکہ کی طرح سے اپنے اپنے میاؤں کو تڑیاں بھی لگا دیتی ہیں کہ بکرا لائیں تو گھر آنا ورنہ باہر ہی کہیں ڈیرہ لگا لینا اور انجام کے لیے تیار رہنا۔ یوں بیچارہ ملازم نہ چاہتے ہوئے بھی ادھار شدھار کرکے بکرا گھر لے ہی آتا ہے۔

لو جناب! بکرا گھر آیا نہیں کہ اس کی منہ دکھائی کی رسم شروع ہو جاتی ہے۔ بچے محلے والوں کو پکڑ پکڑ بکرا دکھانے کو لا رہے ہوتے ہیں، بیگم اپنے رشتہ داروں کو فون پر اور بہ نفس نفیس بکرے کی خوبیاں بیان کر رہی ہوتی ہیں، مثلاً بکرا بہت ہی اعلیٰ نسل کا ہے، دوندا ہے، بہت ہی خوبصورت ہے، اللہ جھوٹ

نہ بلوائے تو تقریبا ایک من گوشت ضرور نکل آئے گا؟؟ (بکرا نہ ہوا گائے ہو گئی) ، مزید یہ کہ بس اس نسل کا یہ ایک ہی بکرا تھا جو ہم لے آئے، اسکے بعد اسکی نسل ہی ختم ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف بچے اپنی اپنی پلاننگ میں مصروف کہ گھاس کون لائے اور کھلائے گا، پانی کی ڈیوٹی کس کی ہو گی، کھل ، بھوسی ٹکڑے اور چنے کون کھلائے گا، وغیرہ غیرہ۔ مگر صفائی کی ڈیوٹی کی طرف کوئی نہیں جاتا کہ گند صاف کرنے کی ڈیوٹی ماں یا ماما کی لگا دیجاتی ہے یا پھر بیچاری چھوٹی بہن رگڑے میں آتی ہے۔

تو جناب! گھر میں ہو بکرا اور بچے باہر لیکیر نہ جائیں ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ للو میاں کے ساتھ گذشتہ عید سے ایک روز قبل پیش آیا، جب آخری نمبر والے بچے کو، جسکا ہاتھ بھی ابھی بکرے کی دم تلک بھی نہیں جاتا، انہیں بکرے کو سیر کرانے کا شوق چرایا۔ ماں کی آنکھوں میں دھول اور لال پیلی مرچ جھونک، بکرا کھولا اور باہر لے گئے۔ بکرا صاحب کو گلی میں کسی گھر سے مظلوم میڈم بکری کی آواز آ گئی، بکرا صاحب نے وہیں سے مولاجٹ کی طرح آواز لگائی کہ میں آ ریا واں گلابووو، اور وہ رسی چھڑا کر چھوٹے میاں کو کوڑے کی اروڑی پر گیند کی طرح اچھالتے اپنی بکری کو لیکر ایسے لاپتہ ہوئے کہ جیسے ہمارے سیاستدان الیکشن جیتنے کے بعد۔ شام کو للو میاں گھر آئے تو ماجرا سن کر پہلے تو اپنا سر پکڑ کر رہ گئے، پھر تلاش جانوراں

میں نکل کھڑے ہوئے۔ قریبی مساجد میں اعلانات کرائے، میونسپل کمیٹی کے گمشدہ جانوروں کے بھانے میں تلاش کیا، لوگوں سے ادھر ادھر پوچھتے پاچھتے پتہ چلا کہ محلے کی ایک عدد بکری بھی غائب ہے اور بکری کا مالک بکری کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ موقعہ کی مناسبت سے ایک صاحب نے تو مشورہ دیا کہ آپ بھی چیف جسٹس صاحب کہ خط لکھ دیں کہ سو موٹو ایکشن لیکر ہماری بکری اور بکرا بازیاب کرایا جائے، کیونکہ آجکل یہی ٹرینڈ چلا ہوا ہے کہ کسی کا طوطا یا بلی بھی گم ہوجائے تو فورا چیف جسٹس صاحب کو تار بھیج دی جاتی ہے جیسے انکے پاس سیاستدانوں کی طرح کرنے کو کوئی اور کام نہ ہو۔ خیر جناب ! کچھ تلاش بسیار کے بعد ایک جگہ بکرا اور بکری دونوں ہی مل گئے، مگر دونوں نے اپنے اپنے مالکوں کو دیکھ کر دوبارہ دوڑ لگا دی اور راستے میں آنے والی ہر چیز کو چنگیز خان کی طرح تہس نہس کر دیا۔ مثلا گول گپے والے کی ریڑھی الٹا دی، سبزی والے کا ٹھیلا کلٹی کر دیا، دودھ والے کی سائیکل کو ٹکر ماری بلو حجام کا بیٹا جو کہ گلی میں بنٹے کھیل رہا تھے اسکی بارو توڑ دی۔ بکرا بکری آگے اور دونوں مالک پیچھے، آخر ایک جگہ دونوں تھک ہار کر رک ہی گئے اور رحم طلب نظروں سے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کہ رہے ہوں کہ :

اک تم ہی نہیں تنہا الفت میں ہماری رسوا۔۔۔۔۔اس شہر میں آجکل تم جیسے دیوانے ہزار ہیں

اور واقعی اسوقت سب لوگ انکے دیوانے تھے کہ کل ان صاحب کو قربان جو کرنا تھا۔ باآخر درجن بھر لوگوں کی مدد سے دونوں مالکان اپنے اپنے مال کو قابو کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے اور للو میاں بکرا لیکر بڑے فاتحانہ انداز میں گھر میں داخل ہوئے کو آج تو بیگم کے آگے ٹور بن جائے گی۔ ابھی للو میاں لہک لہک کر اپنی بہادری کے قصے بیگم اور بچوں کے گوش گذار کر ہی رہے تھے کہ گول گپے والا، سبزی والا اور دودھ والا اپنا اپنا معاوضہ وصول کرنے پہنچ گئے اور ساتھ میں بلو حجام بیٹے کے بازو پر پٹی چڑھائے موجود میڈیکل الاؤنس کا تقاضا کر رہا تھا۔ان تمام حضرات کو دیکھ کر تو للو میاں کی جان ہی نکل گئی کہ اتنے کا تو بکرا انہیں جتنا معاوضہ مذکورہ صاحبان طلب کر رہے ہیں۔ پھر رات گئے محلے کے بزرگوں کی میٹنگ کال کی گئی جسمیں فیصلہ ظاہر ہے کہ اکثریت سے للو میاں کے خلاف آیا اور پھر تمام لوگوں کا نقصان پورا کرنا پڑے۔ اور یوں یہ بکرا صاحب بچھڑے کی قیمت میں جا پڑے۔ صبح صبح عیدی ویدی اور دیگر غیر ضروری اخراجات سے فراغت کے بعد، بیگم کو چھریاں، بگدے اور کھوڑی وغیرہ محلے والوں سے مستعار لینے بھیجنے کے بعد، ابھی عید کی نماز میں تھوڑا سا ٹائم باقی تھا للو میاں نے سوچا کہ قصائی کو ذرا ریمائنڈ کرا آئیں کیونکہ محلے دار ہونے کے ناطے اسنے بہت قریب کا نمبر یعنی چوتھا نمبر دیا تھا اور پانچ سو روپیہ ڈسکاؤنٹ بھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ عید کی نماز کے ٹھیک سات منٹ بعد انکے گھر ہوگا اور آپ ہر چیز تیار رکھیے گا۔ قصائی موصوف

کے گھر سے پتہ چلا کہ وہ تو صبح سات بجے والی مسجد میں نماز پڑھ کر درجن بھر جانور ڈھا بھی چکے ہیں۔ خیر جناب للو میاں بھی جلدی جلدی نماز پڑھ کر گھر پہنچے کہ قصائی صاحب آ چکے ہونگے، مگر وہ لاپتہ تھے اور فون بھی بند تھا۔ اب للو میاں کبھی بکرے کو دیکھیں اور کبھی بیگم کو کیونکہ بیگم اپنے اہل خانہ کو دوپہر کے قیام و طعام کا پہلے ہی کہہ چکی تھیں۔ للو میاں نے محلے کی چھ گلیوں میں چھپوں بچوں کو دوڑایا کہ جو بھی قصائی کو ڈھونڈھ کر لائے گا اسے سو روپیا انعام، گھنٹے بعد منجھلا والا بیٹا سر پر قصائی کی کھوڑی اٹھائے فاتحانہ انداز میں داخل ہوا اور کہا کہ لایئے سو روپیا، قصائی باہر ہے۔ لو جناب! قصائی صاحب تشریف لائے بمعہ دو ہیلپرز، آتے ہی نہ سلام نہ دعا، نہ عید مبارک، آؤ دیکھا نہ تاؤ بکرا ڈھایا چھری چلائی، بکرے نے ایک دو پلٹیاں ادھر ادھر ہمارے ایک مشہور مذہبی سیاستدان کی طرح ماریں اور ٹھنڈا ہوگیا۔ قصائی صاحب نے جلدی جلدی کھال اتارنے کا افتتاح کیا اور ہیلپروں کے حوالے کر یہ جا وہ جا۔ جاتے جاتے ہیلپروں کو تاکید کر گئے کہ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد سرور بھائی کے گھر آ جانا اگلا پروگرام وہیں ہے۔ للو میاں نے قریب ہو کر دیکھا تو بکرے کی آنکھیں کچھ کھلی کھلی سی نظر آئیں جیسے اپنی بکری سے کہہ رہی ہوں کہ:

مر کر بھی آنکھیں رہیں گے شام و سحر یونہی کھلی میری۔۔۔ کہ آنکھوں کو سونپ دیں گے سدا تیرا انتظار ہم

تاہم ہیلپر قصائی نے بعد میں کلیئر کر دیا کہ صاحب جی یہ تو یونہی کھلی رہتی ہیں۔ آدھے گھنٹے میں دونوں ہیلپروں نے بکرے کی بوٹی بوٹی الگ کر دی اور خرچہ پانی لیکر فرار، اگلے معرکے کے لیے۔ اب جناب گوشت کی تقسیم کا مرحلہ۔ سب سے پہلے تو بیگم نے آواز لگائی کہ کھال اور سری پائے وغیرہ کسی مدرسے ودرسے یا کسی بھی تنظیم کو نہیں دینی ہے، یہ چیزیں میں نے فلاں بابے کو دینی ہے جسنے پہلے پہلے منے کی دفعہ میں تعویذ دیا تھا اور پائے اس والی اماں کو دینے ہیں جو میرے سر سے جویں نکالتی ہیں اور اوجھڑی فلاں بابے کو دینی ہے جسنے سب سے چھوٹے منے کی دفعہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ہاں جس ماسی نے چھوٹے منے کا چھلا بھگتوایا تھا اسکا حصہ ضرور رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ کِلو کِلو کے درجن بھر شاپر لیکر وہیں بیٹھ گئیں اور اماں کے، بھائی کے، بہن کے، ابا کے گوشت کے شاپر پہلے ہی الگ الگ کرا لیے گول بوٹی والے۔ خاص طور سے ابا کے لیے ران کا گوشت بغیر ہڈی کے الگ کرا لیا کہ ابا کی بتیسی میں کہیں ہڈی نہ پھنس جائے۔ فقرا اور مساکین کا حصہ بھی یہ کہ کر الگ کرا لیا کہ میری چھوٹی بہن کا تو کوئی کمانے والا ہی نہیں تو اس سے زیادہ حقدار کون؟۔ للو میاں نے یاد کرایا کہ بیگم جن اشخاص کے شاپر آپنے الگ الگ رکھوائے ہیں انہیں تو آپنے دعوت پر بھی بلایا ہے، تو کیا وہ پکا بھی کھائیں گے اور کچا بھی؟ بیگم نے گھور کر دیکھا اور کہا کہ توبہ ہے سال میں ایک ہی بار تو ایسا ہوتا ہے، میں کونسا روز روز گوشت بھجواتی اور کھلاتی ہوں۔

یوں جناب ! بیگم صاحبہ نے اپنے گوشت کے شاپر پورے کرانے کے بعد سب سے پہلے گردے کلیجی وغیرہ بھون کر بڑے فخریہ انداز میں سب کو چکھوائے اور پھر ٹائم کی شارٹیج کو مد نظر رکھتے ہوئے آدھا گوشت، آدھے بال لگے، آدھے اترے یونہی بغیر دھلا پکنے کے لیے چڑھا دیا گیا۔ کیونکہ درجن بھر مہمان بڑی بیتابی سے قربانی کے گوشت پر ہاتھ صاف کرنے اور بتیسی والے حضرات اپنی اپنی بتیسیاں بھی رگڑوا اور صاف کرا چکے تھے۔ پھر جناب کھانا تیار ہونے پر سب نے اسکے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور تمام مہمان ہاضمے کے لیے آدھا درجن سپرائٹ اور ڈیوکے دو لیٹر پیک بھی ساتھ چڑھا گئے۔ بقر عید ہو اور بچوں اور بڑوں کے پیٹ خراب نہ ہوں انہونی سی بات ہے، کئی صاحبان تو کھانے کے دوران بھی کئی بار باتھ روم کی حاضریاں لگانے گئے، مگر کھانے سے ہاتھ انہوں نے پھر بھی نہ اٹھایا اور اسی رفتار اور ذوق اور شوق سے باتھ روم آتے جاتے اور کھانا تناول فرماتے رہے۔

شام کو تمام گھر والے سالے صاحب کے ہاں انوائیٹڈ تھے، بیگم نے رقعہ بھجوایا کہ بھائی کے گھر جانا ہے پانچ کلو مٹھائی اسپیشل کا ٹوکرا لیتے آیئے اور ٹیکسی کار کا بھی بندوبست کر کی منی بس پر نہیں جایئں گے۔ للو میاں نے کہا کہ W-11 لیں ہم چنگ چی رکشہ یا ،بیگم ہم کھانا کھانے جارہے ہیں

نہ کہ بڑے منے کی سگائی کرنے، تو پانچ کلو مٹھائی اور ٹیکسی کا کیا کام، بیگم نے بینگن کی طرح برا سا منہ بنا کر جواب دیا کہ درجن بھر بچے ہیں خیر سے میرے بھائی کے، کم از کم چار چار دانے تو حصے میں آئیں، ایک کلو میں کیا بنے گا اور یہ کہ ٹیکسی کی اپنی ٹور ہوتی ہے۔

چار خواتین اگر کہیں اکٹھی بیٹھ جائیں تو پھر آپ کم از کم دو چار گھنٹے کے لیے انہیں بھول جائیں۔ یہی کچھ سالے صاحب کے گھر ہوا کہ کھانے سے فراغت کے بعد مذکورہ خواتین کہیں کپڑوں اور نئے ڈیزائنوں کا اور ایک دوسرے کی برائی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھیں اور آدھی رات کردی۔ بقول ایک سروے کے کہ عورت کوئی بھی راز صرف تئیس گھنٹے اور سینتالیس منٹ تک چھپا سکتی ہے اسکے بعد وہ راز راز نہیں رہتا۔ یہی کچھ شاید یہاں ہوا کہ ایک دوسرے کے میاؤں کے پول کھلنے شروع ہوئے اور ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا۔ میاں نے بچوں کے ہاتھ بہت سے پیغام بھجوائے، ایس ایم ایس بھی بھیجے مگر ہر بار یہی جواب آتا کہ بس ابھی آئی۔ ادھر للو میاں کو یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ آدھے بچے سو چکے تھے جنھیں تیسری منزل سے نیچے گود میں یا کمر پر لاد کر اتارنا اور پھر اپنے گھر کی پانچویں منزل پر چڑھانا بھی تھا۔ اللہ اللہ کرکے بیگمات کی یہ محفل برخاست ہوئی اور سالے صاحب سے اجازت چاہی۔ سالے صاحب نے اوپری دل سے پوچھا ضرور کہ بچوں کو نیچے تک پہنچوا آؤں، مگر بیگم نے فوراً منع کردیا کہ نہیں بھیا

آپ کہاں اتنی تکلیف کریں گے یہ خود ہی اٹھالیں گے۔ لہٰذا پھر خود ہی للو میاں کو یہ کارہائے نمایاں سرانجام دینا پڑا۔ رات کے تین بجے دن بھر کا تھکا ہارا، پریشان حال، میاں بیچارہ لٹا پٹا بستر پر لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور بے اختیار اسکے لبوں پر یہ شعر مچلنے لگا:

دکھ جھیلیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں ۔۔۔ میاں کی جیب کرکے خالی، مزے بیوی بچے اڑائیں

ایک دن وینا ملک کے ساتھ

ایک دن وینا ملک کے ساتھ

وینا ملک سے انٹرویو لینے یا دن گزارنے کے لیے ٹائم لینا امریکہ کا گرین کارڈ لینے کے برابر ہے۔ بہرحال ! کسی نہ کسی طرح ہم وینا ملک صاحبہ سے ٹائم لینے میں کامیاب ہو ہی گئے اور ممبئی کے پوش علاقے باندرا پہنچے تو پتہ چلا کہ موصوفہ یہاں سے جوہو شفٹ ہو چکی ہیں۔ پوچھتے پاچھتے جوہو پہنچے تو میڈم وہاں بھی نہ ملیں۔پتہ چلاے کہ موصوفہ اندھیری کے علاقے میں اندھیر ہو گئی ہیں۔وہاں پہنچے تو ایک صاحب نے بتایا کہ محترمہ لوگوں کے ڈر سے چھپ کر ممبئی کے کنجسٹڈ ایریا بھنڈی بازار کے پچھلی طرف جھوپڑ پٹی کے آس پاس کے علاقے میں شفٹ ہو گئی ہیں۔ خیر جناب ! ہم ان کا گھر ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ (حیران نہ ہوں ، موصوفہ آجکل طالبان کے ڈر سے انڈیا میں ہی رہائش پذیر ہیں) ۔ انکے گھر پہنچے تو چار ہٹے کٹے، مشٹنڈے سیکورٹی گارڈوں نے ہمارا استقبال مکوں اور تھپڑوں سے کیا۔درگت بنوانے کے بعد جب ہم نے انہیں دوبارہ ریکوسٹ کی کہ ہم میڈیا والے ہیں اور ٹائم لیکر آئے ہیں تو تب جا کر بمشکل گھر کے اندر جا کر موصوفہ کے دیدار کی اجازت ملی۔ گیٹ سے اندر داخل

ہوتے ہی دو خونخوار قسم کے جنگجو رشین اور امریکن کتوں نے ہمارا استقبال کیا۔ تاہم کسی کے ابرو کے اشارے پر وہ ہمیں بغیر کاٹے ہی واپس مڑ گئے۔

ہم جب گھر کے اندر پہنچے تو موصوفہ مختصر سے کپڑے پہنے آلتی پالتی مارے بیٹھی سانس اندر باہر کرنے کی مشق کر رہی تھیں، ہمیں ایسا لگا کہ جیسے انہیں دمہ ہو گیا ہو! ہم نے بہت کوشش کی کہ انکے جسم پر کپڑے نام کی کوئی چیز تلاش کر سکیں، پر انکے سوا پانچ فٹ کے جسم پر بمشکل ایک فٹ جگہ ہی کپڑوں سے بھری نظر آئی، باقی شاید دھوپ یا ہوا لگوانے کو کھلی تھی کہ کہیں الی نہ لگ جائے۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے سلام کی بجائے پرنام، نمسکار کیا اور پیار کی بجائے آشیر باد کے لیے سر جھکایا اور ہم نے ڈرتے ڈرتے بڑے ہونے کے ناطے، منہ پرے کر کے انکے سر پر ہاتھ پھیر دیا۔ ہمارے کیمرا مین نے جلدی جلدی کیمرا سیدھا کیا ہی تھا کہ موصوفہ نے منع کر دیا کہ پہلے مجھے بال ٹھیک کرنے دیں اور دوسرے کپڑے وٹھانے دیں، مووی بعد میں بنانا۔ لیں جناب بال ٹھیک کرتے اور پورے کپڑے پہنتے انہوں نے گھنٹہ لگا دیا اور پھر کاروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ ہم نے پوچھا کہ یہ آپ آلتی پالتی مارے کیا بھیک مانگنے کی پریکٹس کر رہی تھیں یا کچھ اور؟۔ موصوفہ نے بتایا کہ وہ روز صبح اٹھ کر پہلے یوگا کرتی ہیں جو کہ انہیں سلم اور اسمارٹ رکھتا ہے اور مزید فرمایا کہ دیدی ریکھا اور دیدی شلپا سیٹھی بھی ایسا ہی کرتی ہیں تو میں بھی

ایسا ہی کرتی ہوں سمارٹ رہنے کے لیے ! ۔

اسکے بعد ہم نے انسے سوال کیا کہ : آپکے مختصر کپڑے پہننے کی کیا وجہ ہے؟ کیا ایسے کپڑے پہنتے آپکو شرم نہیں آتی ؟ کیا کپڑے آپکو کاٹنے کو دوڑتے ہیں، یا آپ زیادہ لمبے کپڑے افورڈ نہیں کر سکتیں، یا آپکو گرمی زیادہ لگتی ہے، یا یہ سب ڈولے دکھانے کے لیے ہے، یا سب کچھ مردوں کو گھائل کرنے کا سامان ہے، یا پیسے کمانے کو سانگ رچاتی ہیں؟۔ ہمارے ان تمام کڑوے کسیلے سوالوں کا انہوں نے ایک ہی جواب دیا کہ : آپکو اچھا نہیں لگتا تو منہ پرے کر لیں۔ پھر ہم نے انسے پوچھا کہ : کیونکہ کپڑے آپکو کاٹتے ہیں اور آپکا جسم زیادہ اوپن رہتا ہے تو یہ میلا بھی زیادہ ہوتا ہوگا تو آپ یہ تمام میل کپڑے دھونے والے گائے مارکہ سوپ سے اتارتی ہیں یا سرف ایکسل استعمال کرتی ہیں اور یہ کہ آپ کو نہانے میں کتنا ٹائم لگ جاتا ہوگا۔ وینا ملک نے جواب دیا کہ : ایسے پرسنل سوالات اس پروگرام میں شامل نہ کریں تو بہتر ہے۔ ہم نے اگلا سوال میک اپ کے بارے میں کیا تو وہ بولیں کہ : میں تو بغیر میک اپ کے بھی اتنی حسین و جمیل نظر آتی ہوں تو مجھے بھلا میک اپ شیک اپ کی کیا ضرورت ؟ ویسے بھی میں کوئی گڑوی والی تو ہوں نہیں؟ ناشتے کی میز پر ہم نے سوال کیا کہ آپ انڈیا میں آکر کیا سبزی خور تو نہیں

ہو گئیں؟ پر انہوں نے ناشتے کے لوازمات سے بھری ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ارشاد فرمایا کہ نہیں اور اورنج جوس کا گلاس منہ سے لگاتے بولیں کہ میں اسمارٹ رہنے کو زیادہ تر سبزیاں اور جوس ہی استعمال کرتی ہوں۔ ہم نے انہیں یاد کرایا کہ پھجے کے پائے، گوالمنڈی کی لسی، برنس روڈ کی حلوا پوری، نہاری وغیرہ کو مس تو کرتی ہونگی؟ تو موصوفہ بولیں کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ یہ سب کھاؤں پر مارکیٹ میں آجکل سمارٹنیس کا اتنا مقابلہ ہے کہ میں ان چیزوں کو چھو بھی نہیں سکتی! پھر ہم انے انسے ایک اہم سوال پوچھا کہ: وینا جی! یہ بتائیں کہ آپ کا ستر (جسم) پاکستانی فلموں میں چھپا اور انڈین فلموں میں ستر (جسم) کھلا ہوتا ہے تو کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟ تو وینا جی بولیں کہ بلکل ہے۔ اسلیے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے وہاں کپڑے اتاروں گی تو ساتھ کھال بھی اتار دی جائیگی، جب کہ انڈیا ایک سیکولر ملک ہے جو چاہے کرو، کوئی کچھ نہیں کہتا!۔

ہمارا اگلا سوال انسے یہ تھا کہ: آپ انڈیا آکر اتنی بولڈ کیوں ہو گئیں ہیں؟۔ تو وہ بولیں کہ آجکل ہر فیلڈ میں کمپیٹیشن ہے، لہٰذا ہمیں تھوڑا بہت ایسا؟ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی کسی کو کیا اعتراض کہ ہم تو اپنے ملک کے لیے ذرِ مبادلہ کما رہے ہیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں اور لڑکیاں پاکستان سے باہر جاکر جو کچھ کرتی ہیں اگر میں انکے پول کھول دوں تو سب ناراض ہو جائیں گی۔

اسکے علاوہ طائفوں کے چکر میں طوائفیں وغیرہ، آجکل کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ ہم نے پھر پوچھا کہ آپ مولویوں کے اتنے خلاف کیوں ہیں، کہیں ماضی کی کوئی غلط بات آپکو ٹیز تو نہیں کرتی؟ تو موصوفہ نے جھلا کر مولوی شٹ اپ کہا اور خاموش ہو گئیں اور مزید فرمایا کہ اصل میں انکے قول و فعل میں کھلا تضاد ہوتا ہے اس لیے مجھے یہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔جب ہم نے انہیں یاد دلایا کہ یہ مولوی حضرات ہی تو ہیں جو پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دیتے ہیں، اچھی باتیں بتاتے اور نماز قرآن سکھاتے ہیں، مردے نہلاتے ہیں، جنازے پڑھاتے ہیں، نکاح پڑھاتے ہیں، پھر انسے آپ اتنا طیش کیوں کھاتی ہیں، کہیں کسی مولوی نے آپکو بچپن میں چھیڑ تو نہیں دیا تھا؟۔ اسکا جواب موصوفہ گول کر گئیں اور شوٹنگ پر جانے کی تیاری کرنے لگیں۔

شوٹنگ پر جاتے ہم نے کچھ مزید سوالات کیے مثلا: جب انسے پوچھا کہ بگ باس رئیلٹی شو جیسے ٹی وی پروگرام میں ایک غیر مرد کے ساتھ ایک گھر میں اکیلے اتنا عرصہ گزارنا کیسا لگا؟ تو موصوفہ کچھ شرمائیں اور بولیں کہ اس وقت کے بارے میں یاد نہ کرائیں تو بہتر ہے۔ وہ بہت اچھا مائم تھا۔ ہم نے پھر پوچھا کہ اچھا یہ بتائیں کہ شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو وینا نے جواب دیا کہ ابھی میں ٹین ایج ہوں، جوان ہونگی تو اس بارے میں سوچوں گی۔ ہم نے پھر پوچھا کہ یہ لش پش حسین گاڑی آپکو کس نے دی ہے تو موصوفہ نے فٹ جواب دیا کہ

سسرال سے ملی ہے۔ (کھلا تضاد) ہم نے پھر پوچھا: کہ اتنی اچھی ماڈلنگ کیسے کر لیتی ہیں آپ؟ کیا آپ نے کوئی کورس وغیرہ کیا ہوا ہے؟ تو وینا نے جواب دیا کہ ہر بندہ ماڈل بن سکتا ہے بس کو لہے مٹکانے آتے ہوں۔

ہم وینا جی کے ساتھ فلم کی شوٹنگ سائٹ پر پہنچے تو وہاں پر کسی گانے کی ریہرسل جاری تھی۔ ڈائریکٹر نے وینا کو اسکے سین کے بارے میں سمجھایا اور وہ ہم سے اجازت لیکر وہاں مصروف ہو گئیں۔ سیٹ پر اچھی خاصی گہما گہمی تھی۔ کوریو گرافر وینا کو ڈانس کے سٹیپ سمجھانے میں مگن، سیٹ ڈیزائنز اپنے کام میں مصروف اور ہم اپنے کام میں مصروف تھے۔ سین اوکے کراتے ہی وینا جی ہماری طرف آئیں اور اپنی نئی فلم کے بارے میں بتانے لگیں۔ اتنے میں کھانے کا اعلان ہوا تو کھانا آگیا اور کھانے کے بعد ہم وینا جی سے ساتھ انکے دوسرے پراجیکٹ یعنی ماڈلنگ کے لیے ایک اسٹوڈیو پہنچے۔ وینا جی تیار ہو کر جب فوٹو گرافر کو پوز دینے آئیں تو ہمارے تو آنکھیں حیرت سے اخروٹ جتنی پھیل چکی تھیں۔۔۔۔۔ ہمارے کیمرا مین نے جلدی سے کیمرا نکال کر وینا جی کی فوٹو لینا چاہی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا کہ یہ ایک پوز ہی دس لاکھ کا ہے آپ نہیں لے سکتے۔ یوں ہمارا کیمرا مین اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ اسی دوران وینا جی

نے کوئی مختلف قسم کے دو درجن لباس بدل کر مختلف پوز بنوائے اور ہم حیرت سے آنکھیں مٹکائے کبھی انہیں دیکھتے اور کبھی انکی بولڈ نیس پر فدا ہوتے رہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ ان چیتھڑے نما کپڑوں میں ہمارا بھی ایک عدد فوٹو موصوفہ کے ساتھ ہو جاوے، پر یہ ہماری خام خیالی ہی رہی اور وہ اتنے پیار سے ہمیں منع کرتی رہیں کہ ہم منع نہ ہونے کے باوجود بھی منع ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہاں البتہ فوٹو سیشن سے فراغت کے بعد ہمیں تبرک کے طور پر شوٹ کے دوران پہنے گئے کپڑے تحفے کے طور پر لے جانے کی اجازت دے دی گئی تاکہ ہم اپنے ہم وطنوں کو انکی کفایت شعاری دکھا سکیں۔ تاہم وہ کپڑے اتنے مختصر تھے کہ انمیں چھوٹے منے کے جانگیے بھی بمشکل بن پاتے لہٰذا ہم نے یہ بار اٹھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسکے بعد ہم وینا جی کے ساتھ ایک فیشن شو میں شرکت کرنے پہنچے تو وہاں پر پیاری پیاری کنیائیں دیکھ کر ایک بار تو ہمارا اپنا بھی دل اور ایمان ڈول سا گیا کہ کاش ان میں سے کوئی۔۔۔۔۔۔ پر ایسا ممکن نہ تھا۔ سب سے پہلے وینا جی میک اپ روم میں گئیں پھر ڈریسنگ روم میں اور پھر جب تیار ہو کر نکلیں تو ہم اپنی دونوں انگلیاں دانتوں کے درمیان کاٹ چکے تھے۔ خود پر قابو پا کر وینا جی سے کچھ پوچھنا اور انہیں چھونا چاہا تو انہوں نے ہمیں پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔ وینا جی ریمپ پر آئیں تو سیٹیوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد ہم نے وینا جی سے پھر کچھ سوال کرنا چاہا پر وہ پھر ناٹ گئیں۔ پھر آخر کار ہم نے اپنی توجہ دوسری چھوکریوں کی طرف مبذول کر لی تاکہ ٹائم پاس ہو سکے ۔ وہاں سب کے اتنے بڑے بڑے چاہنے والے بنیے موجود تھے کہ بس سوچ تھی ہماری ! پھر بھی ہم نے آخری سوال داغ ہی دیا کہ : وینا جی ! اخباری بیان بازی کے مطابق شیخ رشید صاحب آپ سے نفرت اور آپ انسے محبت کا اظہار کر رہی ہیں اور یہ کہ انہوں نے آپکو کافی کی بھی دعوت دی تھی اور یہ کہ وہ آپکو ملک دشمن سمجھتے ہیں۔ اسکے بارے میں کچھ کہیں گی آپ؟ وینا جی بولیں : دیکھیں جی بات یہ ہے کہ میرے اور شیخ صاحب کے درمیان۔۔۔۔۔۔۔۔ چھوڑیں رہنے دیں۔۔۔۔ اگلا سوال کریں۔ شیخ صاحب کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔ دیکھنے میں تو وہ میرے والد کی طرح ہی ہیں نہ۔ ہم نے پوچھا کہ والد پر یاد آیا کہ آپکے والد نے تو علی الاعلان ٹی وی پر آ کر آپ کو عاق کیا ہوا ہے تو آپ دونوں کی سوچ میں یہ کھلا تضاد نہیں؟ وینا بولیں کی جی : کچھ بھی ہو وہ میرے والد ہیں، پاکستان جاؤں گی تے میں انہاں نوں منا لاں گی۔ ہم نے پھر پوچھا کہ انڈیا میں تو عدنان سمیع خان کو ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا ہے، پاکستانی ہونے کے ناطے اگر آپ کو ایسا ہی کچھ کرنا پڑا تو آپ پھر کہاں جانا پسند کریں گی؟ وینا جی بولیں کہ میرے بال ٹھاکرے اور نریندر مودی سے اچھے تعلقات؟ ہیں ، لہٰذا مجھے اس طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ ہم نے پھر انہیں یاد دلایا کہ یہاں تو بڑے بڑے اداکار حوالات کے اندر ہیں اور سفارش بھی نہیں

چلتی، تو۔۔ وینا نے جھلا کر جواب دیا کہ میرے ساتھ ایسے کچھ نہیں ہوگا، نہیں ہوگا، نہیں ہوگا۔اسکے بعد ہم نے سوال کا پیٹرن تبدیل کرکے انسے پوچھا کہ آپ چونکہ انڈیا میں رہتی ہیں تو کیا آپ کٹروا چود کا ورت رکھتی ہیں؟ وینا نے خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھا اور گویا ہوئیں کو یہ سب کچھ شادی شدہ ہندہ عورتیں کرتی ہیں۔ جیسا کہ ایشوریا نے ورت رکھا اور سکائپ کے ذریعے اپنے شوہر ابھیشیک بچن کو دیکھ کر ورت توڑا۔ میں تو ویسے بھی مسلمان ہوں۔ ہمیں اپنے غلط سوال کا احساس ہوچکا تھا لہٰذا ہم خاموش ہو گئے۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم وینا جی کے ساتھ انکے ایک دوست (میل) سے ملنے انکے گھر پہنچے تو وینا جی انسے ایسے گلے ملیں جیسے کہ برسوں کے بچھڑے ابھی ملے ہوں اور اسکے علاوہ کچھ سینسر زدہ سین۔ یہاں پر چائے وغیرہ اور کچھ لوازمات کے بعد ہم وینا جی کی گاڑی میں ایک بڑے ہوٹل پہنچے کہ رات کا کھانا وہیں تھا۔ وینا جی کے جگری دوست انکے ساتھ تھے۔ وہاں پر کئی قسم کے کھانوں کے آرڈر دیکر اور کھا پی کر وینا جی نے ہمیں بائے کہا اور اپنے دوست کے ساتھ بانہوں میں بانہیں ڈال کر جھومتی جھامتی یہ جا وہ جا! ہم بھی روانہ ہونے ہی والے تھے کہ ویٹر نے ہمیں بیس ہزار روپے کا بل تھما دیا جسے دیکھ کر ہمارے چھکے کی بجائے اٹھے چھوٹ گئے۔ بڑی مشکل سے وہاں سے جان چھڑا کر اپنے ہوٹل پہنچے تو پتہ چلا کہ انڈین پولیس ہماری انتظار میں ہے اور پھر ہمیں سرکاری

مہمان بنالیا گیا۔ اسکے بعد کیا ہو؟ وہ سب لکھ دیا تو دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات
خراب ہوجائیں گے۔۔۔۔ لہٰذا۔۔ خاموشی عین عبادت ہے۔ اللہ حافظ۔

نوکری حاصل کرنے کے طریقے

پاکستان میں پڑھ لکھ کر یا بغیر پڑھے لکھے دونوں طرح سے نوکری ملنا بہت مشکل پر چھوکری ملنا شاید بہت آسان ہے۔ نوکری کے لیے سینکڑوں جگہ ٹیسٹ، انٹرویو کے دھکے کھا کر کہیں جا کر ایک جگہ قسمت کھلتی ہے۔ چھوکری کا کیا کہ کہیں بھی لائن ماری یا موبائل پر نمبر ملایا اور چھوکری پٹالی۔ اسی بیروزگاری کی وجہ سے آج کا نوجوان بے راہ روی کا شکار ہے۔ نوکری حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں، آئیں دیکھیں!

ہمارے للو میاں کے کارناموں سے تو آپ سب لوگ بخوبی واقف ہیں۔ بیچارے ابھی دسویں جماعت کے پرچے دیکر ہٹے ہی تھے کہ موصوف کے واالدِ محترم نے مولاجٹ کی طرح بڑھک ماری کہ پت میں تینوں اگے نئیں پڑھا سکدا اور للو میاں کے بار بار منت کرنے پر ایسے انکار کر دیا جیسے امریکہ ڈرون نہ مارنے سے انکار کر رہا ہے۔ اس طرح وہ بھی تلاشِ نوکری میں اسطرح سرگرداں ہوگئے جیسے سرکار تلاشِ طالبان لیڈران رہتی ہے۔ پہلے پہل تو ایک جاننے والے کے توسط سے لیکویڈ فوٹو اسٹیٹ کی سستی سی رعایتی قیمت پر ایک بوری بھر کر اپنے سی وی کی کاپیاں بنا کر گھر میں سٹاک کیں اور پھر جمعے کے دن مسجد کے باہر تمام نمازیوں کو بانٹنا شروع کر دیں ایسے جیسے، شادی کارڈ یا،، چرم ہائے

قربانی ہمیں دیں ،،کے اشتہار، کہ جناب مجھے نوکری لگوا کر ثواب دارین حاصل کریں۔
پھر ان کے ابا نے گلی محلے، رشتے دار، عزیز و اقارب اور پاکستان بھر اور غیر ممالک میں تمام جاننے والوں کے ہاں منے کے ختنہ کے لڈو کی طرح سی وی کی کاپیاں بھجوا دیں کہ منا پڑھ لکھ کر جوان ہو گیا ہے اسکے لیے کوئی ریشماں کی بجائے نوکری تلشوایئے۔
مزید یہ کہ للو میاں کے ابا اپنے تمام جاننے والے دوستوں کے ہاں ہر محفل میں اپنے اکلوتے بیٹے کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے وارے نیارے دوہرے ہوئے جاتے کہ میرا بیٹا بڑا لائق فائق ہے، سائنس کے مضامین میں اول نمبر، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، سائنس اور میتھ کے سوالات حل کرنا تو اسکے بائیں پاؤں کا کھیل ہے۔ حالانکہ للو میاں کو الجبرا کے سوالات حل کرنے کے لیے بھی ہمیشہ عقل کی بجائے نقل کی ضرورت رہی اور بغیر کیلکولیٹر تو وہ کبھی ضرب تقسیم کے سوال کر پائے اور نہ ہی اپنی یا اپنے ابا کی عمر مبارک بتا پائے۔ پر للو میاں کے ابا نے ایک کان اور آنکھ بند کرکے اپنے بیٹے کو اتنا قابل اور پڑھا کو شو کیا کہ جیسے فرسٹ پوزیشن لیکر خادم اعلیٰ پنجاب سے لیپ ٹاپ اور انعام وصول کرکے باہر لے ملک کے دورے پر جا رہے ہوں !
خیر جناب ! للو میاں کے ابا یا للو میاں جہاں کہیں بھی نوکری کے لیے جاتے تو پہلے زیادہ تر ایک ہی جواب ملتا کہ آپ نے دیر کردی مہربان آتے آتے، یا

یہ کہ ترکھان کا لمڈا باری لے گیا، اب تو ہم نے بندہ رکھ لیا ہے، آپ پھر تشریف لائیے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر کسی جاننے والے کے توسط سے پھر کہیں اور پہنچتے تو پتہ چلتا کہ وہ نوکری بھی ہاتھ سے ایسے گئی جیسے ریما پاکستان سے گئی۔ ایک روز اخبار میں ایک اشتہار دیکھ کر للو میاں نے فون کیا تو دوسری طرف کوئی بہت ہی پیاری اور سریلی سی نسوانی آواز منتظر تھی انہیں لگا کہ شاید غلطی سے اداکارہ میرا کا نمبر نہ مل گیا ہو۔ پر کچھ ہی دیر میں انکی غلط فہمی دور ہوئی کی موصوفہ نے سلام دعا کے بعد فرمایا کہ ہزار کا منی آرڈر بھجوادیں آپکی درخواست پھر پروسیس ہوگی۔ للو میاں نے ہزار روپے بھجوا کر دوبارہ فون کیا تو نہ نوکری تھی اور نہ چھوکری۔ سب کچھ چھومنتر ہو چکا تھا۔ للو میاں کو اخبار کی ایک خبر یاد آئی کہ مشہور گلوکارہ میڈونا نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیا ہے تاکہ سیدھے راستے پر چل سکے پر یہاں تو قرآن پڑھے لکھے الٹے راستے پر چل رہے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟ بہرحال ! اب للو میاں اور اسکے ابا کا کام صرف یہ تھا کہ سارا دن کسی نائی کی دکان یا چائے والے ہوٹل پر اخبارات میں نوکریاں تلاش کرتے اور درخواستیں بھیج کر ایسے سو رہتے جیسے بیٹے نے میٹرک نہیں بلکہ پی ایچ ڈی پاس کی ہوئی ہو۔ ایکبار ایک اور جگہ سے نوکری کے لیے بلایا گیا اور ساتھ میں میٹرک کا رزلٹ بھی آگیا جسمیں کہ للو میاں حسبِ توقع دو پرچوں میں فیل نکلے۔ اس طرح سہیلی آنے پر دونوں ابا بیٹا پہلے تو کچھ مایوس سے ہوئے پر پھر ہمت مرداں، مدد خدا

کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے دوبارہ نوکری کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔ للو میاں انٹرویو والے روز گھر کے سب سے اچھے کپڑے پہن کر حلیہ ٹھیک ٹھاک کر کے مطلوبہ جگہ پر پہنچے تو امیدواروں کا ایک جم غفیر تھا، شام تک جب انٹرویو کی باری آئی تو حال سے بے حال تھے، اردلی نے انٹرویو کے کمرے میں جانے سے پہلے ہی حلیہ دیکھ کر بھیک مانگنے والا سمجھ کر بھگا دیا۔ للو میاں نے شکر ادا کیا کہ چلو جلد گھر پہنچ کر کچھ کھانے کو تو ملیگا۔ پر یوں نامراد گھر پہنچتے ہی اسکے ابا اور اماں ایسے گلے پڑ گئے جیسے آجکل ہمارے گلے میں لوڈ شیڈنگ پڑی ہے، اور لگے ڈانٹ ڈپٹ کرنے اور پھر وہی ہوا جو ایک سخت گیر والد اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک اور نوکری کے لیے پہنچے

توانہوں نے اصلی کاغذات مانگ لیے، ظاہر ہے کہ میٹرک تو پاس نہ تھی لہٰذا انہوں نے بھی بغیر انٹرویو کمرہ اور دفتر بدر کر دیا اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اس علاقے میں بھی دوبارہ نظر نہ آنا ورنہ ڈرون مار دیں گے اور ساتھ میں صلواتیں بھی سنائیں کہ میٹرک پاس ہوئی نہیں اور چلے نوکری تلاش کرنے، بہتر تھا کہ پانچویں کے بعد ہی کہیں نوکری کر لیتے، یا یہ کہ کیا گھر والے اتنے تنگ ہیں کہ ابھی سے نوکری کے پیچھے لگا دیا، کسی نے کہا کہ یار نوکری چھوڑ، چھوکری پھنسا، کسی نے کہا کہ سیاستدان بن کر الیکشن ، میں حصہ لے لو

وہاں کونسا کوئی پی ایچ ڈی کی ضرورت پڑتی ہے، کسی نے کہا کہ ماں کے پیٹ سے ہی نوکری تلاش کرنا شروع کر دیتے نہ۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔

پھر ایک جگہ اور جاب کے لیے پہنچے تو بتایا گیا کہ سیلز کی جاب ہے کمیشن ملیگا پر گارنٹی دینی ہوگی۔ للو میاں کے پاس نہ پیسے تھے اور نہ گارنٹی دے سکے تو یہ نوکری بھی ہاتھ سے گئی۔ پھر کسی بھلے مانس نے مشورہ دیا کہ یار نوکری سے پہلے چھوکری لے آؤ مطلب شادی کر لو، اللہ برکت دے گا۔ یا پھر کوئی ایسی چھوکری تلاش کرو جو نوکری پیشہ ہو، وہ کما کر لائے اور سب گھر والے ملکر مزے سے کھائیں، اسطرح تمہارے گھر کا دال دلیہ بھی چلتا رہے۔ پر ان بیچاروں کے پاس کچھ ہوتا تو شادی کرتے نہ۔ نوکری کے لیے پریشان، درخواستیں بھیج بھیج کر تھکے ہارے بیچارے للو میاں کی نظر ایک اشتہار پر پڑی کہ نوکری اور چھوکری آپکے قدموں میں ابھی بابا عامل جنگی۔۔۔۔فلاں فلاں سے ملیں۔ لو جناب! للو میاں پہنچے بابا جی کے پاس تو انہوں نے سات کہانیاں سنادی یں کہ آپ کے اوپر نوکری کی بندش ہے، اسمیں دو مرد اور تین عورتوں کا ہاتھ ہے، آپکے اوپر منحوس سیارے نے سایہ کیا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ،،، اور اسکا اتارا کرانے کے لیے لائیے پانچ ہزار۔ بیچارے للو میں کے پاس بھلا پانچ ہزار کہاں سے آتے۔ وہ تو سو پچاس کا سوچ کر گئے تھے پر وہاں تو بات ہزاروں میں تھی، لہٰذا واپس نامرد ا۔ پھر ایک دوست کے توسط سے ایک بزرگ کے پاس

پہنچے کہ نوکری کیلیے دعا کرائیں گے۔ بزرگ صاحب اپنے کسی مرید کے ہاں کھانے پر مدعو تھے لہٰذا ان سے بھی ملاقات نہ ہو سکی۔ ویسے بھی وہ پیر صاحب صرف ایک گھنٹہ ہی لوگوں سے ملتے تھے۔

ایک اور جگہ نوکری کے لیے پہنچے تو گارڈ نے دور سے دیکھ کر ہی بھگا دیا کہ صاحب میٹنگ میں ہیں پرسوں آنا۔ ایک روز اخبار میں ایک اور اشتہار دیکھ کر للو میاں کی قسمت بر آئی کہ سیلز کی ایک جاب مل گئی اور وہ بھی بغیر محنت کے۔ کمپنی والوں نے للو میاں کو مردانہ قوت والی اور اسی طرح کی دو نمبر دوائیں بھجوا دیں کہ انہیں موٹر سائیکل پر رکھو اور اپنے علاقے میں گھوم پھر کر سیل کرو۔ اس کام کے لیے للو میاں کے ابا کی پرانے زمانے کی ففٹی موٹر سائیکل کام آئی اور کچھ عرصہ یہ کام بڑی کامیابی سے چلتا رہا۔ پھر ایک روز ففٹی موٹر سائیکل، دوائیں اور تمام سیل کی رقم ڈاکو لے اڑے اور صرف پچاس روپے منی بس کا کرایہ تھما کر ڈاکو یہ جا وہ جا۔ جاتے جاتے ڈاکوؤں نے پہلے تو للو میاں کو مرغا بنوا کر پانچوں اذانیں دلوائیں، پھر بیچارے پر پہلے باکسنگ کی پریکٹس کی، پھر تھپڑوں اور مکوں سے جسمانی ساخت کی پختگی کا پتہ چلاتے رہے اور آخر میں فٹ بال کی طرح ایسی کک ماری کہ للو میاں سیدھے منی بس کے اسٹاپ پر آ کر گرے۔ چور بھائی ایک اور تاکید کر گئے کہ پولیس میں جانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ جعلی اور دو نمبر دواؤں کے چکر میں

الٹا تمہیں ہی تھانے میں ڈھکوا دیں گے۔ یوں للو میاں بیچارے کئی روز جسم سہلاتے اور ٹکور کرواتے رہے اور پھر اس کام سے بھی گئے۔

للو میاں مایوس تو ہوئے پر ہمت نہ ہاری اور ایک جگہ ٹیسٹ میں بیٹھنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ پرچہ حل کرنا شروع کیا تو پتہ چلا کہ تمام سوالات ایسے ہیں کہ جو کبھی پڑھے ہی نہ تھے۔ لہٰذا بلینک پرچہ دینے کی بجائے اوٹ پٹانگ کارٹون بنائے اور پکڑا کر گھر چلے آئے۔ ایک اور جگہ ٹیسٹ میں کامیاب تو گئے پر انٹرویو میں اس لیے فیل ہو گئے کہ بجلی نہ ہونے کہ وجہ سے بغیر نہائے اور بغیر استری شدہ کپڑے پہن کر چلے گئے تھے انٹرویو پینل نے انہیں دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور کہا کہ جاؤ پہلے نہا کر آؤ کیونکہ بیچارے للو میاں ہفتے یا مہینے میں ایک بار نہانے کے عادی تھے۔ بلکہ سردیوں کے پورے سیزن میں تو صرف ایک ہی بار نہاتے تھے کہ کہیں ٹھنڈ لگ کر مینڈکی کو زکام نہ ہو جا۔ لہٰذا کیسے پاس ہوتے؟۔ ایک بار دوسرے شہر انٹرویو کے لیے جانے کو ٹرین میں سوار ہوئے اور جیب کٹوا بیٹھے، دوسری بار ٹھگ باباؤں نے بے ہوش کر کے ٹرین میں سارے پیسے اینٹھ لیے۔۔۔۔۔ اور بیچارے بھیک مانگ کر گھر واپس پہنچے تو ابا میاں نے دھر لیا کہ تم بہانے کرتے ہو صبح روتے جاتے ہو اور مرتے کی

خبر لاتے ہو، تمہاری اپنی ہی مرضی نوکری کی نہیں ہوتی، ہر جگہ سے ناکامی کی خبر لاتے ہو۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ اور خوب جھاڑ کے ساتھ مار بھی پلائی تاکہ للو میاں کو آئندہ کے لیے نصیحت ہو۔ غرضیکہ للو میاں بیچارے کی جوتیاں گھس گئیں پر نوکری نہ ملی۔انشورنس کی ایک واحد نوکری تھی جس میں کہ بغیر کچھ دیے لوگوں کو پٹا کر پیسے اینٹھنے تھے، وہ نوکری للو میاں اسلیے نہ کرسکے کہ بندے پھنسانا بھی ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہوتا۔وہ تو بلکہ خود ہر جگہ پھنسنے والے تھے۔کئی بار سوچا کہ اس نوکری تلاش کی ذلالت سے تو بہتر ہے کہ بندہ خود کشی کرلے کہ نہ ہوگی جان نہ ڈھونڈیں گے نوکری۔بلکل اسطرح جیسے انڈیا میں ہر نو منٹ بعد ایک شادی شدہ شخص خود کشی کرتا ہے۔پر خود کشی حرام کا سوچ کر خاموش ہو رہتے۔

پھر ایک روز دوبارہ ایک جاننے والے کے توسط سے ایک فیکٹری پہنچے وہاں پر کہا گیا کہ کاغذات جمع کرا دیں اور ہفتے بعد پتہ کیجئے گا۔ ہفتے بعد گئے تو نہ وہ بندہ ملا اور نہ ہی کاغذات۔ دوبارہ کاغذات جمع کرائے تو ان بیچاروں کو رحم آ ہی گیا اور للو میاں کو کلرک کی نوکری دے دی گئی۔ للو میاں نے شکر ادا کیا کہ چلو کچھ نہ ہونے سے کچھ تو ملا۔پر یہاں بھی انکی قسمت ماٹھی تھی کہ انکے ذمے سیکڑوں کام لگا دیے گئے اور ساتھ میں ان کے درجن بھر باس کبھی ایک آواز دے تو کبھی دوسرا جیسے کہ رضیہ غنڈوں میں پھنسی ہو۔ بیچارے بھرتی

تو کلرک ہوئے پر کام سپر وائزر سے لے کر آفس بوائے تک کے لیے جانے لگے۔ اور تو اور اب سب لوگ چائے بھی ان سے بنوانے لگے کہ للو میاں کے ہاتھ کی چائے بہت اچھی ہوتی ہے اور صفائی ستھرائی کا کام بھی انکے ذمے ڈال دیا۔ کچھ روز بعد صبح کا ناشتہ لانے کی ذمہ داری بھی انہی کے ناتوں کاندھوں پر ڈال دی گئی یہ کہ کر کہ بچے کھچے پیسے آپ رکھ لیا کریں کچھ خرچہ پانی بن جایا کریگا۔ بیچارے کیا کرتے کہ مجبوری کو یہ بھی کرنا پڑا۔ پر بد قسمتی نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا کہ ایک بار صبح صبح صاحبان کا ناشتہ لینے کو سڑک پار کرنے لگے تو موٹر سائیکل سے ٹکرا کر ٹانگ تڑوا بیٹھے اور کئی ماہ کے لیے بستر پر ایسے فراش ہوئے کہ کسی ایک صاحب نے بھی خبر نہ لی اور جب چھ ماہ بعد بیچارے اپنے خرچے پر صحتیاب ہو کر دوبارہ نوکری کی جگہ پر پہنچے تو کوئی بھی سائیں نہ بنا اور پہچاننے سے ہی انکار کر دیا۔ للو میاں دل میں سوچنے لگے کہ یار سائنس کی ترقی کی بدولت اب بیماریوں کی پہچان منہ سے نکلتی ہوا سے ہو رہی ہے اور یہ لوگ مجھے فزیکلی ہی پہنچاننے سے انکار کر رہے ہیں، کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

خیر جناب! ایک بھلے مانس نے للو میاں کو پھر مشورہ دیا کہ یار کیوں وائٹ کالر جاب کی تلاش میں رہتے ہو، آؤ میں تمہیں ایک ہوٹل پر نوکری لگوادوں۔ یوں بیچارے ایک ہوٹل پر ٹیبل مین جمع گٹر ماسٹر لگ گئے۔ یعنی کھانا سرو

کرنا اور برتن دھونے، پتیلے مانجنے۔ شروع میں تو بہت خوش رہے کہ روز نئے نئے کھانے ملتے اور شام کو بچا کھچا گھر بھی لیجاتے، پر سارا دن ہاتھ منہ ضرور کالے رہتے جنہیں دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے رہتے۔ یہ کڑھنا شاید اللہ کو نا پسند آیا کہ ایک روز ایک گاہک کو کھانا سرو کرتے سالن کی پلیٹ اسکے نوے نکور کپڑوں پر انڈیل دی۔ بس پھر کیا تھا گاہک نے اٹھ کر پہلے تو چار ٹھیک ٹھاک قسم کی جیپیڑ للو میاں کے ایسی رسید کیں کہ دونوں گالوں پر نشان مٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اسکے بعد للو میاں سے موقع پر ہی قمیض دھلوائی گئی اور پھر ہوٹل کے مالک نے چاروں شانے چت کرکے بمعہ دوسرے درجن بھر نوکروں کے للو میاں کے ساتھ خوب کشتی کی، تمام ممنوعہ اور غیر ممنوعہ مقام پر چھترول، لترول کرکے، زیبا اور نازیبا الفاظوں اور القابوں سے نواز کر، تمام خاندان کو کوس کر، کپڑے شپڑے پھاڑ کر اور ادھ موا کرکے رکشے میں ڈال کر گھر بھجوا دیا اور رکشے والے کو کہا کہ کرایہ انکے گھر سے لے لینا۔ یوں یہ ہوٹل کا کام بھی ہوا تمام۔

زمانے بھر میں ذلیل اور رسوا ہو کر للو میاں بیچارے نے نوکری کی آس چھوڑ کر ایک دوست کے مشورے پر قرضہء حسنہ دینے والے ادارے ،،اخوت،، سے رابطہ کیا اور انسے بیس ہزار روپے قرضہ حسنہ لیکر گھر کے اندر ہی بچوں کی گولی، ٹافی، چاکلیٹ کی ایک چھوٹی سے دکان سجالی اور اللہ پاک نے اتنی مشکلات ، دکھ اور

پریشانیاں جھیلنے کا صلہ للو میاں کو یہ دیا کہ اسی کام میں برکت ڈالی دی اور اچھا کام چلا
دیا۔ آجکل للو میاں لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور کھیلتے ہیں!
پڑھنے والو! کیا آپکو اس آرٹیکل سے کوئی سبق ملا؟ اگر ملا تو کیا ملا؟ ضرور بتایئے گا پلیز!

وزن کم کرنے کے بہترین طریقے

(خواتین سے معذرت کے ساتھ)

اوبیسٹی یعنی وزن کا زیادہ ہونا آجکل عام سی بیماری ہے جسمیں کہ خواتین، مرد، بچے، بوڑھے ہر عمر کے لوگ شامل ہیں۔ ایک بار بڑھے وزن کو کم کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کی آجکل طالبان کو مذاکرات کے لیے منانا یا پھر قطرینہ کیف سے ملاقات کا وقت مانگنا ہے۔اس وقت دنیا بھر میں وزن کم کرنے کے لیے مختلف قسم کی ادویات اور ٹوٹکے وغیرہ استعمال کیے جارہے ہیں پر شاید ہی کوئی ٹوٹکا ایسا ہو جو ڈرون کے طرح اپنے نشانے پر فٹ بیٹھے۔

جیسا کہ سبھوں کو معلوم ہے کہ خواتین اپنے وزن کے بارے میں بہت زیادہ کاشس رہتی ہیں، وزن کم کرنے کے لیے گھنٹوں باتیں گھڑتی ہیں، انکا تو بس نہیں چلتا کہ اگر باتوں سے وزن کم ہوتا تو وہ دن کے اڑتالیس؟؟ گھنٹے بولتی رہتیں نان سٹاپ۔ اگر انہیں کہو کہ بھئی تھوڑا سے کھانے پینے میں کمی بیشی کرلو تو جواب ملتا ہے کہ میں کھاتی ہی کب ہوں! حالانکہ مجال ہے جو گھر میں کوئی کھانے پینے کے چیز چھوڑتی ہوں۔ ہر اچھی بھیڑی چیز کو اپنے اوپر حلال جانکر

پیٹ میں تو ننا اور کولیسٹرول بڑھانا، پھر ڈرامے دیکھتے ٹی وی کے آگے پسر رہنا، گھر کے کام کاج نوکروں یا بچوں سے کرانا، منہ کو خاموش یا خالی رکھنے کو حرام سمجھنا، گھنٹوں ایک ہی جگہ پسر کر فون پر گپیں ہانکنا، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ اور پھر یہ سوچنا کہ وزن کم ہو جاوے، کیسے ممکن ہے؟ ویسے اگر کسی عورت کے دماغ میں ایک بار وزن کم کرنے کا فتور بیٹھ بھی جائے تو سمجھو کہ اس کے میاں بیچارے کے شامت ہے۔ ہمارے للو میاں کی بیگم کو بھی اکثر راہ چلتے بچے موٹی موٹی کہہ کر چھیڑتے تھے۔ ایک تو چھوٹی اوپر سے موٹی لگتا تھا کہ جیسے فٹ بال چلی جارہی ہو۔ لو جناب! انکے دماغ میں بھی خناس سمایا وزن کم کرنے کا اور پھر کیا بیتی آئیں دیکھیں۔

للو میاں ایک روز کام سے گھر پہنچے تو کٹر کتی بھڑکتی آوز میں بیگم کے آرڈر ملے کہ کل سے آپ جلد گھر آئیں گے کہ میں نے شام کی واک شروع کرنی ہے۔ للو میاں نے بیگم کو سرتاپاؤں ایسے دیکھا جیسے آخری بار دیکھ رہے ہوں اور پھر بیگم کو چھیڑا کہ اس عمر میں اسمارٹ بن کر کیوں ہمارے دل پر بجلیاں گراؤگی۔ کسی اور نے پسند کر لیا تو ہم اور بچے کیا کریں گے؟ کہیں بچے ہی ماں کو پہچاننے سے انکاری نہ ہو جائیں یا کہ تمہارے اپنے اماں ابا گھر میں ہی نہ گھسنے دیں۔ اسکے علاوہ یہ کہ اتنی سمارٹ، خوبصورت، چارمنگ اور دبلی پتلی سی حسینہ وینا ملک کو محمد آصف کرکٹر نے سی کلاس ایکٹریس کہہ کر اسکی مٹی

پلید کر دی۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ پر اس عورت پر اس لفاظی کا کوئی اثر نہ ہوا اور شام کی واک کا مستقل فائنل کر کے لاک کر دیا گیا۔ للو میاں نے بہت سمجھایا کہ شام کی بجائے صبح کی واک کے فوائد زیادہ ہیں پر بیگم صاحبہ تو سو کر ہی نو، دس بجے اٹھتی تھیں تو صبح کو واک کا تو سوال ہی نہ تھا۔ لو جناب روزانہ شام کو بیگم للو میاں لہلہاتی، تھلتھلاتی، ہانپتی، کانپتی واک سے واپس لوٹتیں تو اسکے بعد بستر سے اٹھنا ایسے ہی محال ہوتا تھا جیسے کہ ہاتھی کو ہاتھوں پر اٹھانا۔ اور پھر رات کا کھانا بنانا، بچوں کو کھلانا پلانا، سلانا، برتن شرتن سب للو میاں کے سر۔ زندگی میں پہلی بار اتنا سخت کام یعنی واک اور ورزش کرنے کی وجہ سے انکی باڈی نے ایک ماہ تو واک شاک کو قبولنے سے ہی انکار کر دیا اور للو میاں بیچارے روزانہ درد رفو کرنے والی کریموں سے کبھی بیگم کی کمر کی مالش کرتے، کبھی ٹانگوں کی تو کبھی سرسوں کے تیل سے سر کی۔ لیکن شیخیم ڈیل ڈول پر تھوڑی بہت کریم بھی اثر نہ کرتی اور ہر دوسرے روز رفع درد کریم خلاص ہو جاتی۔ اسکے علاوہ درد کی گولیاں کھانا بھی بیگم للو میاں کے مشاغل میں شامل ہو گیا۔ للو میاں نے بہت سمجھایا کہ بیگم اتنے جوش میں نہ آؤ بلکہ ہوش میں رہتے ہوئے آرام آرام سے تھوڑی تھوڑی واک کر کے وزن کم کرو، پر کہاں، انکے الٹے دماغ پر یہ بات سوار تھی کہ جمیلہ نے ایک ماہ میں دس کلو وزن کم کیا تھا، شکیلہ نے بارہ کلو وزن کم کیا تھا تو لہٰذا میں بھی ایک ماہ میں پندرہ کلو وزن کم کرونگی۔ یوں سخت واک

کرتے کرتے ایک روز اونچی ہیل کی جوتی پہن کر جو واک کے لیے گئیں تو پیر مچوا بیٹھیں کہ جوتے کی ایڑی نے وزن سہارنے سے بلکل ایسے انکار کر دیا تھا جیسے وینا ملک پورے کپڑے پہننے سے انکاری ہوتی ہے۔ اور پھر رکشے میں لاد کر بیگم صاحبہ کو گھر لانا پڑا۔

اب جناب محترمہ واک کے قابل تو نہ رہیں، لیٹے لیٹے مزید آرڈر یہ جاری ہوئے کہ اب کھانا ابلا ہوا کھایا کریں گے۔ لو جناب اب گھر میں ابلی ہوئی سبزیاں جیسے کہ مریضوں کو دی جاتی ہوں وہ پکنا شروع ہو گئیں، کہ جی رشیدہ اور زبیدہ ابلی سبزیاں کھاتی ہیں لہٰذا میں بھی ابلی سبزیوں سے وزن کم کرونگی۔ للو میاں کے گلے میں ایک اور عذاب کہ آجکل سبزیاں ویسے ہی گوشت کے بھاؤ بک رہی ہیں اوپر سے پورے ہفتے سبزیاں، ساتھ میں کچے سلاد کا سامان مثلاً: گاجر، مولی، کھیرا، بند گوبھی، چقندر، وغیرہ۔ یوں للو میاں بیچارے ہر ہفتے بورے بھر کر سبزیاں لاتے، بچے منہ ناک چڑھاتے، پر بیگم ایسے چٹ کر جاتی جیسے بکری گھاس چٹ کر جاتی ہے۔ یہ وہی سبزیاں تھیں جنہیں دیکھ کر کبھی موصوفہ ناک منہ چڑھاتی تھیں پر اب انہیں ناڑے سے باندھ کر رکھتی تھیں۔ اب تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے پورا گھر مریضوں کے وارڈ میں ابلے کھانے کھاتا ہو۔ اس دوران اگر کوئی مہمان آ جاتا تو ڈبل مصیبت کہ کھانا ہوٹل سے لانا پڑتا وہ ایک الگ اضافی خرچہ تھا۔ اوپر سے ایک اور آرڈر کہ مجھے وزن کم کرنے کو بیلٹ لا کر دیں۔ پھر

سارا دن موصوفہ بیلٹ باندھے پڑی رہتیں کہ وزن کم ہو رہا ہے اور وزن کرنے والی مشین بھی گھر میں ہی منگا کر رکھ لی تاکہ بازار نہ جانا پڑے۔ ایک ماہ بعد وزن کیا تو پتہ چلا کہ محترمہ فقط ایک کلو ہی وزن کم کر پائی ہیں۔ موصوفہ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ وزن کم ہوتا بھی تو کیسے کہ انگ انگ پر تو چربی یوں چھائی پڑی تھی، جیسے نوجوانوں کے ذہنوں پر قطرینہ۔ کرینہ۔ لہٰذا تھوڑ تھوڑا ہی کم ہونا تھا۔

کچھ عرصہ فراش رہنے کے بعد موصوفہ کو دوبارہ شوق چرایا واک کا اور پھر شروع۔ ساتھ میں کسی نے بتایا کہ : دن میں پانچ مرتبہ سبز چائے پئیں اور وہ بھی بغیر چینی کے۔ لیں جناب موصوفہ کی ایک پتیلی سارا دن چولہے پر چڑھی رہتی ایک ماہ میں ایک کلو پتی کا ستیاناس کر گئیں اور گیس کا بل الگ بڑھایا۔ پھر کسی نے مشورہ دیا کہ چوعرقہ نہار منہ ایک کپ پیا کریں، موصوفہ ایک ماہ میں دوہزار کا چوعرقہ یعنی چاروں عرق چڑھا گئیں۔ للو میاں کو اتنا بہت سا چوعرقہ خریدتے دیکھ کر پنساری نے پوچھ ہی لیا کہ کیا یہ بوتلیں آپ اپنی بھینسوں کو پلاتے ہو؟ پر وہ موصوف کو کیا بتاتے کہ بھینس سے بھی بڑا جن تو انکے اپنے گھر میں بندھا پڑا ہے۔ ایک محترمہ ایک اور نسخہ بتلا گئیں کہ : اجوائن اور پہاڑی پودینہ ملا کر قہوہ بنائیں اور دن میں دو مرتبہ پیا کریں۔ پھر ان دونوں دواؤں کو اتنا استعمال کیا کہ شہر کے پنساریوں پر یہ دوا ہی

ناپید ہو گئی۔ پھر کہیں اخبار میں پڑھ لیا کہ بادام کھانے سے وزن کم ہوتا، موصوفہ نے بادام چنے سمجھ کر کھائے اور ایک ماہ میں پانچ کلو بادام ڈکار گئیں۔ پھر ایک رسالے میں پڑھا کہ کلونجی اور شہد کا قہوہ بنا کر لیموں ڈال کر پئیں۔ موصوفہ نے کِلو کِلو کلونجی اور شہد منگا کر گھر میں سجا لیا خود بھی پیا اور اپنے بہن بھائیوں کو بھی ڈکروایا۔ لیموں اتنے ڈالے کہ سبزی منڈی میں ناپید ہو گئے۔ پھر ایک سنڈے میگزین میں وزن کم کرنے کا شربت دیکھ کر آدھا درجن بوتلیں منگا کر صبح شام وہ چڑھانے لگیں۔ یوں للو میاں بیچارے کی جیب کٹتی رہی، موصوفہ مزے کرتی رہیں۔ ایک روز پھر للو میاں کی اللہ نے یوں سنی کہ بیگم صاحبہ کو کسی سہیلی نے بتایا کہ سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے بھی ٹانگیں اور کولہوں پر سے وزن کم ہوتا ہے۔ موصوفہ نے دن میں تین بار ہر کھانے سے پہلے سیڑھیاں اترنا چڑھنا جو شروع کی تو محلے والے گلے پڑ گئے کہ آپ کی گھر والی دن میں بار بار ہمارے گھر جھانکتی ہے۔ موصوفہ کی سہیلی نے یہ بھی کہا کہ روٹی کم کر دو پر اس پر نہ آئیں اور صاف جواب دے دیا کہ بھئی سب کچھ کر سکتی ہوں پر یہ روٹی کی ڈائٹنگ مجھ سے نہ ہو گی۔ خیر جناب! اس کی سزا یہ ملی کہ موصوفہ کا پاؤں سیڑھیاں اترتے چڑھتے ایسا اترا کہ پھر فراش ہو گئیں اور ہفتوں کلور، لپریاں اور مالشیں اور مساج چلتے رہے۔ اسی دوران ایک اخبار میں اشتہار پڑھا کہ ساٹھ دن میں پچاس کلو وزن گارنٹی کے ساتھ کم کریں ساتھ میں کچھ موٹے پتلے متاثرین کی تصاویر بھی تھیں۔ اسکے علاوہ کچھ

دیسی اور ہومیو دواؤں کے اشتہائی اشتہار بھی ان کی نظری کرم سے نہ بچ سکے اور موصوفہ اتنی متاثر ہوئیں کہ جھٹ سے فون پر ہی تمام اشیاء کا آرڈر دے دیا۔ ظاہر ہے شوہر مجبور بیچارے کو یہ خرچہ بھی برداشت کرنا پڑا کہ بیگم صاحبہ کے سر پر وزن کم کرنے کا خناس جو سوار تھا۔

:ایک روز موصوفہ ٹی وی پر وگرام دیکھ رہی تھیں جس میں کچھ اسطرح کی گفتگو تھی کھانے میں نمک مرچ کا استعمال بلکل کم کر دیں۔ ایسے کھانے کھائیں جیسے کہ مریض کھاتے ہیں۔ چپس، برگر، سلانٹی، چپس، چاکلیٹ اور باہر کی اشیاء سے پرہیز کریں۔ کچی سبزیاں یا پھر صرف ایک چائے کے چمچ آئل میں پکی سبزیاں استعمال کریں۔گائے کا دودھ بغیر ملائی کے استعمال کریں۔ چاول روٹی چھوڑ کر صرف براؤن بریڈ استعمال کریں۔ سپینتالیس منٹ سے ایک گھنٹہ تک روزانہ واک کریں۔ ناشتے سے پہلے : کلونجی، میتھی دانہ، ثابت اسبغول، اجوائن وغیرہ ہم وزن لیکر پیس کر پھکی بنالیں اور ایک چٹکی تازہ پانی کے ساتھ نہار منہ لیں۔ نہار منہ لوکی کا ابلا پانی ایک گلاس روزانہ پئیں۔ تین کپ سبز چائے لیموں کے ساتھ بغیر چینی روزانہ پئیں۔ ناشتے میں ایک انڈا بغیر زردی کے صرف دو پیس بریڈ کے ساتھ اور ایک کپ دودھ بغیر ملائی کے لیں۔ اسکے بعد بھوک لگے تو دو عدد بادام ایک گلاس پانی کے ساتھ چڑھا جائیں۔ دوپہر کے کھانے میں ابلے ،چاول

ابلی دال، ابلی سبزیاں استعمال کریں۔ پانی ہمیشہ کھانے سے قبل لیں، کھانے دو گھنٹے بعد تک پانی بلکل نہ پئیں۔ شام کی چائے کو دل کرے تو پھر سبز چائے دو عدد گندم والے بسکٹ کے ساتھ لیں۔ رات کے کھانے میں بھی ابلی سبزیاں براؤن بریڈ کے ساتھ لیں، روٹی نہ کھائیں۔ کھانوں میں پودینے کی چٹنی زیادہ استعمال کریں۔ زیادہ بھوک تنگ کرے تو ایک کپ دہی میں ایک چمچ اسبغول ڈال کر کھالیں اور اللہ کا نام لیں۔ یا پھر : لاکھ دانا، اجوائن، پہاڑی پودینہ، کلونجی، کالازیرہ تمام پچاس پچاس گرام لیکر پیس کر پھکی بنالیں اور ایک چٹکی تازہ پانی سے روزانہ لیں۔ اسکے علاوہ ہر کھانے سے پہلے دو گلاس پانی پئیں۔ کسی بھی وقت کا کھانا کھانے میں صرف پانچ سے سات منٹ صرف کریں۔

للو میاں نے اتنا کچھ سنا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور بیگم کو کہا کہ ارے پاگل اتنی محنت اور جھنجٹ چھوڑو اور کوئی غم لگا لو پھر دیکھو کیسے دنوں میں کم ہوتی ہو۔ اپنے ابا یا اماں کی مرنے کی دعا کرو شاید تمہیں انکی فکر لگ جائے اور اس غم میں تم دبلی ہو جاؤ۔ کچھ دیر تو بیگم کچھ سوچتی رہیں پھر ایک دم غرائیں کی تمہارے ماں باپ کو نہ ماردوں ! للو میاں بولے میرے ماں باپ مرے تو تم خوشی میں اور پھول جاؤ گی۔ کچھ اور سوچو۔ مگر موصوفہ نے تو آجتک اپنے سر کے تاج یعنی شوہر کا کبھی غم نہ لیا تھا تو یہ کیا لیتیں۔ میاں نے ایک بار پھر ٹرائی ماری کی بیگم ایسا کرو کہ مجھے ہی ماردو میرے اس روز

روز کے جھنجھٹ اور خرچوں سے جان چھوٹ جائیگی اور شاید تمہیں میرا غم لگے اور تم دبلی پتلی ہو جاؤ تو کسی لونڈے سے شادی بھی رچا لینا۔ بیگم پھر گویا ہوئیں کہ مجھے تمارے مرنے کی غمی نہیں بلکہ خوشی ہوگی کہ تمہارے لاکھوں کے بقایا جات اور بنک بیلنس جن پر تم ازدھا بن کر بیٹھے رہتے ہو میرے حصے میں آجائیں گے۔ للو میاں نے پھر ہوائی اڑائی کہ چلو تم اپنے سب سے ہر دل عزیز شے کو مار کر اسکا غم اپنے دل کو لگا لو۔ پر اس عورت نے تو تمام عمر کسی بندے یا کام کی ٹینشن ہی نہ لی تھی تو اب کیسے لیتی؟ لہٰذا یہ وار بھی خالی گیا۔

اچانک للو میاں کے ذہن میں ایک یونیک سا آئیڈیا آیا اور گھر میں بچوں کی پٹائی کرنے والا بڑا سا ڈنڈا اٹھا لائے اور بڑھک لگائی کہ بیگم اب تمہیں اس ڈنڈا فارمولے سے کوئی نہیں بچا سکتا! بیگم نے بڑی حیرانگی سے للو میاں کو دیکھا کہ جسکی آنکھوں میں روز روز کی چک چک بک بک اور اخراجات میں اضافے کی وجہ سے خون سوار تھا، اس سے پہلے کہ انکی بیگم کچھ بولتیں، کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرکے للو میاں نے مولاجٹ کی طرح بیگم کی اسی ڈنڈے سے ٹھکائی شروع کردی اور مار مار کر ایسا ادھ موا کیا کہ جوڑ جوڑ ہلا کر ڈنڈا بھی توڑ مارا۔ وہی بیگم جو للو میاں پر روز امریش پوری بنی رہتی تھی ایسے خاموش ہوئی کہ جیسے گونگی ہو! بچوں کے کارٹون بھیم اور کالیا کی طرح بغیر لڈو کھائے للو میاں میں نہ جانے کہاں سے ایسی طاقت آئی کہ انہوں نے ہفتہ بھر

کیکر کے ڈنڈے، چارپائی کے پرانے پاؤں اور لوہے کے سریے سے بیگم پر کپڑے دھونے کے انداز میں یہی پریکٹس جاری رکھی اور پھر جب وزن کیا تو بیگم صاحبہ کا وزن پورا دس کلو کم تھا! تو جناب! کس کس میں ہے دم کہ اپنی جوروؤں یعنی ان مصیبتوں پر یہ فارمولا آزمائے؟ بتائیں نہ!

بیماریوں کی وجوہات اور بچنے کے طریقے ؟

سائنس کی کبھی نہ ختم ہونے والی تحقیق جاری ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا کہ ہے اس صدی کے وسط تک وہ اس حد تک آگے جا چکے ہونگے کہ انسان پر بڑھاپا ہی نہیں آئیگا اور اسکے علاوہ یہ کہ انسان کے منہ سے نکلنے والی ہوا کے ذریعے اسکی بیماری کی شناخت ممکن ہوسکے گی۔ تخلیقِ کائنات کا راز جانا جا چکا، بگ بینگ کا تجربہ ہو چکا، انسانی جسم میں موجود سیل کی وجہ سے اسکے تخلیق ہونے کا راز اور انسانی ڈی این بھی دریافت ہوچکا، انسان کی کاپی بنانا بھی ممکن ہوچکا، روبوٹک انسان بھی تخلیق کیے جاچکے، پر کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کیا واقعی سائنس نے اتنی بہت سی ترقی کر لی ہے؟؟۔ کیا وجہ ہے کہ مذکورہ ایجادات کے ساتھ ساتھ انسان کو لگتی سینکڑوں قسم کی بیماریوں کا خاتمہ کیوں کر ممکن نہ ہوسکا ہے؟؟۔ جہاں حضرتِ انسان نے سائنس کی ترقی کی بدولت بہت سی بیماریوں سے چھٹکارہ حاصل کیا ہے وہیں آئے روز یہ پانچ چھ فٹ کا انسان نت نئی بیماریوں کا بھی شکار بھی ہوا چلا جارہا ہے۔ ایک بیماری کی دوا ایجاد ہوئی تو ایک نئی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہیں چھ طرح کا یرقان ہے تو کہیں ایڈز، کہیں نئی طرح کا فالج تو کہیں دوائیں پلانے کے باوجود پولیو کی دوبارہ ایجاد یا۔ ایک حفاظتی ٹیکہ لگوا

لیا جائے تو کئی روز بخار نہیں جاتا، جسم اکڑ جاتا ہے اور انسان اپنے سے انسان کو کھانے کو دوڑتا ہے۔ خصوصا چھوٹے بچوں کو حفاظتی ٹیکہ لگوا دو تو تین روز بخار نہیں اترتا، بچہ گود سے نہیں اترتا۔ یرقان کے علاج کے لیے سال بھر ٹیکے لگوا لگوا کر اچھا بھلا انسان ادھ موا ہو جاتا ہے اور کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ مگر ڈاکٹروں کے بقول اسکا وائرس پھر بھی نہیں مرتا، موزوں موسمی حالات ملتے ہی دوبارہ حملہ آور ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بیماری دسیوں ٹیسٹ کرانے کے باوجود بھی ڈاکٹروں کی سمجھ میں ہی نہیں آتی یا پھر ڈاکٹر خود ہی جواب دے دیتے ہیں کہ مریض لاعلاج ہے۔ کینسر کا کوئی مستقل علاج نہیں۔ کینسر کا مریض درد سے تڑپتا ہے اور علاج کے دوران پورا جسم فارغ البال ہو جاتا ہے، مریض چند سال بعد اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ انگریزی دوائیں ایسا ری ایکشن کر جاتی ہیں کہ انسان الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہے۔ ہارٹ، بلڈ پریشر، شوگر اور دیگر مستقل امراض کی دوائیں کچھ عرصہ بعد اپنے اثر ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ ڈاکٹر حضرات نزلہ کھانسی میں بھی آدھا درجن دوائیں لکھ دیتے ہیں کہ کوئی تو لگے گی۔ دل، شوگر، بلڈ پریشر، جوڑوں کے درد، فالج وغیرہ کی دوائیں روزانہ تینوں ٹائم روٹی کھاؤ نہ کھاؤ دوائی کھانی پڑ گی ہے۔ اسی طرح ڈیپریشن، ٹینشن، انگزائیٹی کی دوا سالوں کھانی پڑتی ہے، بیماری پھر بھی نہیں جاتی، الٹا انسان پھول کر کپا ہو جاتا ہے۔ یا پھر دوائی چھوڑو تو وہی بیماری دوبارہ سے جسم پر ڈیرہ جما لیتی ہے۔

آخر کیا وجہ؟آخر یہ کونسی سائنس اور ترقی ہے جو کہ چاند پر تو پہنچ گئی ، چاند پر عام آدمی کے لیے شٹل بس چلانے اور مزید ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی بھی خواہاں ہے، بڑھاپا نہ آنے کی نوید ہے پر چھ فٹ کا ایک حضرتِ انسان اسکے قابو میں نہیں کہ آئے روز نت نئی بیماریوں کا شکار ہوتا جاتا ہے۔ یہ سائنس انسان اور کائنات کی تخلیق کا راز تو جان چکی پر آجتک کوئی ایسی دوا کیوں ایجاد نہیں کر سکی جو انسانوں کو بیمار ہی نہ ہونے دے یا تمام بیماریوں سے پاک کر دے۔ کیا وجہ ؟کچھ سمجھ آتا ہے آپکو؟

بیماریوں کی وجوہات کی بات کریں تو بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں مثلا: کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ حضرتِ انسان روز نت نئے وائرس ایجاد کرکے خود ہی اپنے سے انسان کی زندگی اجیرن کیے ہوئے ہے؟ گندے پانی کی فصلیں، سبزیاں اور پھل کھا رہا ہے، پیداوار بڑھانے کے نام پر کھادوں اور کیمکل کی پرورش زدہ اجناس ، پھل اور جانور، دیگر ملاوٹ شدہ اشیاء ،تازہ کی بجائے فریج کی لگی فروزن اور باسی اشیاء اس کے خمیر کا حصہ ہیں، پھر صحت کہاں ؟۔ یا پھر کہیں قدرت کے کاموں میں مداخلت ؟جی ہاں ! میرے خیال سے مذکورہ تمام وجوہات کے ساتھ ساتھ انسان کی فطرت سے لڑائی اور اسکے کاموں میں عمل دخل اور اسلامی طور طریقوں سے فرار بھی ہے۔ حدیثِ قدسی کے مطابق انسان کو اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت پر

قربان کرنا ہے مگر انسان اپنی خواہش اللہ پر مسلط کرکے اسکے حکم کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی کر رہا ہے پر پھر بھی اسکی رحمت کا طلبگار رہتا ہے ؟ کیوں؟ اپنے اندر جھانکیے کہ اتنے بہت سے گناہ کرنے کے باوجود بھی کیا ہم ان تما م رحمتوں کے واقعی مستحق ہیں جو خداوند قدوس ہیں دے رہا ہے؟؟۔ اسکے علاوہ سہل پسندی، حسد، جسمانی مشقت اور ورزش سے دوری بھی بیماریوں کی وجوہات میں شامل ہے۔

مزید دنیا داری کی دیگر وجوہات دیکھیں کہ انسان کتنی ذرا ذرا سی بات دل کو لگا کر اپنے آپ کو بیمار کرتا ہے کہ مثلا: قطرینہ کیف کہے کہ میں نے تیس سال تک شادی نہیں کرنی تو نوجوانوں کو یہ بات دل سے لگا کر بیمار ہونے کی کیا ضرورت ؟۔ جیسے فلم میں سکرین بیوٹی ہوتی ہے اسی طرح یہ میڈیا کی صرف بیان بیوٹی ہے۔ یا یہ کہ وینا ملک سارا جہان چھوڑ کر سویڈن کے باشندے پر فدا ہو تو ٹینشن لینے کی کیا بات ؟، شکیلہ، جمیلہ کے گھر نیا فرنیچر اور فریج آگیا، صائمہ میاں کے ساتھ فارن ٹور پر تو جیلسی کیوں؟ لکشمی متل اپنی بھتیجی کی شادی پر پانچ ارب لگا دے تے سانوں کی؟ عارفہ صدیقی بڈھے سے شادی کرکے لاپتہ ہو جائے تو کیا انہونی؟ فلاں کا عہدہ بڑھ گیا، فلاں کی ترقی جلد ہو گئی، تو بھائی اسکی قسمت، جاوید کے بچے اچھے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں تو کیا پریشانی۔ خالد اچھے ادارے میں ملازم ہے تو اسکی قسمت۔ بیٹیوں

کی شادی نہیں ہو رہی، بیٹوں کو نوکری نہیں مل رہی، گھر والی اچھے مزاج کی نہیں، اولاد نافرمان اور نالائق، باس کی ڈانٹ ڈپٹ بہت زیادہ۔ کاروبار نہیں چل رہا، یہ سب تو اللہ کی مرضی کے کام اور ہمارے اپنے اعمال کی سزا یا پھر دنیا کی آزمائش ہوتی ہے۔ ان تمام اور دیگر بہت سی باتوں کو دل سے لگانے کی بجائے اوپر اوپر ہوا میں اڑا دیں، ٹینشن بلکل نہ لیں۔

قصہ مختصر! آجکل کا انسان اگر دکھ پریشانیوں اور بیماریوں اور مصائب کا شکار ہے اور اتنی سائنسی ترقی کے بغیر بھی پنپ نہیں پا رہا تو یہ سب اسکے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔ اگر انسان نے بیماریوں سے بچنا ہے تو اپنی زندگی کو قدرت کے طور طریقوں کے مطابق گزارے، صاف ستھری، سادہ اور صحت بخش خوراک استعمال کرے تو وہ ضرور بہت سی برائیوں، بیماریوں اور گناہوں سے از خود محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسکے علاوہ ایک جہاندیدہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جہاں میدان آباد ہوں وہاں ہسپتال ویران اور جہاں میدان ویران ہوں وہاں ہسپتال آباد رہتے ہیں۔ جدید تحقیق کہتی ہے کہ ورزش انسان کے لیے دواؤں سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ لہٰذا اپنی مصروف زندگی سے ورزش کے لیے چوبیس گھنٹے میں سے کم از کم ایک گھنٹہ ضرور نکالیں۔ درود شریف کے ورد کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں تاکہ ہماری تمام بیماریاں اور پریشانیاں دور ہو سکیں۔ اسکے ساتھ ساتھ اس ناچیز کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ شکریہ۔

پہلے زمانے میں کیا ہوتا تھا اور آئندہ کیا ہوگا؟

۷۸۶

وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں ہر چیز ایڈوانس ہوتی جارہی ہے اسی طرح بہت سے قدیم نام بھی ایڈوانس یعنی جدید ہوتے جارہے ہیں۔ آج سے سالوں پہلے کے بچے اپنے باپ کو ابا اور ماں کو اماں کہتے تھے۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ ابو اور امی کہا جانے لگا، پھر پاپا، ماما، پھر بابا، ماما اور پھر یہ ڈیڈی، ممی اور مام، ڈیڈ ہو گئے۔ ہم سوچتے ہیں کہ جس تیزی سے یہ نام تبدیل ہو رہے ہیں تو آئندہ دس بیس سال بعد یہ نام مزید مختصر اور جدید ہو کر کہیں پپی، ممی، بابی، مامی، ڈے، مو، مام، ڈی، ہی نہ ہو جائیں۔

اسی طرح پرانے زمانے میں دولہا گھوڑے پر بیٹھ کر دلہن بیاہنے آتا تھا، اور ڈولی یا تانگے پر دلہن لیکر جاتا تھا۔ کیا آج کے دور میں ایسا ممکن ہے؟؟۔ پرانے زمانے کی دلہنیں اپنے اصلی شوہر نامدار، مجازی خدا سے بھی عرصہء دراز تک پردہ اور گھونگھٹ کرتی تھیں۔ کیا آجکل ایسے ممکن ہے؟؟۔ پرانے زمانے کے عاشق اپنی محبوبہ کو خطوط بھیج کر اسکے جواب میں بوڑھے ہو جاتے تھے۔ جب تلک محبوب کو محبوبہ کا جواب ملتا تھا، محبوبہ کسی اور کو مل جاتی تھی! کیا آجکل

موبائل اور ایس ایم ایس کے زمانے میں ایسا ممکن ہے؟ پرانے زمانے کی عورتیں اپنے شوہر کو منے کے ابا۔۔۔ یا فلاں کے ابا کہہ کر پکارتی تھیں، پر آجکل تو بیویاں اپنے شوہروں کو نام کے ساتھ گالی دیکر بلاتی ہیں !۔پرانے زمانے کے ہیرو بالوں میں سرسوں کا تیل چپڑتے تھے اور ہیروئن چوٹی باندھے، گجرے لٹکائے، کاجل کے ڈورے مٹکائے ہوتی تھی۔ کیا آجکل کے کنٹیکٹ لینز کے دور میں یہ ممکن ہے؟؟

اسی طرح لوگوں کے پرانے نام بھی وقت کے ساتھ ساتھ جدید ہوتے جارہے ہیں۔

مثلا: پہلے آدمیوں کے نام: اللہ ڈتہ، اللہ رکھا، اللہ وسایا، اللہ ڈوایا، اسی طرح خواتین کے نام بھی: اللہ رکھی، اللہ ڈوائی، اللہ ڈتی، تاجن بی بی، ظہورن بی بی، صغراں مائی وغیرہ ہوتے تھے۔ مگر آجکل یہ نام بلکل ناپید ہیں اور انکی جگہ نئے ناموں نے لے لی ہے۔ اگر آج کے دور میں آپ کسی خاتون کا نام مذکورہ ناموں پر رکھ دیں، یا پکار لیں تو جوتا لیکر پیچھے پے جائے۔ لہٰذا محتاط رہیے گا۔پرانے زمانے میں کسی آدمی کا نام عمران خان، وسیم اکرم، وقار خان وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی پنکی، ڈولی، مانو، وغیرہ پائی جاتی تھیں۔

بات پرانے زمانے کی اور چیزوں کی ہو رہی ہے تو پہلے زمانے میں ایک ہاتھ

والا پنکھا بڑے سے موٹے کپڑے کی شکل میں ایک بانس میں لگا چھت میں لٹکا ہوتا تھا جسے پورے ہاتھ میں رسی پکڑ کر چلایا اور ہلایا جاتا تھا اور یہ پورے کمرے میں ہوا دیتا تھا۔ آجکل کے لوڈ شیڈنگ کے زمانے میں اگر اسطرح کا ایک پنکھا ایک کمرے میں لگا لیا جائے تو کمرے بھر کے لیے کافی ہے۔ اسکے چلانے کا طریقہ واردات ایسا ہوتا تھا کہ اسکی رسی کو پکڑ کر ہلاتے رہیں، سوتے رہیں اور سوتے میں بھی رسی ہاتھ میں پکڑ کر سویا جاتا تھا اور وہ دری ٹائپ کا کپڑا ہل ہل کر پورے کمرے میں ہوا دے رہا ہوتا تھا۔ ذرا آنے والی گرمیوں میں یہ طریقہ آزما کر تو دیکھیں!

اسی طرح کچن آئٹم کی ایک ضروری چیز پھکنی ہوتی تھی، جس سے لکڑیوں کے چولھے میں ہوا دینے، بادام توڑنے، میاں کا سر پھوڑنے، یا بیگم کا بازو توڑنے کا کام لیا جاتا تھا۔ مگر یہ اوزار صرف لکڑیوں والے چولھے پر کام کرتا تھا، اب گیس والے چولھے آنے سے اسکے منفی اور مثبت دونوں کردار ختم ہو چکے ہیں۔ شاید کسی بندے نے اس چیز کو انٹیق کے طور پر رکھا ہو تو پتہ نہیں۔ اسی طرح ایک شے لوہے کا ایک بالٹی ٹائپ امام دستا بھی ہوتا تھا اور ساتھ میں اسکا ہتھوڑا ٹائپ ڈنڈا کوٹنے کے لیے۔ گھنٹوں کچن آئیٹم کو کوٹتے کوٹتے محلے والے بھی اسکی ٹک ٹک سے تنگ آ کر تھانے میں شکایت درج کرا دیتے تھے۔ آجکل اسکی جگہ گرائنڈر نے لے لی ہے اور منٹوں میں چیزوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا

ہے۔اسلیے اب اسکی اہمیت نہیں رہی۔ ہاں البتہ پرانے دیگیں پکانے والے نائی حضرات ابھی بھی لہسن ادرک اور دیگر مصالحہ جات وغیرہ کوٹنے کے لیے اسی انٹیق شے کا استعمال کرتے ہیں ، کہ اسکے کٹے مصالحوں کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ویسے اسکا دستہ ایمرجنسی میں کہیں لڑائی ، مار کٹائی میں بھی کام آ سکتا ہے۔ بیگم کا سر پھوڑتے خیال رہے کہ خون نہ نکلے کہ دفعہ 302 بھی لگ سکتی ہے !۔

پرانے زمانے میں خواتین رنگ برنگی چوٹیوں کا بھرپور استعمال کرتی تھیں جسے پراندہ اور گت بھی کہا جاتا تھا۔ روزانہ بالوں کو سنوارنا اور اسکی چوٹی بنانا یا بنوانا، سرسوں کا تیل چپڑنا بھی ایک ضروری کام میں شامل ہوتا تھا۔ اسوقت اگر میاں بیوی کی ناراضگی ہوتی تھی تو وہ بچے گھر میں رکھ کر بیوی کو چوٹی سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتا تھا۔ مگر آجکل ہاتھ سے پکڑ کر یا دھکے دیکر نکالا جاتا ہے کیونکہ آجکل کی پرکٹی لڑکیاں ان چوٹی سی چیزوں سے نابلد ہیں اور انکے اتنے بال ہی نہیں ہوتے کہ انہیں چوٹی کی جائے، نہ ہی اتنے ہوتے ہیں کہ انہیں ہاتھ میں پکڑا جائے۔ ان مٹھی بھر بالوں میں تو پونی بھی مشکل سے لگتی ہے۔ پچھلے زمانے میں بیوی بیچاری کو سجنے سنورنے کے لیے ایک تبت کریم ہی کافی ہوتی تھی۔ آج کے زمانے کی عورت پوری میک اپ کٹ منہ پر تھوپے تو تب جا کر ! کہیں دیکھنے والی شکل نکلتی ہے

پہلے زمانے میں فریج وغیرہ نہیں تھے اور لوگ مٹی کے کورے گھڑے گھروں میں رکھ کر انکا ٹھنڈا پانی پیتے تھے اور صحتمند رہتے تھے۔ بلکہ پہلے زمانے میں تو لوگوں نے لیٹرینوں میں بھی یہی کچے گھڑے رکھے ہوتے تھے کہ حسبِ ضرورت پانی لو اور استعمال کرو۔ آجکل اسکی جگہ فریج اور ڈیپ فریزر نے لے لی ہے۔ اب کسی کو گھڑے کا پانی استعمال کرنے کا کہو تو ڈنڈا اٹھا کر پیچھے لگ جائے۔ حالانکہ سائنس نے اسکی افادیت ثابت کر دی ہے، مگر پھر بھی لوگ فریج کی جان نہیں چھوڑتے۔ باسی کھاتے پیتے اور بیمار شیمار رہتے ہیں۔ پرانے زمانے کی ایک بات اور یاد آئی کہ اس زمانے میں لیٹرینیں گھر سے کوسوں دور بنائی جاتی تھیں اور رفع حاجت کے لیے ہر کوئی لوٹا اٹھائے پیٹ پر ہاتھ رکھے کھیتوں کی طرف بھاگ رہا ہوتا تھا۔ پھر یہ لیٹرین گھر کے قریب ہوتی ہوتی، قریب کے خالی پلاٹ میں آ گئی، پھر گھر میں داخل ہوئی اور اسے چھت پر بنا دیا گیا، پھر گھر کی چار دیواری میں کسی کونے کھدرے میں آئی، نکاسئ آب کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے جمعدار یا بھنگی دن بھر کا مال مواد۔۔۔۔۔ کسی ٹوکرے میں ڈال کر سر پر اٹھا لیجاتا تھا۔۔ کیسا!۔۔ چھی چھی چھی۔۔۔ پھر جدید دور آیا اور انگریزوں کی دیکھا دیکھی یہی لیٹرین گٹر سسٹم کے ساتھ اپچ باتھ کی شکل میں بیڈروم کے ساتھ ہی چپک گئی۔

پہلے زمانے کے کھیلوں میں گولیاں کھیلنا جسے چیدے بھی کہتے تھے ، بہت کھیلے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ لٹو چلانا اور انکا مقابلہ کرنا، بندر کِلا، پٹھو گرم، چور سپاہی، چھپن چھپائی، پرانی سگریٹ اور ماچس کی ڈبیوں کے تاش بنا کر انسے کھیلنا بھی پرانے لوگوں کے مشاغل میں شامل تھا۔ اسکے علاوہ لڈو اور جہاں بیٹھے وہیں لکیریں ڈال کر نو گوٹی یا بارہ گوٹی کھیلنا بھی انکے مشاغل میں شامل ہوتا تھا، یہ کھیل شطرنج سے ملتا جلتا ہوتا تھا۔ مذکورہ کھیل پر شرطیں اور پیسے بھی لگائے جاتے تھے۔ اسی طرح پرانے زمانے میں بچے کچی مٹی کے گھروندے بنا کر بھی کھیلتے تھے ، پر آجکل کے بچے موبائل یا ریوالور سے کھیلتے اور بات کرتے ہیں۔

پرانے زمانے میں آٹا ہاتھ والی چکی پر گھر میں پیسا جاتا تھا۔ پانی کے لیے خواتین بیچاری نلکا گیڑ گیڑ تھک جاتی تھیں یا کنوؤں سے بھر کر لاتی تھیں ۔۔ برتن اور کپڑے ہاتھ سے نلکے پر یا کنوے پر دھلتے تھے۔ روٹی ، ہانڈی لکڑیوں والے چولہے یا اوپلوں پر ہوتی تھی، خواتین کام کر کرکے سمارٹ اور صحت مند رہتی تھیں۔ آجکل آسائشوں کا دور ہے، خواتین محنت کرتی نہیں۔ ہر چیز آٹو میٹک۔ اوین میں چیز رکھی منٹوں میں تیار بیکنگ مشین میں آٹا ڈالا روٹی پک کر تیار۔ پر ہڈ حرامی کی وجہ سے خاتونِ خانہ خود کئی بیماریوں کا شکار۔ غرضیکہ پرانی تو بہت سی باتیں اور چیزیں کہ لکھنے پر آئیں تو ہزاروں صفحات بھر

جائیں۔ میرا خیال ہے کہ بس اتنا ہی کافی ہے۔

اب میرے ساتھ ساتھ آپ بھی آئندہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچیں کہ جب، اب کی ہر شے پرانی ہو جائیگی اور اس موبائل فون، ہوائی جہاز، خلائی شٹل اور کمپیوٹر وغیرہ کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھ کر انہیں پرانے زمانے کی چیز کہا کریں گے۔ تو سوچیے آئندہ آنے والا زمانہ کیسا ہوگا کہ جب ہوائی جہاز کی بجائے لیزر کی شعاؤں سے انسان سیکنڈوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جایا کریگا۔ چاند پر جانے کے لیے ہر ملک سے ہر گھنٹے بعد فلائٹ ملیگی اور لوگ پکنک منانے اور چھٹیاں گزارنے چاند پر جایا کریں گے۔ کئی دوسری دنیائیں دریافت ہو چکی ہونگی اور وہاں سے پیاری پیاری سی چھوکریاں امپورٹ ہو رہی ہونگی۔ انکی زبان سکھانے والے ادارے کھل چکے ہونگے۔ انسانوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بازار میں عام ہوگی اور بے اولاد جوڑے آلو پیاز ٹماٹر کی طرح بازار سے اپنی پسند اور نسل کے بچے بآسانی خریدا کریں گے۔ بلکہ شاہ رخ خان اور گوری کی طرح، نو ماہ کی شدید تکلیف بھگتنے کی بجائے شاید بیگمات بچے جننا بلکل ہی چھوڑ دیں، دوسروں کی کوکھ میں پلے پلائے بچے خریدنے کا رجحان عام ہو چکا ہوگا۔ دوزخ میں موجود بیوی موبائل فون پر رو رو کر زمین پر موجود شوہر کو اپنا حال سنا رہی ہوگی۔ ٹی وی چینلز کو دوزخ سے خواتین کی آہ و بکا کی لائیو کوریج کی اجازت ہوگی۔ انسانی جسم کے سپیئر پارٹس یعنی ہر حصہ تبدیل ہونے کے

لیے بازار میں عام دستیاب ہوگا۔انسان کی خوراک سمٹ کر ایک وٹامن کی گولی میں تبدیل ہو جائیگی۔شوہر اپنی بیوی کو اپنی پسندیدہ شخصیت، یعنی کسی بھی اداکارہ، گلوکارہ وغیرہ کی شکل میں بآسانی تبدیل کر کے مزے لوٹا کریگا۔بیس بیس سال پڑھ لکھ کر ڈاکٹر، انجینئر بننے کی بجائے تمام مواد ایک چپ کی صورت میں انسانی دماغ میں لگا دیا جائیگا اور ڈاکٹر، انجینئر تیار۔خون کے ایک ٹیسٹ سے تمام بیماریوں کا پتہ لگ جایا کریگا۔اور سب سے بڑی ایجاد یہ کہ عورت کے دماغ کو درست رکھنے اور اسے انگلیوں پر نچانے والا آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہوگا!مگر ٹھہریے! یہ آخری ایجاد مجھے کچھ خام خیالی سی لگتی ہے کہ انسان کے ارتقاء سے اب تلک تو اس مخلوق کے دماغی توازن کو درست رکھنے کی کوئی چیز ایجاد نہ ہوئی، تو کیا آئندہ یہ ممکن ہے؟؟؟؟ بتایئے گا ضرور۔۔

اچھا سیاستدان بننے کے طریقے؟؟

۷۸۶

سیاستدانوں کے بارے میں مشہور ہے کہ جو جتنا جھوٹ بولے اسے پھر بھی کالا کوا نہیں کاٹتا بلکہ وہ اتنا ہی اچھا اور مشہور سیاستدان بنتا ہے۔ بلکہ انکے بارے میں ملتان کے سوہن حلوے، خانپور کے پیڑے، حیدرآباد کی چوڑیوں کی طرح اور بھی بہت کچھ مشہور ہے مثلا: ایک لاکھ جھوٹے مریں تو ایک اچھا سیاستدان پیدا ہوتا ہے۔ ایک لاکھ مکر باروں کا جھوٹا کھاؤ پیو تو اچھی سیاست آتی ہے۔ ایک لاکھ عمرو عیاروں کے برابر عیاری اور ایک کروڑ لومڑیوں کے برابر چالاکیاں پیدا ہو جائیں تو پختہ سیاستدان بنتا ہے۔ مزید اچھا سیاستان بننے کے لیے بندہ صبح شام بیان بدلنے، جھوٹ بولنے اور وضاحتیں دینے میں ڈپلومہ ہولڈر ہو۔ پارٹیاں بدلنے میں پی ایچ ڈی ہو۔ حلال حرام کی تمیز ندارد۔ رات کے بارہ کے بعد سو کر صبح بارہ کے بعد اٹھے۔ سارا دن فون پر گپ شپ یوں کرے جیسے دوسری طرف میرا جی ہوں۔ جھوٹ ایسا بولے کہ کسی ڈیٹیکٹر سے بھی پکڑا نہ جائے۔ نت نئے طریقے سے ایسا لوٹا بنے کہ اصلی لوٹا بھی شرما جاوے۔ جعلی ڈگری لینے میں ڈگری یافتہ ہو۔ (تضاد دیکھیے کہ لوگ یہاں بیس بیس سال پڑھ پڑھ کر گنجے ہو جاتے ہیں پھر ڈگری ملتی ہے۔ یہ بغیر پڑھے جعلی

ڈگریاں لیکر اصلی ڈگری والوں پر حکمرانی کرتے نظر آتے ہیں)۔

اسکے علاوہ روزانہ بیان ایسا دے کہ پڑھنے والا حیران پریشان ہو کر اپنا سر پیٹ لے کہ اس نے کل کیا کہا تھا اور آج کیا؟ رشوت کو ایسے حلال جانے جیسے اسکے باپ کا مال ہو، اور ایسے لیوے کہ دوسرے ہاتھ کو تو کیا خود کو بھی پتہ نہ لاگے۔ چکمہ ایسے دیوے کہ کبڈی اور کشتی کے کھلاڑی اور دیکھنے والے بھی حیران ہو جاویں۔ پینترا ایسے بدلے کہ اسکی گھر والی کو بھی خبر نہ ہو۔ قرض لیکر لوٹانے کا نام نہ لیوے یا معاف کرانا اپنا حق جانے، یا اپنے باپ کی چھوڑی جاگیر کا مال جانے۔ (تضاد دیکھیے کہ اگر کوئی عام آدمی یا کوئی بیوہ کسی بنک کا چند ہزار کا قرض نہ لوٹائے تو چند ماہ بعد انکے نام اخبارات میں اور چرچے ہر زبان پر ہوتے ہیں۔ انکی زمین جائداد فار سیل ہو جاتی ہے اور پکڑنے کے لیے پولیس گھر پہنچ جاتی ہے۔ یا پھر وارننگ لیٹر اور کچھ روز بعد انکا نمائندہ اکیلا اور مزید دیر کرنے پر بمعہ پولیس یا وکیل نادہندہ کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ وہ کونسے ایسے خوش نصیب سلیمانی ٹوپی پہنے سیاستدان یا افراد ہوتے ہیں کہ جن کے اربوں روپے کے قرضے ان اداروں کو نظر نہیں آتے، نہ ہی ان کے نام اخبارات میں آتے ہیں نہ ہی بنکوں کے نمائندے، وکیل یا پولیس والے انہیں تنگ کرتے ہیں)۔ انکم ٹیکس دینے کو گناہِ کبیرہ جانے۔ (تضاد دیکھیے کہ ایک تنخواہ دار ملازم کی تو تنخواہ ہی ٹیکس

کٹوتی کے بعد ملتی ہے۔ جبکہ ہمارے نام نہاد ممبرانِ اسمبلی بغیر این ٹی این نمبر کے اسمبلیوں میں فراش، کئی تو اتنے غریب کہ کروڑوں الیکشن پر لگا دیے، پر نہ گھر نہ گاڑی نہ در۔ اربوں کی آمدن پر صرف چند ہزار ٹیکس، واہ رے کیلکولیشن ! غریب آدمی اگر اپنا پیٹ کاٹ کر کوئی ایک آدھ پلاٹ یا مکان بنالے تو وہ بھی ایف بی آر کی نظروں میں آجاتا ہے ،پر بڑے لوگوں کی اربوں کی پراپرٹی اور بینک بیلنس انہیں ہوائی مخلوق کی طرح نظر ہی نہیں آتے ۔پتہ نہیں کونسی نظر سے دیکھتے ہیں کہ صرف ہرا ہرا ہی دکھتا ہے۔

انکے بنک اکاؤنٹ میں رقم آجائے انہیں پتہ ہی نہیں چلتا اور نہ کوئی پوچھتا ہے۔ غریب آدمی اگر کسی سے چند ہزار ادھار کے بھی آن لائن ٹرانسفر کرالے تو انکم ٹیکس والے پیچھے پڑجاتے ہیں)۔پاکستانی اکاؤنٹ میں ہزاروں اور غیر ملکی اکاؤنٹوں میں کروڑوں اور اربوں پڑے ہوں ، پر پھر بھی فقیروں کی طرح مانگتا پھرتا ہو۔ مخالفانہ دھرنوں، مظاہروں اور جلسے جلوسوں سے جھوٹی تسلیاں اور لارے دیکر نمٹنا بخوبی جانتا ہو۔سرکاری فنڈز کے غلط استعمال کا صحیح طریقہ بھی بخوبی آتا ہو۔مفاد پرستی میں اس حد تک آگے چلا جائے کہ دین اور ایمان تک بیچ دیوے۔اپنی دم پر پاؤں آتا دیکھے تو اپنے سگوں کو بھی ٹھکانے لگا سکے۔اسمبلیوں میں ایک دوسرے پر جوتے اور گالیوں کے گولے برسانے میں ماہر ہو، پر اجلاس ختم ہوتے ہی دوست دشمن اکٹھے ٹھٹھے مارتے ہنستے

کھیلتے ، بانہوں میں بانہیں ڈالے باہر نکلے، کھاتے پیتے موج اڑاتے سوچے کہ آج ایک بار پھر بیوقوف پاکستانی عوام کو مزید بیوقوف بنادیا !۔

اسکے علاوہ کمیشن کو منڈی کے آڑھتی کا کمیشن سمجھ کر حلال جانے۔ نوکر چاکر کی فوج ایسے آگے پیچھے رکھے کہ جیسے اسکے باپ پڑدادا وراثت میں دے گئے ہوں۔پاکستانی عوام کو اچھوت اور اپنی رعایا جانے کہ انکے ساتھ جو مرضی آئے کیتی جاؤ۔ اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور کی حکومت کو شودر جانے۔بڑھکیں مارنے میں مولاجٹ کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ اپنے حلقے میں صرف ووٹوں ، لوٹوں اور نوٹوں کے لیے نظر آئے۔ باہر کے ممالک کے دوروں کا ایسا شوقین ہو جیسے شیخ صاحب سگار کے ۔ سات ستارہ ہوٹل سے نیچے رہنے کو توہین جانے۔ٹی وی ٹاک شوز میں کشتی اور کبڈی ایسے لڑ سکتا ہو کہ ہارنے کا چانس دیکھتے ہی لائیو پروگرام سے اٹھ کر بھاگ جائے ۔کار ، بنگلہ ، کوٹھی،زیورات، کاروبار سب کچھ ہوتے ہوئے بھی غریب ، مسکین اور مستحقینِ زکوۃ میں سے لگے۔ آنکھوں میں دھول جھونکنے میں ایسا ماہر ہو جیسے گھر والیاں گھر کے خرچے میں ڈنڈی مار کر غریب شوہروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہیں ۔ بے وفائی اور وعدہ خلافی اسکی گھٹی میں ایسے ہو جیسے امریکیوں کی۔ میں نہ مانوں جیسا تکیہ کلام اسکا ایسا تکیہ ہو کہ ٹھیک کو بھی ایسے غلط مانے جیسے میرا صاحبہ نکاح اور ولیمہ ہونے کے باوجود بھی شادی سے انکاری ہیں۔ ویسے بائی داوے آپنے کبھی سنا کہ

کسی لڑکی کی شادی تو ہوئی ہو پر نکاح اور ولیمہ نہ ہوا ہو؟؟؟؟ وعدہ کرکے بھی کسی کا کام نہ کرے جیسے آجکل لڑکیاں فونوں پر بہت سے وعدے کرکے مکر جاتی ہیں۔

مزید یہ کہ ایک سے زیادہ شادیوں ،لڑکیوں کا شوقین اور رسیا ہو۔ ہنی مون ایسے منائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ مکے لہرانے اور باکسنگ میں ماہر ہو، پر جہاں لڑنے کی بات آئے تو دم دبا کر بھاگ جائے۔ جس طرف کی ہوا چلے اسی طرف چل پڑے، چاہے ہوا کا رخ دشمن ملک کی طرف ہی کیوں نہ ہو۔ محکمہ غلط موسمیات کی طرح عوام کو مختلف قسم کے جعلی طوفانوں سے ڈرانے کا فن بخوبی جانتا ہو۔اسکا اپنا پورا خاندان امریکن نیشنل ہو، پر عوام کے سامنے امریکہ کو دشمن بتائے اور انکے پتلے جلائے۔

وزارت اور مال نہ ملے تو تحفظات ،مِل جائے تو سکون کی دن رات۔ کمیشن یا باہر کا دورہ نہ ملے تو فوراً بدک کر اپنے ہی ساتھیوں کے پول کھولنا شروع کر دے۔ عہدے سے استعفی دینا اور پھر کسی عوام؟؟ کی بھرپور ڈیمانڈ؟ پر واپس لینا جانتا ہو۔ ٹسوے بہا کر عوام کو رلانے کا فن بھی جانتا ہو۔۔۔۔ دہشت گردوں کے خلاف

کاروائی کو پاکستان کے خلاف کاروائی جانے۔ دہشت گردوں کا نام ڈر ڈر کر لے۔ لارا لپا لارا لپا لائی رکھے۔ خود کچھ نہ کرسکے تو ملبہ ہم سب کی طرح دوسروں پر ڈال دے۔

اپوزیشن میں ہو تو پاکستان کا مستقبل ہمیشہ تاریک جانے

اور نام نہاد جعلی نجومیوں کی طرح پاکستان ٹوٹنے کو پیشنگوئیاں با آسانی کرتا رہے۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہانے کے دعوے اتنی آسانی سے کرے جیسے شیریں فرہاد کے خاندان سے رشتہ داری ہو۔ اداکاراؤں اور کھلاڑیوں سے اچھے تعلقات رکھتا ہو۔ سرکاری دوروں پر اربوں خرچ کر ڈالے اور ڈکار بھی نہ لے !بڑے ملکوں سے بھیک مانگنے میں پکے بھکاریوں کو بھی شرما دیوے۔ کبھی کبھی انور مقصود ٹائپ بیان دیوے جو کئی روز بعد عوام کی سمجھ میں آئیں اور وہ اپنا گنجا سر پیٹیں ۔امپورٹڈ اشیاء استعمال کرے، لوکل اشیاء کو گھٹیا جانے۔ الیکشن سے پہلے حلقے کی ہر غمی خوشی میں بھاگ بھاگ کے جاوے ، پر جیتنے کے بعد دیدار کو بھی ترساوے اور پہچاننے سے بھی انکاری ہو۔ جیب میں نہیں دھیلا تے کردی پھرے میلا میلا کے مصداق خزانہ خالی میں بھی عوام کو سبز باغ دکھانے کا ماہر ہو۔پل کی خبر نہ ہو پر عوام کو پچیس پچیس سالہ منصوبوں کے پیچھے سردار کی بتی کی طرح لگاوے۔ پاکستانی عوام کے سامنے بڑھکیں مارے اور غیر ممالک میں جا کر بھیگی بلی بن کر تراہ نکلوا آئے۔ توند اتنی نکلی ہو کہ بچے فٹ بال اور جمپنگ والا کھیل آسانی سے کھیل سکیں۔ مٹی تے سواہ پانے میں ماہر ہو۔ بندے ایسے اٹھوائے اور غائب کرائے جیسے کہ کبھی پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔ مخالفین کو اور اسکے گھر والوں کو اٹھانے اور بلیک میلنگ میں ایسا ماہر ہو جیسے مائیکل شوماکر فیراری ریس میں، یا ما دھوری ڈانس میں۔خطاب کرنے میں ایسا ماہر ہو کہ جید علماء اور مقرر کو بھی پیچھے چھوڑ

کر لوگوں کو سانپ سونگھا دے۔اپنی اولاد امریکہ میں پڑھائے لکھائے، پاکستانی غریب عوام کو پیلے کالے اسکول میں ٹاٹ بھی مہیا نہ کرے، بلکہ انکی تعلیم کا تو سرے سے مخالف ہو۔گھر والی کی ناراضگی برداشت کرے پر امریکہ کی نہیں۔ عوام کی خدمت میں دن رات گھلنے کا راگ گلوکاروں سے اچھا گا سکے۔الیکشن پر کروڑوں لگائے پر کسی مانگنے والے کو دھیلا بھی نہ دے، بلکہ الٹا اسکی دن بھر کی کمائی اینٹھنے میں ماہر ہو۔نماز قرآن سے ایسا دور ہو کہ ایک چھوٹی سی قرآنی سورت بھی زبانی نہ پڑھ سکتا ہو۔بھوکی ننگی عوام میں ہزار دو ہزار بانٹ کر ایسے اکڑ رہا ہو جیسے کہ انہیں مریخ پر گھر بنادیے ہوں۔ہر غلط واقعے کا فوری نوٹس لے اور شام تلک وہ نوٹس واپس کروا کر الٹا اسی بندے کو ڈھکوادے۔تھانے، کچہری کی سیاست کا ایسا ماہر ہو جیسے زبیدہ آپا کھانے پکانے میں۔ایک بھائی تھانے میں ڈھکوانے میں ماہر ہو اور دوسرا ہمدردی جتا کر، لے دے کر چھڑانے میں ماہر ہو۔پولیس سے اپنا حق وصول کرنا ایسے ہی جانتا ہو جیسے قانونی جائداد میں حصہ۔ غنڈے پالنا اور انسے جائز؟؟؟کام لینا بخوبی بلکل ایسے جانتا ہو جیسے مرحوم امریش پوری لیا کرتے تھے۔عرب شیخوں کی طرح ہر پسندیدہ شے کو اٹھوانا اسکے الٹے ہاتھ کا کام ہو۔غیروں کے ملک میں بیٹھ کر پاکستان کی یاد میں ٹسوے بہانا بخوبی جانتا ہو۔جمہوریت میں جمہوریت کے ساتھ اور ڈکٹیٹر شپ میں ڈکٹیٹروں کے ساتھ ایسے لگا رہے کہ جیسے۔۔۔۔وہ گانا ہے نہ کہ۔۔ہم تم سے جدا ہو کر۔۔۔ مر جائیں گے رو رو

کے۔۔! ۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔ بس کر و شفیق صاحب ! ملک میں رہنا ہے کہ نہیں ؟۔۔۔

اچھا جی، چلیں آپ کہتے ہیں تو بس کیے دیتے ہیں، ورنہ ان پر تو اور بھی بہت سا تبرا بھیجا جا سکتا ہے۔

تو جناب ! مذکورہ تمام خوبیاں جس انسان میں ہوں وہ ایک بہت ہی اچھا سیاستدان بن سکتا ہے۔

رائے دیجئے اور انعام جیتیے

۷۸۶

محترم قارئین ۔ السسلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ سب لوگ بخیریت ہونگے۔
عرصہ دراز سے آپ لوگ اس ناچیز کے آرٹیکلز پڑھتے آرہے ہیں ۔ پسند ناپسند بھی کرتے ہیں، کمینٹس بھی دیتے ہیں، خوشی اور ناراضگی کا اظہار بھی کرتے ہیں، کبھی کبھی ماموں بھی بن جاتے ہیں، کبھی کبھی چونا بھی لگوا لیتے ہیں، کبھی کبھار الو بھی بن جاتے ہیں اور قاری خواتین بلخصوص مجھ ناچیز سے ناراضگی کا اظہار بھی کرتی رہتی ہیں ۔تاہم اس آرٹیکل کے ذریعے میں آپ لوگوں سے اپنے آرٹیکلز کے بارے میں چند مندرجہ ذیل سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ تھوڑا سا ٹائم نکال کر بھرپور جواب دینگے۔ جس سے کہ مجھے اپنی اصلاح کرنے میں بہت مدد ملیگی؟

1۔ کیا آپ کو میرے آرٹیکلز اچھے لگتے ہیں ؟ اور یہ کہ کیا ان آرٹیکلز کو پڑھ کر واقعی کچھ ہنسی آتی ہے؟ (پچاس سے زائد آرٹیکلز اس سائٹ پر لگے ہوئے ہیں)

۔ میرے آرٹیکلز میں غلطیوں کا تناسب کتنا ہوتا ہے۔؟2

۔اگر میں ان تمام آرٹیکلز کو ایک کتابی شکل میں شائع کراؤں تو کیا یہ کتاب مارکیٹ 3 میں کامیاب ہو سکے گی؟

۔کیا آپ کسی ایسے پبلشر یا ادارے کو جانتے ہیں جو اس کتاب کی پروف ریڈنگ، 4 پرنٹنگ، پبلشنگ ،مارکیٹنگ اور دیگر تمام امور اپنے خرچ پر انجام دے سکے؟

دس بہترین آرا کنندگان کو یہ کتاب بذریعہ کوریئر مفت ارسال کی جائیگی۔ (چھپنے کے بعد)۔آپ اپنی آرا نیچے دیے گئے بلاگ میں پوسٹ کر سکتے ہیں، میسج کر سکتے ہیں اور ای میل سے بھی بھیج سکتے ہیں۔

اپنی قیمتی آرا سے جلد نوازیے گا۔ شکریہ۔

نا چیز۔ محمد شفیق احمد خان ۔ کوٹ ادو

فون: 2534320-0300 ,6017660-0333

ای میل:sfars786@hushmail.com

فیس بک : facebook.com/shafiq.khan.1291

ٹوٹر:twitter.com/sfars786

سگریٹ پینے کے بے شمار فوائد !

۷۸۶

کون کہتا ہے کہ ملاقات نہیں ہوتی۔۔۔۔ روز ملتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ اسی طرح: کون کہتا ہے کہ سگریٹ پینے کے صرف نقصان ہی نقصان ہیں، فائدہ کوئی نہیں؟ ہمارے للو میاں کی اپنی جو روسے حکیمانہ گفتگو سنیں تو آپکو بھی پکا یقین ہو جائیگا کہ سگریٹ صرف نقصان دہ ہی نہیں بلکہ بہت ہی فائدے اور کام کی شے بھی ہے۔ یقین نہیں آرہا تو پڑھ کر دیکھیے۔

بیگم للو میاں جو کہ ہمیشہ کہ طرح کسی نامعلوم وجوہ کی بنا پے کئی روز سے برین لیس تھیں، للو میاں کو گھر میں سگریٹ پھوکتے دیکھ کر پھر گھیر لیا کہ : یہ کیا آپ سارا دن گھر میں سگریٹ پھوک پھوک کر ریلوے اسٹیشن یا بس اڈا بنا رکھتے ہو؟ جدھر دیکھو سگریٹ کے ٹوٹے نظر آتے ہیں کہ جیسے یہاں چرسی ، موالی بستے ہوں اور میں جھاڑو دے دے کر گوڈے گٹے گھسا بیٹھتی ہوں۔ ایش ٹرے آپ استعمال نہیں کرتے، جہاں دیکھا سگریٹ پھونک کر پھینک دی۔ اوپر سے یہ آپکی کھانسی اور آئے روز کا زکام جسکا وائرل اور بکٹیریل انفیکشن دوسرے بچوں کو بھی آئے روز بیمار کیے رکھتا ہے۔ ایک روز یہ آپکے لاڈلے چھوٹے

میاں سگریٹ کی ڈبی اور ماچس میرے پاس اٹھا لائے کہ مما مجھے سگریٹ سلگا کر دو میں بھی پاپا کی طرح سے سگریٹ پیونگا! اور بڑے صاحبزادے بھی آپکی دیکھا دیکھی اکثر آپ کی ڈبیوں سے سگریٹ چرا کر باہر دوستوں کے ساتھ سگریٹ پارٹی مناتے رہتے ہیں، دیکھے ذرا کتنے ہیں نقصان آپ کی اس سگریٹ نوشی کے ؟۔ للو میاں کچھ دیر تو بیگم کی چک چک بک بک سنتے رہے پھر گویا ہوئے کو دیکھو بیگم :

یہ سگریٹ بڑے کام کی شے ہے اور اسکے فوائد بھی بہت ہیں۔ اللہ پاک نے کوئی بھی شے بے فائدہ پیدا نہ کی ہے۔ اب دیکھو نہ کروڑوں لوگ سگریٹ پیتے ہیں، جس سے کہ سگریٹ بنانے کی فیکٹریاں چل رہی ہیں اور لاکھوں لوگوں کا روزگار لگا ہوا ہے۔ ہر سال حکومت اربوں روپے ٹیکس اس صنعت سے وصول کرتی اور ہڑپ کر جاتی ہے، جس سے کہ اسکی دال روٹی چل رہی ہے۔ سگریٹ پینے والے کو دانت صاف کرنے کو ٹوتھ پیسٹ یا منجن بھی ضرورت پڑتا ہے۔ اسطرح ان اشیاء بنانے والی فیکٹریوں کی روزی اللہ پاک نے ان سگریٹ نوشوں کے ذریعے لگائی ہے۔ کچھ لوگوں کو ریلیکس رہنے کے لیے سگریٹ کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ وہ غصے میں آکر بیگم کا سر سمیت کچھ بھی پھوڑ سکتے ہیں، لہٰذا فائدہ۔ کچھ لوگوں کا دماغ سگریٹ پینے کے بعد ہی کام شروع کرتا ہے، لہٰذا، خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر دار کا سا مہنگا نسخہ استعمال کرنے کی بجائے یہی کام ایک دو روپے کی سگریٹ میں پورا ہو جاتا

!ہے۔ ہے نہ فائدہ

ایک خبر کے مطابق امریکی صدر اوبامہ نے بیوی کے ڈر سے سگریٹ چھوڑ دی۔ ہے نہ بیوی کا فائدہ۔ ہم نے کچھ ڈرپوک قسم کے ایسے شوہر بھی دیکھے ہیں کہ جو بیوی کے ڈر سے سگریٹ پیتے ہی گھر سے باہر جا کر ہیں۔ ایک روز گھر کے باہر ایک بیگم نے میاں کو رنگے ہاتھوں سگریٹ چڑھاتے پکڑ لیا۔ میاں صاحب بیگم کو دیکھتے ہی کش کا لگایا گیا دھواں تو اندر پیٹ میں ہی سڑک گئے، پر سگریٹ نہ بجھا پائے اور گھبراہٹ اور جلدی میں جلتی سگریٹ چھپانے کے لیے قمیض کی جیب میں ڈال دی اور پھر قمیض کا ستیاناس۔ یوں کلاتھ ہاؤس اور درزیوں کا فائدہ۔ اکثر سگریٹ پینے والوں کے کپڑوں پر جلتی سگریٹ کا ٹکڑا یا گل کرنے سے سگریٹ نوشوں کے کپڑوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں اور وہ آئے روز رفو گر کے پاس ٹانکے لگوا رہے ہوتے ہیں۔ ہے نہ فائدہ۔مزید سنو کہ سگریٹ صرف مرد حضرات ہی نہی سوتتے، تمہاری یہ معصوم اور کئی نیک نام خواتین اور اسکول کالج کی لڑکیاں بھی اس شوق میں مردوں کا بھرپور ساتھ دے رہی ہیں اور خالی اور بھری دونوں ہی سگریٹ بڑے شوق سے پیتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو آؤ یو ٹیوب پر انکی فل ایکشن فلمیں دکھاؤں۔ہے نہ یو ٹیوب والوں کا فائدہ!

اسکے علاوہ سگریٹ پینے سے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔ اسطرح بندہ دانتوں والے

ڈاکٹر کے پاس جاتا آتا رہتا ہے، جس سے کہ اسکے روزگار میں آئے روز اضافہ ہو تا ہے۔ اب اتنا پیسہ ایک عام ڈاکٹر نہیں کماتا جتنا کہ دانتوں والا ڈاکٹر کما لیتا ہے۔ ڈاکٹر ایک دانت ٹھیک یا صاف کرتا ہے تو اسی دوران دوسرے پر ہلکا سا رگڑا لگا دیتا ہے کہ مریض بار بار آئے اور ان دونوں کا ساتھ تا عمر برقرار رہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کو رفع حاجت کے لیے بھی سگریٹ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ شوق وہ لیٹرین میں ہی پورا کرتے ہیں۔ فراغت کے بعد انہیں لیٹرین میں ایئر فریشنر ضرور مارنا پڑتا ہے، تاکہ بیگم کی مار سے بچے رہیں۔ لہٰذا ان فریشنر والوں کی کمائی۔ کچھ لوگ جیب میں الائچیوں کی ڈبی بھی رکھتے ہیں کہ سگریٹ سے فراغت پاتے ہیں الائچی منہ میں ڈال لی کہ باس کے آگے بات کرتے سگریٹ کی باس نہ آئے، الائچیوں والوں کا فائدہ۔ تاہم کچھ لوگ سگریٹ اتنا انوولو ہو کر پیتے ہیں کہ انکے انگ انگ اور کپڑوں وغیرہ میں سے بھی سگریٹ کی باس آ رہی ہوتی ہے۔ اسکے لیے ایک صاحب کافور کے جیسے عطر کی شیشی ہر وقت جیب میں رکھتے ہیں اور ہر سگریٹ سے فراغت کے بعد تھوڑا سا عطر کا لیپ دے لیتے ہیں، تو ہوا نہ عطر بنانے والوں کا فائدہ۔

بد نام نہ ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا: اب تم ہی بتاؤ کہ اگر لوگ سگریٹ نہیں پئیں گے تو دل کے مریض کیسے بنیں گے؟ اور پھر اسطرح ہفتہ واری یا ہر پندھرواڑے دل والے ڈاکٹر کے پاس جا کر اسکا روزگار بھی چلانا ہوتا ہے۔ دل

کی اسی فیصد بیماریاں سگریٹ نوشی سے ہوتی ہیں۔ اگر لوگ سگریٹ پینا چھوڑ دیں تو یہ دل والے دلہنیا، مطلب پیسا کہاں سے کمائیں گے، اور کہاں جائیں گے؟ اور پھر ان ڈاکٹروں سے ہزاروں لوگ لنک ہوتے ہیں۔ مثلاً: آپریشن تھیٹر میں کام کرنے والے، آپریشن کی اشیاء بنانے والے، انجیو گرفی، انجیو پلاسٹی، بائی پاس کا سامان بنانے اور دیگر ادویات بنانے والے آخر کہاں سے روٹی شوٹی کھائیں گے۔ ہم سگریٹ نہ پئیں تو یہ لوگ فاقوں مر جائیں گے جو کہ ہمیں گوارا نہیں۔مزید یہ کہ سگریٹ نوش لوگ جو روٹی کی بجائے ماہانہ سینکڑوں گولیاں کھاتے ہیں انکے بنانے والوں کا کیا بنے گا؟ پھر انسے ریلیٹڈ لوگ، میڈیکل اسٹور والے، دوائیاں سیل کرنے والوں کی روزی کا کیا بنے گا؟ ہے نہ فائدہ!

ارے ہاں ایک اور فائدہ تو بھول ہی گیا کہ سگریٹ پینے سے سانس کے مریضوں میں اضافہ، کھانستے، غراتے، بلغم نکالتے، نابولائز ہوتے، پف لیتے مریضوں کا پھیپھڑوں والے کے ڈاکٹر کے پاس رش۔ ڈاکٹر کی تمام انگلیاں اور سر دیسی گھی کی کڑاہی میں۔ غرضیکہ سگریٹ کے فائدے ہی فائدے ہیں۔ ڈاکٹر تک جانے کے لیے گاڑی، ڈرائیور، ڈیزل، پٹرول کی ضرورت، اس طرح روزگار کے مواقع، ڈیزل، پٹرول کی کھپت سے حکومت کو اضافی آمدنی، ریفائنریوں کا فائدہ ہی فائدہ۔

بہت سے لوگ دل کی اور سگریٹ سے لگی دوسری بیماریوں کے لیے حکیم اور ہومیو ڈاکٹروں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ اگر مریض کم پڑ گئے تو انکے روزگار کا کیا ہوگا کالیا۔ اسکے علاوہ ہومیو ادویات تو جرمنی، آسٹریا اور فرانس تک سے آتی ہیں ہیں، تو گورے تو بھوکے مر جائیں گے اگر ہم لوگوں نے سگریٹ چھوڑ دی تو۔ اور یہ کہ ہمارے دو نمبر بھائی جو گھروں میں دو نمبر ادویات بنا کر دوسروں کو مزید بیمار کرتے اور خود جہنم کماتے ہیں تو انکا کیا بنے گا؟۔ اسکے علاوہ یہ کہ سگریٹ پینے والے کچھ لوگوں کو تو بلکل بھوک ہی نہیں لگیتی اسطرح وہ روٹی کم کھائیگا، انکے گھر کے اخراجات میں کمی، کیسا؟ ہے نہ ایک اور فائدہ۔ کبھی کبھار کسی شوہر کی بیوی صرف سگریٹ نوشی کی وجہ سے اسکا گھر چھوڑ جاتی ہے، میاں کی خوش نصیبی۔ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی، رنگ چوکھا آئے۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ اچانک کبھی کوئی زخم لگ جائے اور کوئی دوا دستیاب نہ ہو تو سگریٹ پی کر اسکا گل زخم پر لگا دو، زخم ٹھیک، ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ بچوں سے کبھی سگریٹ منگاؤ تو باقی کی رقم کبھی نہیں لوٹاتے اور اپنی جیب گرم رکھتے ہیں۔ ہے نہ بچوں کا فائدہ۔ سگریٹ کی خالی ڈبیوں سے مختلف قسم کے شاہکار بنائے جاتے ہیں، ہے نہ فائدہ۔ مچھر اگر کسی بھی دوائی یا سپرے سے نہ بھاگ رہا ہو تو سگریٹ کی دھونی دے دو، نظر ہی نہیں آئے گا۔ ہے نہ فائدہ۔

اسکے علاوہ اور فوائد سنو: کسی بھی نشئی کو ایک سگریٹ میں مال بھر کر پلادو

اور سارا دن جو مرضی آئے کراتے رہو۔ فائدہ ہی فائدہ۔ اشتہاری کمپنیاں آئے روز نئے نئے اشتہائی اشتہار بازی سے کروڑوں کما رہی ہیں اور ہزاروں لوگ وابستہ، تو انکا فائدہ۔ ماڈل، اداکار اور اداکاراؤں کی روزی روٹی۔ ٹی وی، ریڈیو، اخبارات اور رسائل میں مشہوری سے انکے روزگار میں لگے لوگوں کا فائدہ۔ کوئی کام نہ ہو تو سگریٹ پیو، ساتھ چائے پیو ٹائم پاس کرنے کا اچھا نسخہ۔ پھر بیمار ہو کر ڈاکٹر کے پاس، مذکورہ تمام فوائد پھر ایک بار پھر! تمباکو اگانے والے زمینداروں کے تو وارے نیارے ہوتے ہیں کہ سگریٹ کا تمباکو اگاؤ اور لاکھوں کماؤ، گھر کے لیے مفت لاؤ، حقے میں ڈالو اور سوٹے لگاؤ۔ ساتھ ساتھ زمینوں پر کام کرنے والے لاکھوں لوگوں کا فائدہ کہ انہیں بھی حقے کے لیے تمباکو زمینوں سے فری مل جاتا ہے۔ ہے نہ فائدہ۔

اسی طرح آجکل ٹرپل فائیو یا گولڈ لیف کی سگریٹ کی ڈبی جیب میں رکھنے اور پینے کو مردانگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے کئی لونڈوں کو گلی کے نکڑ پر اسٹائل اور ایکشن میں سگریٹ پی کر لڑکی پٹاتے بھی دیکھا ہے! تو ہے نہ فائدہ۔ سگریٹ کی ڈبی بنانے والے پریس والوں کا فائدہ، مارکیٹنگ کمپنیوں کا فائدہ، پان والوں کا فائدہ کہ بہت سے لوگ پان سگریٹ اکٹھے چلاتے ہیں۔ پھر پان اگانے والوں کا فائدہ، پان میں ڈالنے والے دیگر لوازمات بنانے والوں کا فائدہ۔ بہت سے حضرات سگریٹ میں مختلف مصالحہ؟؟؟؟؟ ،جات بھر کر پیتے ہیں

لہٰذا ان مصالحے ؟؟؟؟ بنانے والوں کا فائدہ۔ گھر میں ابا سگریٹ کی وجہ سے بار بار بیمار، بچوں کی عیش در عیش۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ سگریٹ سلگانے کے لیے ماچس اور لائٹر کی ضرورت ، انکے بنانے والوں کا فائدہ۔

مزید فائدے یہ کہ کسی بڑے عہدے کے بندے سے اگر کام نکالنے ہوں اور وہ سگریٹ کی لت میں مبتلا ہوں تو دو چار ڈنڈے اچھی سی سگریٹ برانڈ کے اس تک پہنچادیے جائیں تو کام نکالنے میں آسانی، ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ سگریٹ کی ایک جدید شکل سگار ہے اور یہ بڑے لوگوں کا مرغوب نشہ ہے۔ کولمبیا یا ارجنٹائن سگار کے دو چار پیکٹ کسی افسر کو ٹکا دو تو مہینوں کا کام دنوں میں انجام۔ باہر کے ممالک سے آنے والے ہمارے پاکستانی بھائی اپنے دوستوں کو رام اور راضی کرنے کو سگریٹ کے بڑے بڑے ڈنڈے لاکر تحفے میں دیتے ہیں ۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ جوانی میں ایک بار ہمیں ہانگ کانگ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے بائی ٹرین چین جانے لگے تو ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ واپسی پر فلاں سگریٹ کے کچھ درجن پیکٹ لاکر ہانگ کانگ میں بیچ دینا، آنے جانے کا خرچہ نکل آئیگا۔ پھر ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔ بچپن میں ہم لوگ پرانی سگریٹ کی ڈبیوں کے تاش بنا کر ان پر پیسے لگا لگا کر کھیلا کرتے تھے اور اچھی خاصی دیہاڑی بن جاتی تھی۔ مرا ہاتھی سوا لاکھ کا کے مصداق سگریٹ کی تو خالی ڈبی بھی کار آمد تھی۔ آجکل بھی بیچارے کوڑا چننے والے ان ڈبیوں کو چن

کر بیچتے اور روزی کماتے ہیں اور ہیرو ئنچی حضرات کے لیے اس سگریٹ کی ڈبی کی پنی نشہ کرنے کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔

بیگم للو میاں نے اتنے سارے فائدے سنے تو للو میاں کو کہا کہ لاؤ پھر ایک سگریٹ میرے لیے بھی لگادو اور تمام بچوں کو بھی صبح دوپہر شام پلاؤ تاکہ مزید لوگوں کا فائدہ اور بھلا ہو۔ للو میاں بیگم کی یہ بات سن کر کچھ سٹپٹا سے گئے اور فوراً ہی سیاستدانوں کی طرح اپنے دیے گئے تمام بیانات سے مکر گئے کہ سوری بیگم وہ سب تو بس ایویں ہی جھوٹ تھا، ورنہ سگریٹ کے تو صرف نقصان ہی نقصان ہیں۔ ویسے صرف تم، صرف تم چاہو تو بھری ہوئی سگریٹ کی عادت لگا لو تاکہ بیماریوں کا مجموعہ بنکر جلد اوپر سدھار کر میری جان چھوڑ سکو! اسکے بعد ٹام اینڈ جیری کی طرح للو میاں آگے آگے اور بیگم بیلن لیکر اسکے پیچھے پیچھے! مزید بتانا بھی ضروری ہے کیا؟؟؟

شوہر بیویوں سے کیوں ڈرتے ہیں؟وجوہات؟

بندہ کتے بلی سے ڈرے، جن، چڑیل، بھوت سے ڈرے، ریچھ یا شیر سے ڈرے، اوبامہ یا طالبان سے ڈرے،اللہ سے ڈرے پر یہ شوہر کی بیوی سے ڈرنے والی بات کچھ پلے نہیں پڑتی کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو اس صنفِ نازک سے اتنا ڈرتے ہیں کہ انڈیا میں ان بیویوں کے ستائے شوہروں نے جلوس تک نکال لیا۔ اب دیکھیں نہ کہ امریکی صدر اوبامہ جیسے پاور فل شخص سے پوری سے دنیا ڈرتی ہے پر اس بغلول نے کینسر یا دمے کے ڈر سے سگریٹ نہ چھوڑی، بلکہ اپنی کالی کلوٹی بیوی کے ڈر سے چھوڑ دی۔ ہے نہ حیرت کی بات ! معروف کرکٹر ٹنڈولکر صاحب فرماتے ہیں کہ میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام شوہر اپنی اپنی بیگمات سے ڈرتے ہیں اور ساتھ میں اور بہت سے ممنوعہ باتیں کیں جو کہ میں پہلے اپنے ایک آرٹیکل میں لکھ چکا ہوں ۔ ٹنڈولکر کی بات تو سمجھ میں آتی ہے ایک پدا سا ٹنڈولکر اور اتنی لمبی چوڑی بیوی ڈاکٹرانجلی سے تو ڈرنا بجا کہ پتہ نہیں کس جگہ پر کب ، کونسا ٹیکہ لگا دے؟ ویسے کیا آپ یہ بات مانتے ہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے ۔؟؟ ویسے لگتا تو کچھ کچھ ایسا ہی ہے۔ تبھی تو ہر گھر میں میاں کی آواز نیچی اور بیگم کا والیم ہمیشہ تیز ہوتا ہے۔تاہم ، ہم نے اکثر شوہروں کو یہ کہتے سنا ہے کہ یار یہ سب کچھ تو وہ بچوں کی وجہ سے

برداشت کرتے ہیں، ورنہ یہ عورت ہے کیا چیز، صرف ایک تھپڑ کی مار! مگر بھائی ایک تھپڑ تو مار دوگے پر اس مخلوق کو چپ کون کرائیگا؟ سات دن تک سر پر ڈوپٹہ کس کر، نوحے پڑھتی روتی رہے گی، پورے محلے اور آنے جانے والوں کو الگ رو رو کر رونے کی روداد سنائیگی۔ سات روز بعد جب اسکی اماں کراچی، لاہور، ملتان یا سکھیکی منڈی سے آکر میت والے گھر کی طرح اسکے گلے لگ کر ملیگی تو تب اسکے رونے کا باجا بند ہوگا۔

بہر حال! ویسے کبھی آپنے غور کیا کہ شوہر حضرات بیویوں سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟۔ میرے خیال سے اسکی مندجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں۔

اگر بیوی عمر، کمر اور وزن میں بھاری ہو: تو شوہر پر اسکا سب کچھ بھاری ہوگا۔ پہلے تو شوہر اسلیے ڈرے گا کہ یار عمر میں میری اماں کے برابر ہے اسکو کیا گالی دے کر اسکے منہ لگوں، الٹا گالی کا گناہ ملے گا! اگر وزن اور کمر زیادہ ہو تو بیچارہ ویسے ہی دبکا رہیگا کہ یار اگر یہ میرے اوپر گر گئی یا ہاتھ کھول لیا تو میں ویسے ہی مارا جاونگا اور میڈیکل بھی فری نہیں ہے۔ اسلیے بھی بیچارہ چپ ہی رہتا ہے۔ ہم نے یوٹیوب پر اپنی ان گنہگار آنکھوں سے ایسے کئی مناظر دیکھے ہیں ایک خرانٹ قسم کی خاتون بجلی سی بن کر ایک سنگل پسلی آدمی پر گری تو وہ بچ نہیں پایا۔ ویسے بھی شادی کے بعد بیوی ہی

وزن میں بھاری ہوتی ہے کہ وزن کرنے والا کنڈا بھی وزن کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ میاں بیچارہ تو گھر کے دکھڑوں میں دبلا ہی ہوا چلا جاتا ہے۔

اگر بیوی سخت اور شوہر نرم مزاج ہو: تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ شوہر بیچارہ دب کر ہی رہتا ہے۔ بعض شوہر تو اتنے نرم مزاج ہوتے ہیں کہ بچے کو ڈانٹ بھی رہے ہوں تو لگتا ہے گذارش کر رہے ہوں اور بچے بھی انکی ڈانٹ ڈپٹ کا اثر نہیں لیتے۔ ہمارے ایک دوست جنہیں ہم انکی نرمی اور سستی کی وجہ سے ڈھیلے میاں کہتے ہیں۔ اگر انسے کبھی حال پوچھ لو تو۔۔۔ میں خیرت سے ہوں ۔۔۔ کہنے میں ہی آدھا گھنٹہ لگا دیتے ہیں۔ اگر کبھی بچوں کو پڑھانے بیٹھ جائیں تو اگلے روز اٹھتے ہیں۔ چھوٹے پیشاب کو جائیں تو آدھا گھنٹہ اور بڑے پیشاب کو گھنٹہ بھر لگا دیتے ہیں۔ عصر کی نماز شروع کریں تو مغرب میں، اور مغرب کی نماز سے عشاء کے وقت فارغ ہوتے ہیں۔ سودا سلف لینے بھیج دو تو مسجد میں گمشدگی کا اعلان کرانا پڑتا ہے، پھر کئی روز بعد گھر آتے ہیں۔ دوسری طرف انکی بیگم کا مزاج ایسا کرخت کہ مجال ہے کوئی بچہ چوں چرا کرے۔ عموما گھروں میں یہ ہوتا ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہو تو بچے دبک جاتے ہیں، پر انکے گھر میں شوہر کے آتے ہیں بچے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ خاص طور سے اگر بیوی بازار گئی ہو تو بچوں اور شوہر کی عید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ذرا ذرا بیچارا۔

اگر بیوی زیادہ پڑھی لکھی ہو: تو یہ انپڑھ شوہر کو انگریزی کے چند رٹے رٹائے الفاظ بول بول کر ہی مار دیتی ہے۔ ویسے بھی تعلیم عورت کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑتی ، اگر بگاڑتی بھی ہے تو دماغ مزید بگاڑ دیتی ہے۔ ہمارے ایک دوست کی بیگم تقریبا سولہ جماعت پاس اور وہ خود س جماعت پاس۔ پر انکے گھر میں آئے روز دنگل ہوتا ہے کہ ساس کو گھر سے نکالو یا کہیں اور کھڈے لائین لگاو کہ کیا منحوس بڑھیا سارا دن بیٹھی کھانستی رہتی ہے۔ میاں نے لاکھ سمجھایا کہ تم پڑھی لکھی ہو کر کیسی باتیں کرتی ہو۔؟ پر بیگم ٹس سے مس نہ ہوئی اور بیمار ساس کو کھڈے لائین لگوا کر ہی دم لیا۔ اسی طرح ایک پڑھی لکھی بیوی کو نوکری مل گئی، انپڑھ شوہر بیچارہ بے روزگار سارا دن گھر میں پڑا مکھیاں مارے یا بچے سنبھالے۔ یوں بیچارہ انپڑھ یا کم پڑھا لکھا شوہر ہمیشہ ہی دبا رہتا ہے۔

شوہر خرچ پورا نہ کر پاتا ہو: تو یہ ایک اور وجہ ہے شوہر کی بیوی سے ڈرنے کی۔ اگر گھریلو ناچاقیوں کی وجہ سے رزق میں برکت نہ ہو تو بیچارہ شوہر بھلا کہاں سے گھر کے اخراجات پورے کرے۔ ویسے تو اس بیچارے کی کوشش ہوتی ہے کہ گھر میں داخل ہو تو اسکی جیب بھری ہو اور اسکے لیے وہ سارا دن گدھے کی طرح محنت کرتا ہے۔ تاہم اگر پھر بھی اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں تو بیوی روز روز کان کھا کھا کر اسکا جینا حرام کیے رکھتی ہے اور وہ بیچارہ ڈرا ڈرا اور

سہا سہا رہتا ہے۔کچھ چالاک قسم کی بیگمات گھریلو راشن میں سے دودھ، پتی، چینی، دالیں گھی وغیرہ چرا کر اپنے میکے بھجواتی رہتی ہیں اور پھر مہینے کے آخر میں راشن کے لیے پھر، شور کرنا شروع کر دیتی ہیں۔اب بتائیں کہ شوہر اپنے گھر کا راشن پورا کرے کہ سسرال والوں کا!

پیار محبت کی شادی ہو: تو شادی سے پہلے دونوں ایک دوسرے کو بہت پیارے لگتے ہیں۔ تاہم شادی ہوتے ہی سوچتے ہیں کہ یار کونسا دن آئے کہ ہم الگ ہوں۔ بیوی کے لچھن دیکھ کر شوہر دعائیں مانگتا ہے کہ یار یہ مر جائے تو اچھا ہے، پر کہاں!۔ اگر یہ خواہش ناتمام پوری ہونے لگتی، یا اللہ پاک کہیں یہ مرنے والی دعا قبول فرمانے لگیں تو سوچیں کہ دنیا کے اسی فیصد شوہروں کی بیویاں وفات پا چکی ہوں اور بچے در بدر رل رہے ہوں۔تو جناب! عورت چاہے جیسے مزاج کی بھی ہو، اللہ پاک کے ہاں اسکے مرنے کی دعا قبول کرنے ۔۔۔ کی کوئی گنجائش بہرحال نہیں ہے!

بیوی کراٹے ماسٹر ہو: تو شوہر پہلے تو اس سے شادی کرے گا ہی نہیں اور اگر گھر والوں بالخصوص ہمشیرگان (جو کہ شادی کرانے میں پیش پیش ہوتی ہیں) کی وجہ سے یہ بیل منڈھے چڑھ بھی جائے تو اسے ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ پتہ نہیں کب مانگ یا بازو توڑ ڈالے۔ اس ڈر سے اکثر بیچارے اسطرح کے شوہر گرمی میں بھی

کپڑوں کے نیچے جرسی اور لیگی پہنے پھرتے ہیں۔ اگر بچے ہو جائیں تو بیگم صاحبہ انہیں بھی ٹرینڈ کر کے ساتھ ملا لیتی ہیں کہ برے وقت میں ہمیشہ بچے ہی کام آتے ہیں۔۔۔ یوں بیچارہ کرائے کا مارا دم سادھے رہتا ہے۔

بیوی لڑاکا یا قصائی خاندان سے ہو: تو شوہر بیچارے کو قربانی کے جانور کی طرح ہر وقت چھریاں ہی نظر آتی ہیں کہ پتہ نہیں موصوفہ کب چھری چلا دے۔ ہمارے ایک دوست قصائیوں کے محلے میں رہتے ہیں اور بقول انکے کہ ،انکے گھروں سے ہر وقت ۔۔(چیر کے رکھ دونگی، پھاڑ کے رکھ دونگی، چھرا ہے میرے پاس، زیادہ بات نہ کریو، گردن اتار دونگی، زیادہ نہ چلائیو چھڑی ادھیڑ دونگی کھنڈی چھری سے)، کی سی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ مزید یہ کہ انکے بھاری بھر کم سومو پہلوان کے سے ڈیل ڈول دیکھ کر تو بندہ ویسے ہی ادھ موا ہو جاتا ہے۔ اسی ڈر سے انکے تو گھر کے قریب سے بھی کوئی نہیں پھٹکتا کہ انکے تو بچے بھی چھریوں سے کھیلتے اور چھریوں سے کھانا کھاتے اور چھریوں پر سوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں لاہور میں ایک سنگدل بیوی نے اپنے دو سگے بچے مار دیے، پتہ نہیں وہ بھی قصائی خاندان سے نہ ہو؟ تو بتائیں اگر ان قصائیوں کی لڑکی سے شادی ہو جائے تو کیا کوئی شوہر تا عمر سر اٹھا کے جی سکتا ہے؟۔

بچے زیادہ ہوں: تو یہ ڈر رہتا ہے کہ بیوی موصوفہ کہیں بمعہ بچوں کے ہی شوہر

پر نہ پل پڑے۔ کچھ کیسس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی صاحبہ شوہر کو تڑی لگا دیتی ہیں کہ اگر زیادہ چوں چرا کی تو سارے بچے تمہارے سر پر چھوڑ کر ابا کے ہاں چلی جاؤں گی، پھر خود بھگتنا انہیں۔ درجن بھر بچوں کو اٹھانا، سلانا، کھلانا، پلانا، پڑھانا، نہلوانا وغیرہ کا سوچ کر ویسے ہی بندے کا تراہ نکل جاتا ہے۔ یوں بیچارہ ہر حال میں شکر ادا کرتے ڈرا اور سہا سہار سا رہتا ہے کہہ چلو جیسی بھی ہے بچے تو بھگتا ہی رہی ہے نہ ! ویسے بھی درجن بھر بچے تو باپ کو ویسے ہی سیدھا نہیں ہونے دیتے، اس بیچارے نے اس سے پھڈا کرکے کیا اپنے سر میں سواہ ڈالنی ہے۔ یوں بیچارہ ڈرا ڈرا، سہا سہا ہی رہتا ہے۔

بات بات پر رونا جانتی ہو: تو میاں بیچارے کو تو ہمیشہ یہ ڈر کھائے رہتا ہے کہہ یار ! اسکو کیا تنگ کرنا کہ یہ اگر ایک بار رونے کو چھڑ گئی تو چپ کرانا مشکل ہو جائیگا۔ لہٰذا بیچارہ ہر وقت ڈرا ڈرا، سہا سہا سا رہتا ہے۔ ویسے بھی رونے میں تو خواتین پی ایچ ڈی ہوتی ہیں۔ مرحوم اداکار محمد علی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اداکاری کرتے بغیر گلیسرین کے آنسو لا کر رونے کی ایکٹنگ کر لیتے تھے۔ تاہم خواتین کو تو کوئی بیٹ کر ہی نہیں کر سکتا کہ انکے آنسو تو بس آنکھ کے نچلے پپوٹے میں ہر وقت تیار ہوتے ہیں ادھر مزاج مخالف بات ہوئی اور آنسو کا نمکین پانی رخسار سے ہوتا لپ اسٹک خراب کرتا

سیدھا خاتون خانہ کے منہ میں۔ پھر یہ نمکین پانی اسوقت بند ہوتا ہے کہ جیسے میں اوپر لکھ چکا ہوں۔۔۔ یا پھر ڈنڈا چھترول سے !۔

نئے کپڑے اور زیور: کا گلہ تو تقریبا ہر عورت کو ہی رہتا ہے۔ شوہر کا ہاتھ تنگ ہو یا کھلا بیویوں کی فرمائشیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ فطرتا چونکہ ناشکری اور شکی مزاج ہوتی ہیں ، لہٰذا جتنا بھی کھلاؤ ، پلاؤ، کپڑے لتے، زیور کچھ بھی بنوا دو اسنے یہ ہی کہنا ہے کہ کم ہے، فلاں ۔۔۔ تو روز کپڑے بناتی ہے اور اسکے شوہر آئے روز اسے زیور گفٹ بھی کرتے رہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ چاہے وہ حرام کا مال ہی کیوں نہ ہو۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ہر شوہر تو منشاء گروپ ، لکشمی متل گروپ، سہگل گروپ، گیٹس فیملی، یا شریف گروپ کی طرح لینڈ لارڈ تو ہے نہیں کہ آئے روز انکی مہنگی اور ناجائز فرمائشیں پورے کرتا پھرے۔ یوں بیچارے اس خوف سے یہاں بھی دبا دبا سا رہتا ہے۔

پیدائشی لڑاکا اور گھر کے ماحول کے اثرات: آپ نے دیکھا ہوگا کہ کچھ بچے پیدائشی طور پر ہی بہت جارحانہ مزاج رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ بچی ہے تو شادی کے بعد بھی اسکی یہی روش جاری رہیگی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اگر لڑکی کی والدہ بھی اتھرے اور اکھڑ مزاج کی ہو اور اپنے شوہر کو انگلیوں پر نچاتی ہو تو انکی بیٹی موصوفہ نے اگلے گھر جا کر ماما کے نقش قدم پر چلتے

ہوئے اپنے شوہر نامدار کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا ہوتا ہے جو کہ وہ اپنے ابا کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھ چکی ہوتی ہے۔ ایسے صورت میں شوہر کچھ عرصہ ریزرسٹ کرتا ہے، پھر بیوی کے سخت مزاج میں تبدیلی نہ دیکھ کر وہ بھی ڈرتا ڈرتا اسکے تھلے لگ جاتا ہے۔

شوہر گھر داما ہو: تو آگے مزید کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ شوہر موصوف بیوی کے حکم سے سوئیں گے، اسی کے حکم سے جاگیں گے، اسی کے حکم سے نہائیں دھوئیں، کھائیں پئیں گے۔ بیوی کے ابا اور اماں اور بیوی کی ٹانگیں دابیں گے۔ گھر کی صاف ستھرائی، کچن ہیلپری، سودا سلف لانا لیجانا، بچوں کو (اگر ہوں) تو کھلانا پلانا، اسکول، ٹیوشن، پارک لانا لیجانا۔ بچوں کے لیے گھوڑا اور گدھا بننا۔۔۔ وغیرہ۔۔۔ غرضیکہ تا عمر روبوٹک گھر داماد ہونے کی وجہ سے وہ بیوی کے تھلے ہی لگا رہیگا کہ کہیں بیوی، یا اسکے ابا، اماں اسکو گھر سے دھکے دیکر نہ نکال دیں۔ ایسے ہی ایک شوہر نے اپنی بیوی سے گستاخی کی کوشش کی تھی، بیوی کے ابا نے ٹیکر پہنا کر پولیس والوں کے حوالے کر دیا تھا۔۔۔ اور پھر۔۔۔ آگے آپ آپ خود سمجھ جائیں۔

بیوی ہٹ دھرم، ضدی، بدمزاج، بد کلام: ہو تو ویسے ہی شوہر بیچارے کا جینا حرام رہتا ہے کہ پتہ نہیں موصوفہ کو کونسی بات بری لگے اور پھر پھڈا کر

بیٹھے۔ مثال کے طور پر آپ اسے کہیں آنے جانے سے روکیں گے تو وہ ضد کرکے بیٹھ جائیگی کہ نہیں میں نے وہاں لازمی جانا ہے۔ بدمزاجی اور بدکلامی کے لیے موقع کی تلاش میں رہیگی کہ آپنے کپڑے اتار کر ٹھیک جگہ کیوں نہیں رکھے۔ میں نے بینگن کہا تھا آپ کدو لے آئے۔ میں نے کہا تھا شاپنگ کو جانا ہے، آپ اماں کے ہاں چلے گئے۔ حالانکہ چاہے آپ واش روم بھی انکی اجازت سے جاتے ہوں، پر وہ نہ مانیگی۔ اسی طرح بچوں کے رشتے کرنے ہوں تو آکڑ اور ضد کرکے بیٹھ جائیگی کہ میری مرضی سے کرو، ورنہ میں شامل ہی نہ ہونگی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا گھر والی کے بغیر بچوں کی شادیاں ہو سکتی ہیں؟؟ شکر ہے کہ ہٹ دھرمی، ضدی پن، بدمزاجی اور بدکلامی میں کوئی ڈپلومہ یا ڈگری نہیں ہوتی ورنہ ساری پوزیشنیں پاکستانی خواتین کے حصے میں آتیں!۔

بیوی نیم پاگل ہو: تو: مزید کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں کہ پاگل بندہ تو ویسے ہی ہر کسی کو کھانے کو دوڑتا ہے اور اگر یہ شے گھر میں فری میں میسر ہو تو کیا کہنے۔ مثلا: ہمارے ایک جاننے والے اپنے سوتیلے والدین کی غلطی کی وجہ سے ایک آدھی پاگل خاتون سے شادی کر بیٹھے۔ وہ محترمہ اکثر انہیں ابا اور بھائی کے نام سے پکارتی رہتی ہیں۔ موصوفہ بچوں کو سردیوں میں ٹھنڈے پانی سے اور گرمیوں میں گرم پانی نہلاتی ہیں۔ رات کو بارہ بجے بچوں کو سوتے میں اٹھا دیتی ہیں کہ اسکول جانا ہے۔ کھانے میں اکثر مرچوں کی جگہ ہلدی ڈال کر

ثابت کرتی کہ مرچیں ڈالی ہیں۔ زنانہ کی بجائے مردانہ کپڑے پہن کر گھر سے باہر نکل جاتی۔ ایک روز گھر میں مہندی گھلی رکھی تھی، پودینے کی چٹنی سمجھ کر خود بھی کھا گئی اور بچوں کو بھی ڈنڈے کے زور پر زبردستی کھلوادی۔ استری کرتے میاں کے کپڑے ساڑ دیتی ہے۔ کھانا شروع کرتی تو شام کردیتی اور زبردستی اٹھانا پڑتا، پھر بھی کہتی کہ ابھی تو پیٹ نہیں بھرا، ایک سائڈ خالی ہے۔ بچوں کے سر اتنی مرتبہ پھاڑ چکی ہیں کہ اب وہاں ٹانکے لگنے کی بھی گنجائش نہیں۔ میاں کے سر پر ایک بال نہیں چھوڑا۔ بولنے پر آئے تو خاموش کرانے کو منہ پر ٹیپ یا کپڑا لگانا پڑتا ہے۔ بچوں سے مالش کرانا، شوہر سے ٹانگیں دبوانا، ہو ہو ہا ہا، چیخنا چلانا، محلے بھر کے بچوں اور بڑوں کو ڈرانا اسکے مشاغل میں شامل ہے۔ جسکی وجہ سے تنگ لوگ اس پاگل کو پاگل خانے داخل کرانے کے لیے گھر کے باہر مظاہرے تک کر چکے۔ اب آپ ہی سوچیے کہ ایسی عورت سے بندہ ڈرے گا نہیں تو کیا مریگا۔

ڈرامے باز: قسم کی خواتین شوہر کو نیچے لگانے اور ڈرانے کے لیے بہت سے حربے استعمال کرتی ہیں مثلاً: جھوٹی موٹی خود کشی کی کوشش، خواب آور دوائیں کھالینا، کئی کئی روز تک سر پر دوپٹہ کس کے ہائے ہائے کرتے پھرنا، شوہر کی کمزوریاں دوسری ہم عصر خواتین سے شیئر کرنا (آجکل فیس بک اور ٹوٹر پر بھی)، کئی کئی روز تک شوہر کے سامنے کھانا نہ کھانا (چھپ کر کھانا)، عدالتی

کاروائیوں کی دھمکیاں دینا، باپ اور بھائیوں سے پھینٹی لگوانے کی دھمکیاں، تعویذ گنڈوں کے ذریعے جلانے کی دھمکیاں، زمین جائداد میں حصہ مانگنا، بچوں کو چھوڑ کر میکے جانے کی دھمکیاں وغیرہ وغیرہ۔ دھنیا مزاج، دہی مزاج، دھتورا مزاج، افیمی مزاج شوہر تو ویسے ہی بیچارے ان دھمکیوں کے آگے گیلی بلی بن جاتے ہیں۔۔۔

اختتامیہ: میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ انسان جو کچھ غلط اس دنیا میں کرتا ہے اسے اسکی سزا دنیا میں ہی ضرور ملتی ہے اور ملیگی۔ تو غلط چاہے شوہر ہو یا بیوی، دونوں سے گذارش ہے کہ اچھے میاں بیوی بن کر، ایک دوسرے کو سمجھ کر اور برداشت کرکے زندگی گزاریں، ورنہ دکھ، پریشانیاں، بیماریاں مصیبتیں، نافرمان اولاد، معاشی تنگی وغیرہ آپکے گھر میں ہمیشہ ڈیرے ڈالے رکھے گی۔ مذکورہ وجوہات کے علاوہ اگر آپ کچھ اور مزید وجوہات جانتے ہوں تو مجھے ضرور آگاہ کیجئے گا۔ مزید یاد رہے کہ گھر اور مرد کو بگاڑنے اور سنوارنے میں عورت کا کردار ہمیشہ بہت اہم ہوتا ہے۔ (ویسے کچھ مزید وجوہات ؟ بھی ہوتی ہیں، پر وہ یہاں لکھی نہیں جا سکتیں) سو۔ سوری ! لگتا ہے چار پیج لکھ کر جھک ماری ہے سیدھا لکھ دیتا کہ شوہر حضرات صبح اٹھتے ہی بیوی کو دیکھتے ہیں اسلیے ڈرتے ہیں !۔

دو بیویاں رکھنے کے فوائداور نقصانات؟؟

ایک ایس ایم ایس موصول ہوا کہ: ایک معیشت دان نے دو بیویوں کو رکھنے کی بہت ہی پیاری وجوہات بیان کی ہیں مثلا:۔ دو بیویاں ہوں تو ایک کی اجارہ داری ختم ہو جاتی ہے۔دونوں میں مقابلے بازی کی وجہ سے بہترین سہولیات میسر آتی ہیں۔اگر آپ کی ایک بیوی ہے تو وہ آپ سے لڑتی ہے، اگر آپ کی دو بیویاں ہیں تو وہ آپکے لیے لڑیں گیں ! فرق خود محسوس کریں، ہم سائڈ ایفیکٹس کے ذمہ دار نہیں۔ کیسا ! ہم نے سوچا کہ یار اس معاملے میں ہم کیوں پیچھے رہیں، ہم نے بھی دو بیویوں کے مندرجہ ذیل فوائد اور نقصانات لکھ مارے آپ لوگوں کے پڑھنے کے لیے:

دو بیویوں کے فوائد:

دو بیویاں رکھنے کے انگنت فوائد ہیں مثلا: ہمارے صوبہ سندھ اور پنجاب کے اکثر دیہاتی علاقوں میں کثیر الازدواجی عام ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ان بیچاری بیگمات کو چاول، گنا، کپاس ، سبزیوں اور دیگر فصلات کی بوائی اور کٹائی کے مواقع پر گدھاں (گدھی) کی طرح سارا دن کام میں جوت کر رکھتے ہیں، پھر شام کو باری باری انسے لاتیں گھٹواتے ہیں۔ یوں یہ بیویاں اپنی شادی کے

کچھ عرصہ بعد ہی میاں کا شادی کا سارا خرچا کھیتوں میں کام کر کے نکال دیتی ہیں۔ ہے نہ فائدہ۔ اسکے علاوہ گھر میں مہمان زیادہ آ گئے تو کام پر لگا دو۔ شادی بیاہ اور دیگر تقاریب میں دونوں کو کام پر جوت دو نوکروں کی ضرورت نہیں۔ بچے زیادہ ہو جائیں تو مین پاور کا مسئلہ حل، ہر کام انہی سے لیں۔ کام بچوں سے کرائیں، خود گھر میں مکھیاں ماریں اور بیوی بچوں کی کمائی کھائیں۔ ایک بیوی ناراض ہو تو دوسری کو ساتھ لگا لو۔ ایک گھر جائے تو دوسری خدمت کے لیے موجود۔ ایک بیمار تو دوسری حاضر۔ غصہ آ جائے تو خود کچھ نہ کرو بس دونوں کو آپس میں لڑا دو اور تماشہ دیکھو۔ مارنے کی ضرورت ہی نہیں۔ محلے دار ڈر ڈر کر رہیں کہ اسکی تو دو بیویاں اور چوبیس بچے ہیں۔ پل پڑے تو کیا ہوگا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہیں نہ فائدے ہی فائدے۔

کچھ عرصہ پہلے ایک پاکستانی نژاد معذور شیخ صاحب کا اخبار میں انٹرویو پڑھا تھا کہتے تھے کہ شادیوں کی سنچری بناؤنگا۔ خود ساٹھ کے قریب تھے پر انکی آخری بیوی بیس سال کی تھی اور خوش خوش۔ شادیوں پر شادیاں کرتے ہیں آخر کوئی تو فائدہ ہوگا۔ مصطفیٰ کھر بھی کثیر الازدواج رہے، کوئی تو فائدہ ہوگا۔ عرب شیخ حضرات ہمیشہ ایک سے زیادہ شادیاں رکھتے ہیں کوئی تو فائدہ ہوگا۔ اسکے علاوہ ریما کے شوہر کی دو شادیاں۔ ناہید اختر کے میاں کی دو شادیاں۔ عارفہ صدیقی کے میاں کی دو شادیاں۔ عمر شریف دو بیویاں۔ جاوید شیخ

ایک سے زائد شادی۔ شہباز شریف، حمزہ شہباز ایک سے زائد شادیاں۔ مولانا سمیع الحق اس طویل العمری میں بھی کچھ عرصہ پہلے ایک اور شادی کھڑکا لائے تھے، تو کوئی نہ کوئی فائدہ تو ہوگا نہ! مزید یہ کہ ہمارے مشہور و معروف تحفظات والے مولانا فضل الرحمان۔۔۔ بھی شاید ایک سے زائد۔۔ٹی وی اداکارہ بندیا کے شوہر کی دو شادیاں۔ روحی بانو کے میاں کی دو شادیاں۔ اداکارہ رانی مرحومہ کے شوہر کی دو شادیاں۔ عدنان سمیع خان دو شادیاں۔ ہمارے محلے میں ایک بڑے میاں کے نہ منہ میں دانت تھے نہ پیٹ میں آنت، پاؤں قبر میں، پر ایک بیوی بیاہ لائے۔ پتہ یہ چلا کہ دو مربع جائداد کا چکر تھا!۔ ہوا نہ فائدہ۔ ذوالفقار کھوسہ صاحب ابھی ابھی کچھ روز پہلے ایک اور شادی۔ مزید کتنے ہی پاکستان بھر سے شوبز اور سیاسی حضرات ایسے ہیں کہ جن کی ایک سے زائد شادیاں ہیں۔ یار! آخر کوئی تو فائدہ ہوگا ان دو شادیوں کا۔ ہے نہ۔ ورنہ یوں کون لاکھوں خرچ کرکے مصیبت گلے ڈالے! کئی انڈین حسیناؤں اور اداکاراؤں کا کہنا ہے کہ وہ شاہ رخ خان سے خاموش عشق کرتی رہی ہیں جبکہ وہ پہلے سے شادی شدہ اور گوری کا شوہر۔ سوچیں کہ اگر وہ ان چاہنے والیوں سے شادی رچالے تو ہوگا نہ اسے کماؤ بیویوں سے کروڑوں کا فائدہ۔

اسی طرح ہمارے ایک دوست ملک سے باہر ہیں، وہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی ورکنگ وومین سے شادی رچا لیتے ہیں۔ یوں انہیں کوئی خرچہ بھی نہیں دینا پڑتا اور

بیوی بھی مل جاتی ہے، الٹا اسی بیوی سے جیب خرچ بھی جھاڑ لیتا ہے۔۔ ہے نہ فائدہ۔ ابھی تازہ تازہ شادی انہوں نے ایک ٹیچر سے کی ہے۔ سارا دن وہ بیچاری اسکول میں بچوں کو پڑھاتی ہے۔ شام کو آ کر گھر میں میاں اور بچوں کو پڑھاتی ہے۔ ہے نہ فائدہ۔ تاہم کچھ کمینے قسم کے مرد سادہ لوح خواتین کو پھنسا کر کئی کئی شادیاں کر کے انسے غلط کام بھی لیتے اور نوٹ چھاپتے ہیں۔ ایسے ہی کئی واقعات فیس بک، ٹوٹر، ایس ایم ایس، موبائل کے ذریعے بھی ہو چکے ہیں۔ مغربی ممالک کے کئی ایک اداکار اور اداکارائیں صرف اس لیے شادی پر شادی کرتے ہیں کہ طلاق کی صورت میں انہیں ایک لمبی اور معقول رقم وصول ہو جاتی ہے۔ ابھی حال ہی میں پرنس کریم آغا خان صاحب نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی پر ساتھ میں اتنا پیسہ دیا کہ وہ نہال ہو گئیں۔ ہے نہ فائدہ۔ دنیا کے کئی ممالک میں ایک سے زیادہ شادی کرنا فیشن ہے۔ وہاں کوئی حال پوچھے تو یوں پوچھتا ہے کہ: اور بھئی بھابھی نمبر دو کیسی ہیں؟ بھابھی نمبر دس کیسی ہیں؟ بھابھی نمبر گیارہ کیسی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔۔ آخر کوئی تو فائدہ ہو گا جو کہ ہمیں نہیں پتا، تبھی تو وہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ کچھ مرد ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر خواتین جان بوجھ کر عاشق ہوتی ہیں اور جان بوجھ کر انسے ایویں ہی ویاہ پر ویاہ کر لیتی ہیں کمپنی کی مشہوری کے لیے!

دو بیویوں کے نقصانات:

دو بیویوں کے نقصان کی بات کریں تو یہ بھی بہت ہیں: مثلا: دونوں کے لیے الگ الگ گھر کا انتظام۔ دونوں کا الگ الگ کھانے پینے کا انتظام کیونکہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ دونوں کی دکھ درد، بیماریوں کا خرچہ۔ دو سسرالیوں اور انکے رشتہ داروں کی غمی اور خوشیاں بھگتانے کا اضافی خرچہ۔۔ آئے روز کا لڑائی جھگڑا، مطلب ٹینشن۔ بچے زیادہ تو لڑائی جھگڑا، نام یاد رکھنا مشکل۔ اگر کبھی بچوں اور بیگم کو سنبھالنا پڑ جائے تو عذاب۔ اگر کبھی دونوں میں ایکا ہو جائے اور دونوں شوہر پر پل پڑیں تو سوچیے کہ بندہ کہیں کا نہ رہیگا۔ ایک بار بھڑ پڑیں تو چھڑانے اور چپ کرانے کو پولیس بلانی پڑے۔ جو سامان ایک کو لا کر دیا تو دوسری کو بھی دینا پڑے۔ ایک ٹانگ ایک بیوی کے طرف تو دوسری دوسری بیوی کی طرف۔ ایک کہے گی میرے ساتھ چلو شاپنگ کو، دوسری کہے گی میرے ساتھ، لہٰذا پھر پھڈا۔ ایک کہے گی کہ کھانا میرے ساتھ کھانا ہے دوسری کہے گی میرے ساتھ، پھر لڑائی۔ ایک کی سائڈ لو تو دوسری ناراض، دوسری کی سائڈ لو تو پہلی ناراض۔ غلط خاندان کی نکل آئیں تو اولاد خراب۔ اگر اتفاق سے شوہر بچ بچا کر بوڑھا ہو جاوے تو ان دونوں بوڑھیوں کو سنبھالنا عذاب۔ شوہر کام پر جاوے گا تو بیوی شک کرے گی دوسری کے گھر سے آرہے ہو۔ پھر پھڈا۔ ایک بیوی کے سسرال میں زیادہ لینا دینا کر دیا، دوسری کا نہیں کرا تو پھڈا۔ بچے آپس میں لڑ پڑے تو پھڈا۔ زیادہ بچوں کی پڑھائی لکھائی کا اضافی خرچہ۔ کہتے ہیں کہ عورت کی ٹانگیں بے شک کام نہ کریں پر زبان قبر تک کام کرتی ہے۔ اسی

طرح عورت ہو اور خاموش رہ جائے ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا دونوں بیویوں کی بے تکی باتیں سن سن کر کان خراب ہونے کا اندیشہ۔ ایک این ٹی ڈاکٹر کے پھیرے۔ ایک اور نقصان۔ کبھی سیر پر جانے کا پروگرام بنا تو ایک کہے گی کہ میں نے کراچی جانا ہے تو دوسری کہے گی میں نے لاہور جانا ہے، پھر پھڈا۔ کچن ایک اور بیویاں دو ہوں تو کھانے پکانے پر پھڈا۔ بیڈ روم ایک ہو اور بیویاں دو، تو بھی پھڈا کہ اس چکر میں عموماً شوہر باہر اور بیویاں اندر ہوتی ہیں۔ دونوں طرف کے سسرالی کبھی اکٹھے آ گئے تو پھر پھڈے کا خطرا۔ اگر ایک کام میں ہڈ حرامی کرے گی تو دوسری بھی کریگی، گھریلو کام کا نقصان۔ عورت سیاستدان کی طرح ہوتی ہے۔ اگر کبھی انہی کی طرح ایکا کر کے شوہر پر چڑھ دوڑیں تو سوچیں انجامِ گلستان کیا ہوگا؟ ٹی وی ایک اور بیویاں دو ہوں تو نقصان کہ ایک کہے گی میں نے جیو کا ڈرامہ دیکھنا ہے تو دوسری کہے گی میں نے ہم ٹی وی کا ڈرامہ دیکھنا ہے۔ ایک کہے گی میں نے سلمان خان کی فلم دیکھنی ہے تو دوسری کہے گی میں زبیدہ آپا کے ٹوٹکے دیکھنے ہیں۔ ایک اور نقصان۔ ایک کہے گی مجھے بھنڈی پسند، دوسری کہے گی میں نے کدو کھانا ہے۔ ایک کہے گی پکانے کو مرغی لاؤ دوسری کہے گی مچھلی۔ ایک کہے گی میں نے دودھ پینا ہے تو دوسری کہے گی میں نے پیپسی۔ ایک کہے گی میں نے پراٹھا کھانا ہے تو دوسری سوکھی روٹی کے سر، غرضیکہ پھڈا ہی پھڈا اور نقصان ہی نقصان۔ میاں اس چکر میں چکر کھا کر ہی گرپڑتا ہے اور قاضی کو کوستا ہے کہ جس نے یہ نکاح پڑھایا ہوتا ہے۔

! حالانکہ اس بیچارے کا کیا قصور

اب کچھ جنرل باتیں: ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والوں کے لیے خوشخبری کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور کچھ معتبر علماء حضرات کہتے ہیں کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت کی ضرورت نہیں ۔۔ لہٰذا جلدی کریں کہیں دیر نہ ہو جاوے۔ اور نہ ہی شادی کے لیے لڑکی کی عمر کی قید۔ تو کیا بھائی جمدی نال ای نکاح پا لیے ؟؟ خواتین کی این جی اوز سرگرم ہو رہی ہیں، لہٰذا چھیتی کریں) ! معروف اداکار محمود اسلم) جو کہ ایک ڈرامے میں دو بیویوں کے شوہر بنے ہوئے ہیں، حقیقت میں بھی دو بیویوں کے مالک بھی ہیں، پر کہتے ہیں کہ بیوی ایک ہی ہونی چاہیے۔ پتہ نہیں کیوں؟ بھئی پہلے کوئی فائدہ تو نظر آیا ہی ہوگا جو دو شادیاں کھڑکائیں، اب نقصان گنوا رہے ہیں۔ ویسے تو آجکل میرا صاحبہ کا بھی سسرال سے پھڈا چل رہا ہے پتہ نہیں یہ بیچاری بھی کسی کی پولی ! گیمی کا شکار نہ ہو جاوے ! اللہ اسکا گھر بسا دے۔ آمین

شادی کے شوقین حضرات سے مزید گزارش کہ نہ تو شیخ رشید کی طرح ہی رنڈوے رہیں اور نہ ہی عرب شیخوں کی طرح کثیر الزوجات بنیں۔ اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے ایک ہی زوجہ کے ساتھ ہنسی خوشی گزارہ کریں، زندگی آسان رہیگی۔ پولی گیمی یعنی ایک سے زیادہ شادیاں آجکل کے دور میں نبھانا ویسے بھی بہت مشکل کام

ہے۔ جن حضرات کو ابھی تلک ایک بیوی بھی نہیں ملی وہ بھی دل چھوٹا نہ کریں کہ کچھ عرصہ بعد کہیں وہ بھی اس لطیفے کی طرح نہ ہو جائیں کہ :

ایک صاحب نے جن قابو کرکے اسے حکم دیا کہ پاکستان سے امریکہ تک سڑک بنادو۔

جن بولا ! حضور بہت مشکل کام ہے کچھ اور آسان کام بتاؤ۔

آدمی: اچھا ایسا کروہ کہ میری بیوی کو ساری عمر کے لیے میرا تابع بنا دو۔

جن: حضور سڑک ون وے بنانی ہے کہ ٹو وے !

ایک اور لطیفہ :

شوہر کتنی بھی خطرناک ور ہارر مووی دیکھ لے نہیں ڈرتا۔ شوہر کو کوئی طوفان اور اندھیرا نہیں ڈرا سکتا۔ اسے کوئی جن ، بھوت، چڑیل یا شیر بھی نہیں ڈرا سکتا۔ اسے بجلی، گیس کے بل، دہشت گردی اور سیاستدانوں سے بھی کوئی خوف اور ڈر نہیں۔ حتی کہ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی بلا خوف وخطر بات کر سکتا ہے۔ مگر۔۔۔۔۔ بیوی کی دو مس کالیں اسکے چہرے کا رنگ اڑا کر رکھ دیتی ہیں۔ ہے کہ نہیں !

اور جن حضرات کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور پریشان رہتے ہوں ، یا ایک بھی

نہ ہو اور پریشان رہتے ہوں تو انکے لیے کہیں پڑھی گئی ایک بہت ہی اچھی بات یاد آئی کہ : جب دس سیکنڈ کی مسکراہٹ سے فوٹو اچھی بن سکتی ہے تو ہمیشہ مسکرانے سے زندگی اچھی کیسے نہیں بن سکتی؟۔ لہٰذا ہمیشہ مسکراتے رہیں۔ بیویاں چاہے جتنی بھی ہوں، یا بلکل ہی نہ ہوں ! ویسے یار کچھ بھی ہو، بیوی کم از کم ایک تو لازمی ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک تحقیق کے مطابق کنوارے، رنڈوے اور تنہائی پسند حضرات جلد بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ شادی شدی حضرات انکی بہ نسبت کم بیمارتے ہیں۔ ہے نہ عجیب بات کہ شادی کرو تو مسئلہ اور نہ کرو تو زیادہ مشکل۔ تو پھر کیا خیال ہے آپکا؟۔ شادی کرنی چاہیے کہ نہیں؟۔۔۔ ویسے آجکل کے مشکل دور میں مزاح لکھ کر کسی کو ہنسانا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اگر ہنسی آرہی ہو تو اس ناچیز کو بھی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ شکریہ۔

حسن نکھارنے کے بہترین طریقے

786

ایک بیوی نے اپنے شوہر سے شکوہ کیا کہ ڈارلنگ ! میں اتنی حسین و جمیل ہوں پر آپ میری تعریف کبھی نہیں کرتے۔ آج دو لائنوں میں میری تعریف کریں۔ شوہر بولا: واللہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہارے جیسی دو ہونی چاہئیں اور یہ کہ: تم اتنی خوبصورت اور کمینے دل کی مالک ہو کہ اللہ تعالی میرے دشمنوں کو ایسی چار بیویاں دیوے! بہرحال، یہ تو ایک لطیفہ تھا اب بات ہے حسن اور حسن نکھارنے کی تو، اسکے زیادہ تر طور طریقے ویسے تو بیسیکلی خواتین ہی استعمال کرتی ہیں، پر آجکل کے مرد بھی خواتین سے کسی طور پیچھے نہیں اور میک اپ شیک اپ، فیشل ویشل ، تھریڈنگ مریڈنگ وغیرہ تو معمول کی بات ہے۔ زندگی کے مختلف طبقے کے لوگ اپنا حسن سنوارنے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں، آئیں دیکھیں۔

سیاستدان اپنا حسن کیسے نکھاریں گے:

ہمارے ملک کی سیاست ہمیشہ ہی طوائفوں میں ہی گھری رہتی ہے اور اس میں مختلف قسم کے سیاستدان پائے جاتے ہیں مثلا: وگ والے سیاستدان، گنجے سیاستدان،

بالوں والے سیاستدان، چشمے والے سیاستدان، بغیر چشمے والے سیاستدان، مولوی سیاستدان، غیر مولوی سیاستدان، بوڑھی، شادی شدہ اور کنواری سیاستدان وغیرہ وغیرہ۔۔۔ خواتین کے حسن نکھارنے کے طریقے تو سبھی جانتے ہیں، لیکن یہاں ہمارا موضوع صرف مرد حضرات ہیں۔ مثلاً: اچھا میک اپ کرنے کے لیے سیاستدانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے خون سے ایک ہموار بیس بنا کر مہنگائی کی فاؤنڈیشن لگائیں پھر بیروزگاری کا موئسچرائزر لگا کر آگے بڑھیں۔ فاؤنڈیشن کے شیڈ چوز کرنے کے لیے عوام کو نت نئے قسم کے بیان دیکر ولا دیں۔ فاؤنڈیشن میں عوام کے خون پسینے کی حلال کی کمائی ملا کر اسے اپنے چہرے پر لیپ کریں۔ اگر نکھار نہ آئے تو مزید ٹیکس لگا کر مزید نچوڑیں اور پھر مر گئے، اٹ گئے کا فاؤنڈیشن ملا کر اپلائی کریں۔ اگر یہ جلد میں جذب ہو کر رنگت سے میچ کر جائے یعنی مارگیٹ اچیو ہو جائے تو سمجھیں کہ آپکا تجربہ کامیاب رہا۔ غلط اور بازاری قسم کے فاؤنڈیشن استعمال کرنے سے چہرے کی حقیت سامنے آجاتی ہے لہٰذا ٹیکس لگاتے وقت اس چیز کا خاص خیال رکھیں۔ فاؤنڈیشن لگاتے وقت خیال رہے کہ وہ عوام کے پیسٹ کی شکل میں ہو۔ اصلی حالت میں نہ ہو۔ اسے چہرے کے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگائیں اور گردن اور کاندھوں پر بھی لگائیں اسکے بعد بجلی کی لوڈشیڈنگ سے اسے آہستہ آہستہ جذب ایسے کریں جیسے عوام مہنگائی کو جذب کرتے ہیں ۔اسکے لیے عوام کا ہی کاسمیٹک اسفنج استعمال کریں اور یہ بھی دھیان رہے کہ چہرے پر فاؤنڈیشن لگاتے وقت عوام کا خیال ذہن میں بلکل نہ

رکھیں ورنہ اصلیت بھی کھل سکتی ہے۔ عوام کے پیور خون سے کلینزنگ کرتے وقت بار بار پانی یا خون اپنے ہاتھوں پر بھی لگائیں۔ سکربنگ عوام کی گردن سے شروع کریں اور پاؤں تک لے جائیں تاکہ پورا جسم مستفید ہو۔ یہ اسکربنگ والا فارمولا تقریباہر حکومت ہی آزماتی ہے اور کامیاب رہتی ہے۔ اسکے بعد دوبارہ کسی غریب کو اسفنج بنا کر ہاتھوں میں اوگی کارٹون کی طرح اچھی طرح بھینچ کر اس سے صاف کرلیں۔ اسکے بعد دہشت گردی کے ٹونر سے اسکن کی ٹوننگ کریں۔ اسکے بعد عوامی وعدوں کی کریم سے چہرے کا خوب اچھی طرح مساج کریں اور جب تک نہ اتاریں جب تک ان (عوام) کی چیخیں نہ نکل جائیں۔ آخر میں غنڈہ گردی، جھوٹ، مکاری، فریب کاری کا ماسک لگائیں۔ ماسک میں عوام کا معجون اور اسی کے نچوڑ سے بنا دودھ لیکر اچھی طرح مکس کرکے چہرے پر لگائیں، خشک ہو جائے تو اتار لیں اور آخر میں عوام کے پسینے کے عرق سے اسے دھو ڈالیں۔ میک اپ کرتے وقت گردن کا خاص خیال رہے کہ عوام کی گردن اور چھری میں زیادہ فاصلہ نہ ہو اور چہرے اور گردن کی رنگت ایک جیسی ہو۔ اگر کلر کا مسئلہ درپیش ہو تو کسی عوام دشمن قانون کو منظور کرا کر اسکا عرق شامل کرکے چہرے اور گردن کا مساج کریں تو مزید نکھار آ جائیگا۔ پرابلم کی صورت میں کسی بھی قریبی پارلر فون کریں یا تشریف لے جائیں۔

مزید یہ کہ چہرے کے کالے دھبے چھپانے کے لیے رشوت کے لیبل اور پھر ہیروئن

کا فیس پاؤڈر لگا کر فاؤنڈیشن زیادہ دیر تک لگی رہنے دیں۔ عوام کو باتوں کے فیشل کے بعد انکے بال کنڈلے کرکے بیانوں اور باتوں اور اجلاسوں کے کنڈلوں میں الجھا کر مہینوں بٹھائے رکھیں۔ ویسے یار! مولوی سیاستدانوں کے لیے مسئلہ ہے کہ فیشل یا میک اپ کو ن کریگا؟ مرد یا عورت؟ اگر عورت بھیج دی تو انکے لیے محرم اور نامحرم کا اشو کھڑا ہو جائیگا، اگر مرد بھیج دیا تو کہیں گے کہ لو اب ہم میک اپ کیا مردوں سے کرائیں! ۔ ویسے بھی تحفظات والے مولوی صاحب آجکل حکومت سے کچھ نالاں نالاں سے ہیں، مزید نالاں ہوگے تو کیا ہوگا؟ کئی ایک سیاستدانوں نے حرام کا مال کھا کھا کر اور عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑ توڑ کر اپنے چہروں پر اتنی کچھ منحوست سجائی ہوتے ہے کہ انکے منحوس چہرے تیزاب سے بھی دھوو تو بھی صاف نہ ہونگے اور نہ نکھریں گے۔ اسی طرح اور بہت سے زانی، شرابی کبابی سیاستدان بھی پائے جاتے ہیں کہ جن کے مکروہ چہروں پر کوئی فیشل میشل اثر نہیں کرتا۔ ویسے اگر سچی مچی میں کوئی لیڈی کسی مولوی کا میک اپ کر رہی ہو تو وہ سین پاٹ دیکھنے ولا ہوگا اور یوٹیوب پر نمبر ون بن جائیگا!۔

بزنس مین کا حسن

بزنس مینوں نے حرام کا مال اکٹھا کرکے اور ذخیرہ اندوزی سے کمایا ہوا مال کھا کھا کر اپنا حسن اتنا بگاڑا ہوا ہوتا ہے کہ ان پر بھی کوئی فیشل یا

فاؤنڈیشن کام نہیں کرتی۔ مثلاً آلو کو ہی لے لیں کہ پندرہ روپے سے اسی روپے کلو پر پہنچا دیا۔ تاہم پھر بھی کچھ بزنس مین ابھی ایسے ہیں کہ جن پر فیشل کا اثر اچھا ہوتا ہے اور وہ عوام کے کچومر کا ماسک اکثر اپنے چہرے پر لگا کر حسن نکھارتے رہتے ہیں۔ تاہم کچھ شریف بزنس مین یہ حسن گاجر اور کھیرے کے ماسک سے بھی سنوار لیتے ہیں۔ آج کا بزنس مین بہت اڈوانس ہو چکا ہے اور چن چن کر ایسے لونڈے کاروبار میں رکھتا ہے جو دکھنے میں چکنے اور فیشل وغیرہ کراتے رہتے ہوں۔

سرکاری ملازم کا حسن۔

سرکاری ملازم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک رشوت خور، ایک بغیر رشوت خور۔ رشوت خور پر تو کوئی میک اپ، شیک اپ یا فیشل کام ہی نہیں کرتا کہ اسکے منہ پر ویسے ہی حرام کھانے کی وجہ سے بہت پھٹکار ہوتی ہے۔ البتہ بغیر رشوت والا ملازم اس فیشل سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور فاؤنڈیشن اور بیس کے بغیر بھی اسکا حسن زیادہ دیر تک قائم رہ سکتا ہے۔ کچھ سرکاری ملازم کام پر جاتے ہی نہیں اور گھر بیٹھے حرام کھاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں کہ کام پر تو جاتے ہیں پر ادھر ادھر ٹائم پاس کر کے واپس گھر یا پھر اپنے پارٹ ٹائم کام پر۔ تو میرے بھائی ان پر بھی کوئی فیشل، فاؤنڈیشن یا فیئر اینڈ لولی کام نہیں کرتی۔

کھلاڑی کا حسن

کھلاڑی کسی بھی کھیل کا ہو کھلاڑی ہی ہوتا ہے۔ کھلاڑی اگر میچ فکسنگ میں ملوث نہ ہو تو اسکا حسن بغیر کسی مٹیریل کے نکھر سکتا ہے۔ تاہم اگر میچ فکسنگ میں ملوث ہوا تو پھر مشکل ہے کہ اسپر میک اپ کا کوئی اسٹیپ کام کرے۔ کھلاڑی اگر اچھا کھیلے تو تو واپسی پر سری لنکا کی کرکٹ ٹیم اور سٹریٹ چائلڈ فٹ بال ٹیم طرح انپر ڈالروں اور روپوں کی بارش، ورنہ انڈوں اور ٹماٹروں کی۔ تو ایسے میں حسن نہیں کچھ اور ہی نکھر جائیگا۔ کیا خیال ہے آپکا؟

اداکاری کا حسن

اداکاری بندے نے حسن نکھارنا نہیں بلکہ بگاڑنا ہوتا کہ فاؤنڈیشن، بیس، کلر میچنگ، سکربنگ، لیپ، نکھار، رنگت، پیسٹ، جذب، کلینزنگ، مساج، اسفنج، ٹوننگ، کاسمیٹک، ماسک، عرق، وغیرہ جیسے الفاظ اور کاموں کا اسنے برا حشر کرکے اپنا بھی برا حال کرلینا ہے، تے اینوں جان دیو!

ایک عام آدمی کا حسن

اس بیچارے نے کیا حسن نکھارنا ہے کہ اس کے پاس اتنے فالتو پیسے اور ٹائم بچے گا تو وہ کچھ اپنے حسن کو سنوارنے کے بارے میں سوچے گا۔ ویسے اگر نکھارنے بھی بیٹھے تو حسن نکھارنے سے پہلے اسکا خرچہ دیکھ کر ہی اسکا سارا

حسن بگڑ جائیگا۔ لہٰذا اس بیچارے کو تو کپڑے دھونے والے صابن کی ایک چکی یا پھر دس روپے والے سرف کا ایک پیکٹ ہی کافی ہے، پورا جسم ہی نکھر جائیگا۔ ویسے تو یہ بیچارہ گھر اور دنیا داری کے بکھیڑوں میں اتنا مگن ہوتا ہے کہ اسے نہیں پتہ کہ میک اپ یا حسن نکھارنا ہوتا کیا ہے؟ ویسے پچھلے زمانے میں میک اپ میں زیادہ جھنجٹ نہیں تھا۔ خواتین ایک تبت سنو کریم اور ایک لپ اسٹک سے کام چلالیتی تھیں۔ اب بھی اگر صرف یہی فارمولا استعمال کیا جائے تو بہت سستے میں حسن نکھارنے کا کام ہو سکتا ہے۔

ایک اداکار کا حسن نکھارنا

اسکا تو کام ہی سارا دن حسن نکھار کر جلوے دکھا کر دوسروں کو گھائل کرنا ہوتا ہے۔ انکے حسن نکھارنے کے لیے تو کئی کئی بندے اور بندیاں رکھی گئی ہوتی ہیں کیونکہ اسکے بغیر وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ اسکرین پر آسکیں۔ آپ دیکھیں کہ نانا پاٹیکر، رجنی کانت، نصیرالدین شاہ، شترو گھن سنہا جیسے لوگوں کو بھی میک اپ کے ذریعے ہیرو کے روپ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ حسن نکھارنے کا ہی کمال ہے کہ واجبی سی صورت والے یہ اداکار ہیرو رہے ہیں۔ اسکے علاوہ شاہ رخ خان، اکشے کمار، اجے دیوگن وغیرہ بھی کالے کلوٹے حسن نکھرنے کے وجہ سے ہی آج ہیرو گنے جاتے ہیں۔ پاکستان آئیڈل پروگرام میں بھی کل کے لونڈے میک اپ سے حسن نکھرنے پر آجکل ہیرو سے دکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ انگریزی فلموں

کے اداکاروں کے کیا کہنے مثلاً: سلوسٹر، آرنلڈ، جان ریمبو، ٹام کروز۔ یہ سب اداکار معمولی حسن کے ساتھ بھی فلموں میں کام کرتے ہیں۔اسکے علاوہ آپ کبھی گھانا، نائیجیریا، کیمرون، ویسٹ انڈیز، سری لنکا وغیرہ کے ہیرو دیکھ لیں تو آپ خود کو ہیرو اور انہیں زیرو تصور کریں گے۔ بھلا کیوں؟ یہ آپ خود سوچیں؟ انہی میک اپ زدہ چہروں کو دیکھنے کی لوگ شدید خواہش اور تمنا کرتے ہیں۔ پر معروف بیوروکریٹ اور میرے آئیڈیل ذوالفقار چیمہ صاحب اپنے دورہ ہندوستان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہاں ان سے پوچھا گیا کہ آپ اگر مشہور اداکاروں سے ملنا پسند فرمائیں تو انتظام کیا جاسکتا ہے۔ پر انہوں نے بہت ہی پیارا جواب دیا کہ اداکاروں سے ملنے کا کیا فائدہ، بندہ ملے تو کسی رائٹر سے ملے، شاعر سے ملے، ٹیچر سے ملے تاکہ کچھ سیکھنے کا موقع ملے۔ تو ایسا بھی ہوتا ہے دنیا میں!

روزگار کے سلسلے میں بیس برس قبل جب ہم دبئی، ابو ظہبی میں مقیم تھے تو وہاں ایک بار ابو ظہبی ریڈیو پر استادِ محترم جناب ہارون پاشا صاحب کے ساتھ ایک ڈرامہ ریکارڈ کرانے گئے تو ہمارے ایک ساتھی ناصر حسین ایک روز کچھ عجیب سے نکھرے نکھرے نظر آئے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ فیشل اور میک اپ کا کمال ہے۔ تو تب ہمیں معلوم ہوا کہ مرد حضرات بھی صنفِ نازک میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔یا پھر شاید پہلی بار مردوں کا پارلر ہم نے کراچی کی شاہ فیصل کالونی

میں تیس ، پینتیس برس قبل دیکھا تھا۔پر اب تو یہ بیماری بہت عام ہے۔

تو جناب ! مذکورہ بیان کیے گئے تو صرف ٹوٹکے ہیں۔ جو رونق، نور، بشاشت، حسن، باوضو رہنے، نماز کی پابندی کرنے، جھوٹ غیبت سے بچنے، دل صاف رکھنے ، صبح جلد اٹھ کر سیر کرنے اور درود پاک کا ورد رکھنے سے چہرے پر آتی ہے وہ مذکورہ تمام ٹوٹکوں سے بھی نہیں آسکتی۔آزمائش شرط ہے ! پھر وہی آج کی بات کہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں کہ ہنسنا ہی زندگی ہے۔اس ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ساتھ ساتھ بلاگ میں اپنے کمینٹس بھی پوسٹ کریں، جو کہ مزید بہتر لکھنے میں میرے معاون ثابت ہوتے ہیں۔

کچھ ٹوٹے ہنسنے کے لیے

بڑے کالم نگاروں کے پاس جب لکھنے کو کچھ نہ ہو تو اپنے پرانے کالموں کے حوالے دیکر کالمز کا پیٹ بھرتے ہیں یا پھر ایویں ہی ادھر ادھر کی باتیں ۔مثلا: مرحوم ارشاد احمد حقانی صاحب کے اکثر کالمز انکے اپنے پرانے کالمز کے حوالہ جات سے پر ہوتے تھے۔ استادِ محترم عطاء الحق قاسمی صاحب بھی بار بار وزیر آباد کے اور تاروں بھری رات میں چھت پر سونے کے قصے چھیڑ بیٹھتے ہیں۔ جاوید چوہدری صاحب بھی لکھتے لکھتے بہاولپور پہنچ جاتے ہیں۔ منو بھائی ادب لکھتے لکھتے میک اپ اور گنجے پن کی ادویات پر کتنی تحقیق ہو رہی ہے، اسپر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حسن نثار صاحب یا تو فیصل آباد پہنچ جاتے ہیں، یا مشکل سے محاورے لکھنا شروع کر دیتے ہیں یا پھر کسی مشکل اور خشک سی کتاب کو قسط وار شائع کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ آجکل پھر گندی سڑک کی وجہ سے میاں صاحبان سے ناراض ہانسی حویلی، بیلی پور سے کہیں دور۔ عبدالقادر حسن صاحب وادی سون پہنچ جاتے ہیں اور ہارون رشید صاحب اور رؤف کلاسرا صاحب پنجاب اور وفاقی گورنمنٹ کی نااہلی کے پرانے یا نئے قصے تلاش کر کے لتے لے رہے ہوتے ہیں۔۔ اصل میں جب کوئی موضوع نہ ہو تو لوگ ساہی کڈھنے کے لیے یہ سب کر رہے ہوتے ہیں۔ ناچیز تو ان تمام اساتذہ کرام کی پاؤں کی دھول بھی نہیں پر انکی دیکھا دیکھی کچھ ادھر ادھر

کے ٹوٹے پڑھیں اور ملا کر دیکھیں کہ کیا بنتا ہے؟

:کچھ نہیں

صبح اٹھو تو بجلی نہیں، نہانے کے لیے پانی نہیں، کپڑے استری کے لیے بجلی نہیں، کھانا بنانے کو گیس نہیں، کام پر جانے کو ٹرانسپورٹ نہیں، ٹرانسپورٹ مل گئی تو بیٹھنے کو جگہ نہیں، بازار جاؤ تو مہنگائی کی وجہ سے قوت خرید نہیں، تعلیم ہے تو روزگار نہیں، دہشت گردی ہے علاج نہیں، ملک تو ہے مخلص قیادت نہیں، تعلیم ہے معیار نہیں، ایک دوسرے میں قوتِ برداشت نہیں، مساجد ہیں نمازی نہیں، قرآن ہے عمل نہیں، زبان ہے تاثیر نہیں، بڑے تو ہیں پر انکا ادب نہیں، بیماریاں ہیں علاج نہیں، خواہش ہے خریدنے کی پر جیب میں مال نہیں، دوسروں کو نصیحت پر خود عمل نہیں۔ بیوی تو ہے پر پیار نہیں۔ اولاد تو ہے پر اسکی طرف سے سکون نہیں۔ ساس بہو اکٹھی پر پیار محبت نہیں، دوسروں کو نصیحت پر خود عمل نہیں، ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ کب ختم ہو گی یہ نہیں؟؟

:لارا لپا

ہمیں روز مرہ کی زندگی میں اتنے لارے لپوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ اصولی بندے کو تو زندگی گزارنا ہی مشکل ہو جائے۔ مثلا: وین والا روز لارا لگاتا ہے کہ ٹائم پر آؤنگا، پر نہیں آتا۔ چکی والے نے لارا لگایا کہ آٹا شام پانچ بجے

اٹھا لینا، پر بلا اگلے روز پانچ بجے۔ درزی کا لارا کہ کپڑے پندرہ مئی کو لے لینا، پر دیے جون کی پندرہ کو۔ کسی کو ادھار دیا تو وہ آج کل کا لارا لپا دیتے مہینوں گزار دیتا ہے۔ مستری سے کام کراؤ تو لارا کہ دس دن میں کام ختم ہو جائیگا پر مہینہ بعد اسے ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے نکالنا پڑتا ہے۔ کاروبار کے لیے کسی کو رقم دو تو منافع تو درکنار اصل رقم کے واپسی کے لیے بھی سالوں لارا لپا چلتا ہے۔ کسی کو کتاب ادھار دے دی تو روز لوٹانے کا لارا، مہینہ بعد واپسی ہوتی ہے۔ کسی لوہار سے کوئی کام پڑ گیا تو صبح شام کے لارے میں ہفتوں نکال دیتا ہے۔ رکشہ ٹیکسی بلا لو تو ابھی آیا کا لارا لگا کر گھنٹوں بعد وارد ہوتا ہے۔ ویگن یا بس والے کو بلایا تو وہ بھی لارا لپا لگا کر گھنٹوں بعد آتا ہے۔ اسی طرح دودھ والے کو لاکھ سمجھائیں کہ پانی نہ ملایا کرو، ہر روز لارا دیگا نہ کا، پر عمل نہیں کریگا۔ اخبار والے کا روز ٹائم پر آنے کا لارا، پر آئیگا نہیں۔ کرایہ دار سے کرایہ اگلوانے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ کئی لوگ تو ادھار لیکر دینے کا لارا لگاتے لگاتے اصل رقم دینے سے ہی مکر جاتے ہیں۔ اسی طرح کہیں دعوت میں جانا ہو تو بیگم کا لارا کہ ابھی آئی۔ بچوں کا لارا کہ ابھی آئے پر ہر جگہ، ہر دن ہمیشہ لیٹ۔ اسی طرح باس کا لارا کہ اگلے سال ترقی دلاؤنگا، سالوں گزر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کا لارا کہ ٹھیک ہو جاؤگے، پر سالوں دوائیاں شکم میں اتارنے پر بھی بیماری نہیں جاتی۔ ٹیچر کا لارا کہ پاس کرا دونگا۔ الیکٹریشن کا لارا کہ ابھی آیا

پھر گھنٹوں بھی وارد نہیں ہوتا۔ بیوی کا لارا کہ روٹی ٹائم پر دونگی ، بچوں کو ٹائم پر اسکول کے لیے تیار کرونگی، پر یہ لارا قبر تک لارا ہی رہتا ہے۔ برائے مہربانی اس لارا کو ویسٹ انڈین کرکٹر برائن لارا والا لارا مت سمجھئے گا!

اسی طرح سیاستدانوں کے آئے روز کے لارے کہ نیا پاکستان بنائیں گے، معاشی طور پر مستحکم کریں گے، غربت ختم کریں گے، روٹی کپڑا اور مکان دیں گے، دودھ شہد کی نہریں بہائیں گے، دہشت گردی ، بیروزگاری اور لوڈ شیڈنگ ختم کریں گے، پر یہ لارے ، لارے ہی ہیں پاکستان بننے سے اب تلک ! اسی طرح کسی کا نوکری کا لارا۔ ٹیسٹ کے بعد انٹرویو کا لارا، پھر جائننگ کا لارا۔ بس والے کا بس ٹائم پر چلانے کا لارا۔ پارسل کھانے کا آرڈر دیکر اسکے انتظار کا لارا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب ہم دبئی میں تھے تو ایک بندہ ویزا لگا پاسپورٹ لیکر غائب ہوگیا۔ باس نے ہماری ڈیوٹی لگائی کہ اسے پاسپورٹ سمیت حاضر کرو۔ کسی طرح سے اس بندے سے رابطہ تو ہوگیا پر اس نے پاسپورٹ دینے میں اتنے لارے لگائے اور اتنے جھوٹ بولے کہ الامان الحفیظ۔ صبح کہتا کہ شام کو دونگا، شام کو کہتا کہ صبح دونگا اسی لارے میں اسنے مہینہ نکال دیا پر پاسپورٹ پھر بھی نہ دیا آخر کار شاید شرطوں کی مدد لینی پڑی تھی۔

بیگمات کیا سوچتی ہیں

اگر جوائنٹ فیملی سسٹم میں ساس، سسر، نند، بھاوج، دیور، جیٹھ ساتھ رہتے ہوں:
تو موصوفہ کو انکا ساتھ رہنا بلکل گوارا نہیں ہوتا۔ اسکی دعا ہوتی ہے کہ ساس سسر مر جائیں، باقی لوگ گھر سے بھاگ جائیں ورنہ تو آئے روز جھگڑا کہ میں تو صرف آپکے لیے آئی تھی، میں ان درجن بھر لوگوں کا کام کیوں کروں۔مزید یہ سوچے گی کہ میرا میاں اپنے ماں باپ کا زیادہ خیال رکھتا ہے، سسرال والوں کو نہیں پوچھتا۔ چونکہ عورت فطرتا ہوتی ہی شکی مزاج ہے تو ہر وقت یہ سوچتی ہے کہ میرے گھر والے آتے ہیں تو یہ صرف چائے پر ٹرخاتے ہیں، پر اپنے گھر والوں کو چائے کے ساتھ سموسے اور مٹھائی نئے ماربل کے ڈنر سیٹ میں دیتے ہیں۔ میرے گھر والے آئیں تو دال کھلاتے ہو، اپنوں کو مرغ روسٹ۔ حالانکہ آپ خود سوچیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟مزید یہ سوچے گی کہ کاش! میرا میاں ساری کمائی لاکر میرے ہاتھ پر رکھے۔ جہاں آئے جائے میری مرضی سے جائے آئے۔ لینا دینا میری مرضی سے ہو۔ بچے میری مرضی سے پڑھیں لکھیں۔ بچوں کی شادیاں میرے مرضی سے ہوں۔ سارا خرچہ میرے ہاتھ میں ہو۔ اپنی مرضی سے ہر جگہ آؤں جاؤں، کوئی روک رکاوٹ نہ ہو۔اور یہ کہ: میرے میاں میری ٹانگیں اور سر دابے، کھانا بنائے،.برتن دھوئے، بچوں کو نہلائے دہلائے، اسکول کے لیے تیار کرے۔ ایک آواز پر دوڑا چلا آوے۔ باہر گھمانے لے جائے، ہر ہفتے باہر کھانا کھلاوے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔

ٹینشن :

بھانجا، بھتیجا، بیٹا، بیٹی، بیوی بیمار تو ٹینشن۔ دفتر کے مسائل ، باس ناراض تو ٹینشن۔ بیگم کا موڈ خراب تو ٹینشن۔ کرایہ دار نے کرایہ نہیں دیا ٹینشن۔ مالک مکان نے مکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا ، ٹینشن ۔ بیماری کی ٹینشن۔ کسی ساتھی کی دی گئی ٹینشن ۔ دفتر کی گاڑی ٹائم پر نہیں آئی، ٹینشن۔ کولیسٹرول زیادہ ہوگیا، بلڈ پریشر بڑھ گیا، شوگر تیز ہو گئی، دل کو جھٹکا لگ گیا تو ٹینشن۔ شادی کا خرچہ اچانک آگیا ، ٹینشن۔ ، بیگم کی اچانک کچھ نئی فرمائش، ٹینشن۔ اسکول والوں نے تین ماہ کی فیس ایڈوانس مانگ لی ٹینشن۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ کب ختم ہو گی یہ ٹینشن۔؟؟

کچھ نئی خبریں

وینا ملک عمرہ کر آئیں اور شوبز کو خیر باد کہنے کا اعلان؟ وینا ملک نے نام بدل لیا، اب وینا خٹک ہو گئیں۔ وینا ملک ایم اے اسلامیات کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ وینا ملک کی وجہ سے جیو چینل بند ہو گیا ! میرا بیچاری دکھوں کی ماری کا ایک اور اسکینڈل : کہ ہوٹل کی لانڈری کا بل نہیں دیا ، ہوٹل والوں نے کیس کرنے کی دھمکی لگادی۔ میرا کو ہسپتال کے لیے پلاٹ مل گیا۔ اور۔۔۔۔۔ میرا کا سسرال میں پھر بچھڑا۔ اداکارہ ثنا کے شوہر اسکا موبائل چیک کرتے ہیں۔ آلو

اسی روپے کلو ہو گیا۔کیلا دو سو چالیس روپے کے بارہ۔انجلینا جولی اب ہدایتکاری کریں گی۔دلیپ کمار کی کتاب شائع ہو گئی۔اور یہ کہ فٹ بال ورلڈ کپ شروع ہوا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ تو لہٰذا ملتے ہیں فٹ بال ورلڈ کپ کے بعد ! انشاءاللہ۔

بکرا۔ عید پر کیا کیا ہوتا ہے؟؟؟

۷۸۶

سب سے پہلے تو لمبی غیر حاضری کی معذرت کہ کچھ پھسوڑیوں کی وجہ سے لکھنا لکھانا نہ ہو سکا۔ پھر ایک پرانا سدا بہار امینڈیڈ آرٹیکل موقع کی مناسبت سے حاضرِ خدمت۔

بقر عید کا نام سنتے ہی انسانی ذہن فورا تکہ، بوٹی، کلیجی، سری، پائے، ران اور چانپوں کی طرف چلا جاتا ہے اور لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ دراصل ہم نے سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اس فریضہ کو سرانجام دینا ہے۔ آجکل ہر شہر گاؤں اور دیہات میں قربانی کے لیے جانوروں کا فیشن شو یعنی منڈی لگی ہے اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق اس شو میں جا کر جیب ہلکی کرنے کے چکر میں ہے۔ سیانے لوگ تلاش جانوراں برائے قربانی سال پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں، جب وہ بلی کے بچو نگڑے کے برابر کا ایک آدھ بکرا، بکری کا بچہ لیکر یا تو گھر باندھ کر چھوٹے بچوں کو بہلانے کا کام بھی لیتے ہیں، یا پھر کسی جاننے والے کی زمینوں پر کھلے ڈھلے پلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ آخر وقت کے

ڈھیر سارے خرچے سے بچا جاسکے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہ بیچارہ مظلوم قربانی کا جانور آخری دنوں میں ہی خرید پاتے ہیں۔ بلخصوص بڑے شہروں کے لوگ تنگی مکاں کی وجہ سے ادھر جانور لیا اور ادھر چھری دے تھلے۔ تنخواہ دار سب سے مظلوم طبقہ تو آخری دم تک ادھر ادھر سے کچھ آنے کی امید پر اس خاص شے کے لیے چاند رات ہی کر دیتا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز ایڈوانس ہو گئی ہے۔ اب آپ مویشی منڈی یا بکرا پیڑی جائیں، بکرا، بکری یا جو بھی جانور لینا ہو اسکی ایشوریا یا مادھوری اسٹائل، مختلف زاویوں سے بہت سی تصاویر بنا کر بیگم اور بچوں کو ایم ایم ایس کریں، پسند کرائیں، چرچے کے لیے خرچہ کریں اور جانور گھر لے آئیں۔ عیدین پر سب سے زیادہ شامت بیچارے سرکاری ملازم کی ہی تو آتی ہے کہ لگی بندھی تنخواہ اوپر سے اضافی خرچہ۔ حضرت کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بڑے جانور میں سستا سا حصہ ڈال لیا جائے، مگر بچے اور بیگم میاں بیچارے کو ان نیک ارادوں سے باز رکھتے ہوئے بکرے کی فرمائش اور رٹ برابر ایسے جاری رکھتے ہیں جیسے امریکہ ڈومور کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔ بلکہ بعض بیگمات تو اسی مریکہ کی طرح سے اپنے اپنے میاؤں کو تڑیاں بھی لگا دیتی ہیں کہ بکر الائیں تو گھر آنا ورنہ باہر ہی کہیں ڈیرہ لگا لینا اور انجام کے لیے تیار رہنا۔ یوں بیچارہ ملازم نہ چاہتے ہوئے بھی ادھار شدھار کرکے بکرا گھر لے ہی آتا ہے۔

لو جناب ! بکرا گھر آیا نہیں کہ اس کی منہ دکھائی کی رسم شروع ہو جاتی ہے۔ بچے محلے والوں کو پکڑ پکڑ بکرا دکھانے کو لا رہے ہوتے ہیں، بیگم اپنے رشتہ داروں کو فون پر اور بہ نفس نفیس بکرے کی خوبیاں بیان کر رہی ہوتی ہیں، مثلا بکرا بہت ہی اعلی نسل کا ہے، دوندا ہے، بہت ہی خوبصورت ہے، اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو تقریبا ایک من گوشت ضرور نکل آئے گا؟؟ (بکرا نہ ہوا گائے ہو گئی) ، مزید یہ کہ بس اس نسل کا یہ ایک ہی بکرا تھا جو ہم لے آئے، اسکے بعد اسکی نسل ہی ختم ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف بچے اپنی اپنی پلاننگ میں مصروف کہ گھاس کون لائے اور کھلائے گا، پانی کی ڈیوٹی کس کی ہو گی، کھل، بھوسی ٹکڑے اور چنے کون کھلائے گا، وغیرہ غیرہ۔ مگر صفائی کی ڈیوٹی کی طرف کوئی نہیں جاتا کہ گند صاف کرنے کی ڈیوٹی ماں یا ماما کی لگا دیجاتی ہے یا پھر بیچاری چھوٹی بہن رگڑے میں آتی ہے۔

تو جناب ! گھر میں ہو بکرا اور بچے باہر لیکیر نہ جائیں ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ للو میاں کے ساتھ گذشتہ عید سے ایک روز قبل پیش آیا، جب آخری نمبر والے بچے کو، جسکا ساتھ بھی ابھی بکرے کی دم تلک بھی نہیں جاتا، انہیں بکرے کو سیر کرانے کا شوق چرایا۔ ماں کی آنکھوں میں دھول

اور لال پیلی مرچ جھونک، بکرا کھولا اور باہر لے گئے۔ بکرا صاحب کو گلی میں کسی گھر سے مظلوم میڈم بکری کی آواز آ گئی، بکرا صاحب نے وہیں سے مولاجٹ کی طرح آواز لگائی کہ میں آ ریا واں گلابووو، اور وہ رسی چھڑا کر چھوٹے میاں کو کوڑے کی اروڑی پر گیند کی طرح اچھالتے اپنی بکری کو لیکر ایسے لاپتہ ہوئے کہ جیسے ہمارے سیاستدان الیکشن جیتنے کے بعد۔ شام کو للو میاں گھر آئے تو ماجرا سن کر پہلے تو اپنا سر پکڑ کر رہ گئے، پھر تلاش جانوراں میں نکل کھڑے ہوئے۔ قریبی مساجد میں اعلانات کرائے، میونسپل کمیٹی کے گمشدہ جانوروں کے بھانے میں تلاش کیا، لوگوں سے ادھر ادھر پوچھتے پاچھتے پتہ چلا کہ محلے کی ایک عدد بکری بھی غائب ہے اور بکری کا مالک بکری کی تلاش میں سر گرداں ہے۔ موقعہ کی مناسبت سے ایک صاحب نے تو مشورہ دیا کہ آپ بھی چیف جسٹس صاحب کہ خط لکھ دیں کہ سو موٹو ایکشن لیکر ہماری بکری اور بکرا بازیاب کرایا جائے، کیونکہ آجکل یہی ٹرینڈ چلا ہوا ہے کہ کسی کا طوطا یا بلی بھی گم ہوجائے تو فورا چیف جسٹس صاحب کو تار بھیج دی جاتی ہے جیسے انکے پاس سیاستدانوں کی طرح کرنے کو کوئی اور کام نہ ہو۔ خیر جناب! کچھ تلاش بسیار کے بعد ایک جگہ بکرا اور بکری دونوں ہی مل گئے، مگر دونوں نے اپنے اپنے مالکوں کو دیکھ کر دوبارہ دوڑ لگا دی اور راستے میں آنے والی ہر چیز کو چنگیز خان کی طرح تہس نہس کر دیا۔ مثلا گول گپے والے کی ریڑھی الٹا دی، سبزی والے کا ٹھیلا کلٹی کر دیا، دودھ والے کی سائیکل کو ٹکر ماری بلو حجام

کا بیٹا جو کہ گلی میں بنٹے کھیل رہا تھے اسکی بازو توڑ دی۔ بکرا بکری آگے اور دونوں مالک پیچھے، آخر ایک جگہ دونوں تھک ہار کر رک ہی گئے اور رحم طلب نظروں سے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کہ رہے ہوں کہ:

اک تم ہی نہیں تنہا الفت میں ہماری رسوا۔۔۔۔۔اس شہر میں آجکل تم جیسے دیوانے ہزار ہیں

اور واقعی اسوقت سب لوگ انکے دیوانے تھے کہ کل ان صاحب کو قربان جو کرنا تھا۔ باآخر درجن بھر لوگوں کی مدد سے دونوں مالکان اپنے اپنے مال کو قابو کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے اور للو میاں بکرا لیکر بڑے فاتحانہ انداز میں گھر میں داخل ہوئے کو آج تو بیگم کے آگے ٹور بن جائے گی۔ ابھی للو میاں لہک لہک کر اپنی بہادری کے قصے بیگم اور بچوں کے گوش گذار کر ہی رہے تھے کہ گول گپے والا، سبزی والا اور دودھ والا اپنا اپنا معاوضہ وصول کرنے پہنچ گئے اور ساتھ میں بلو حجام بیٹے کے بازو پر پٹی چڑھائے موجود میڈیکل الاؤنس کا تقاضا کر رہا تھا۔ان تمام حضرات کو دیکھ کر تو للو میاں کی جان ہی نکل گئی کہ اتنے کا تو بکرا انہیں جتنا معاوضہ مذکورہ صاحبان طلب کر رہے ہیں۔ پھر رات گئے محلے کے بزرگوں کی میٹنگ کال کی گئی جسمیں فیصلہ ظاہر ہے کہ اکثریت سے للو میاں کے خلاف آیا اور پھر تمام لوگوں کا نقصان پورا کرنا پڑے۔ اور یوں یہ بکرا صاحب بچھڑے کی قیمت میں جا پڑے۔ صبح صبح عیدی ویدی اور

دیگر غیر ضروری اخراجات سے فراغت کے بعد، بیگم کو چھریاں، بگدے اور کھوڑی وغیرہ محلے والوں سے مستعار لینے بھیجنے کے بعد، ابھی عید کی نماز میں تھوڑا سا ٹائم باقی تھا للو میاں نے سوچا کہ قصائی کو ذرا ریمائنڈ کرا آئیں کیونکہ محلے دار ہونے کے ناطے اسنے بہت قریب کا نمبر یعنی چوتھا نمبر دیا تھا اور پانچ سو روپیہ ڈسکاؤنٹ بھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ عید کی نماز کے ٹھیک سات منٹ بعد انکے گھر ہوگا اور آپ ہر چیز تیار رکھیے گا۔ قصائی موصوف کے گھر سے پتہ چلا کہ وہ تو صبح سات بجے والی مسجد میں نماز پڑھ کر درجن بھر جانور ڈھا بھی چکے ہیں۔ خیر جناب للو میاں بھی جلدی جلدی نماز پڑھ کر گھر پہنچے کہ قصائی صاحب آ چکے ہونگے، مگر وہ لاپتہ تھے اور فون بھی بند تھا۔ اب للو میاں کبھی بکرے کو دیکھیں اور کبھی بیگم کو کیونکہ بیگم اپنے اہل خانہ کو دوپہر کے قیام و طعام کا پہلے ہی کہہ چکی تھیں۔ للو میاں نے محلے کی چھ گلیوں میں چھپیوں بچوں کو دوڑایا کہ جو بھی قصائی کو ڈھونڈھ کر لائے گا اسے سو روپیا انعام، گھنٹے بعد منجھلا والا بیٹا سر پر قصائی کی کھوڑی اٹھائے فاتحانہ انداز میں داخل ہوا اور کہا کہ لایئے سو روپیا، قصائی باہر ہے۔ لو جناب! قصائی صاحب تشریف لائے بمعہ دو ہیلپرز، آتے ہی نہ سلام نہ دعا، نہ عید مبارک، آؤ دیکھا نہ تاؤ بکرا ڈھایا چھری چلائی، بکرے نے ایک دو پلٹیاں ادھر ادھر ہمارے ایک مشہور مذہبی سیاستدان کی طرح ماریں اور ٹھنڈا ہوگیا۔ قصائی صاحب نے جلدی جلدی کھال اتارنے کا افتتاح کیا اور

ہیلپروں کے حوالے کر یہ جا وہ جا۔ جاتے جاتے ہیلپروں کو تاکید کر گئے کہ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد سرور بھائی کے گھر آ جانا اگلا پروگرام وہیں ہے۔ للو میاں نے قریب ہو کر دیکھا تو بکرے کی آنکھیں کچھ کھلی کھلی سی نظر آئیں جیسے اپنی بکری سے کہ رہی ہوں کہ:

مر کر بھی آنکھیں رہیں گے شام و سحر یونہی کھلی میری۔۔۔ کہ آنکھوں کو سونپ دیں گے سدا تیرا انتظار ہم

تاہم ہیلپر قصائی نے بعد میں کلیئر کر دیا کہ صاحب جی یہ تو یونہی کھلی رہتی ہیں۔ آدھے گھنٹے میں دونوں ہیلپروں نے بکرے کی بوٹی بوٹی الگ کر دی اور خرچہ پانی لیکر فرار، اگلے معرکے کے لیے۔ اب جناب گوشت کی تقسیم کا مرحلہ۔ سب سے پہلے تو بیگم نے آواز لگائی کہ کھال اور سری پائے وغیرہ کسی مدرسے ودرسے یا کسی بھی تنظیم کو نہیں دینی ہے، یہ چیزیں میں نے فلاں بابے کو دینی ہے جسنے پہلے پہلے منے کی دفعہ میں تعویذ دیا تھا اور پائے اس والی اماں کو دینے ہیں جو میرے سر سے جویں نکالتی ہیں اور اوجھڑی فلاں بابے کو دینی ہے جسنے سب سے چھوٹے منے کی دفعہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ہاں جس ماسی نے چھوٹے منے کا چھلا بھگتوایا تھا اسکا حصہ ضرور رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ کِلو کِلو کے درجن بھر شاپر لیکر وہیں بیٹھ گئیں اور اماں کے، بھائی کے، بہن کے، ابا کے گوشت کے شاپر پہلے ہی الگ الگ کرا لیے گول بوٹی والے۔ خاص طور سے ابا کے لیے ران کا گوشت بغیر ہڈی کے الگ کرا لیا کہ ابا کی بتیسی

میں کہیں ہڈی نہ پھنس جائے۔ فقرا اور مساکین کا حصہ بھی یہ کہ کر الگ کرا لیا کہ میری چھوٹی بہن کا تو کوئی کمانے والا ہی نہیں تو اس سے زیادہ حقدار کون ؟۔ للو میاں نے یاد کرایا کہ بیگم جن اشخاص کے شاپر آپنے الگ الگ رکھوائے ہیں انہیں تو آپنے دعوت پر بھی بلایا ہے، تو کیا وہ پکا بھی کھائیں گے اور کچا بھی؟ بیگم نے گھور کر دیکھا اور کہا کہ توبہ ہے سال میں ایک ہی بار تو ایسا ہوتا ہے، میں کونسا روز روز گوشت بھجواتی اور کھلاتی ہوں۔

یوں جناب ! بیگم صاحبہ نے اپنے گوشت کے شاپر پورے کرانے کے بعد سب سے پہلے گردے کلیجی وغیرہ بھون کر بڑے فخریہ انداز میں سب کو چکھوائے اور پھر ٹائم کی شارٹیج کو مد نظر رکھتے ہوئے آدھا گوشت، آدھے بال لگے، آدھے اترے یونہی بغیر دھلا پکنے کے لیے چڑھا دیا گیا۔ کیونکہ درجن بھر مہمان بڑی بیتابی سے قربانی کے گوشت پر ہاتھ صاف کرنے اور بتیسی والے حضرات اپنی اپنی بتیسیاں بھی رگڑوا اور صاف کرا چکے تھے۔ پھر جناب کھانا تیار ہونے پر سب نے اسکے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور تمام مہمان ہاضمے کے لیے آدھا درجن سپرائٹ اور ڈیو کے دو لیٹر پیک بھی ساتھ چڑھا گئے۔ بقر عید ہو اور بچوں اور بڑوں کے پیٹ خراب نہ ہوں انہونی سی بات ہے، کئی صاحبان تو کھانے کے دوران بھی کئی بار باتھ روم کی حاضریاں لگانے گئے، مگر کھانے سے ہاتھ انہوں نے پھر بھی نہ اٹھایا اور اسی رفتار اور ذوق اور شوق سے باتھ روم آتے جاتے اور

کھانا تناول فرماتے رہے۔

شام کو تمام گھر والے سالے صاحب کے ہاں انوائیٹڈ تھے، بیگم نے رقعہ بھجوایا کہ بھائی کے گھر جانا ہے پانچ کلو مٹھائی اسپیشل کا ٹوکرا لیتے آیئے اور ٹیکسی کار کا بھی بندوبست کر کی منی بس پر نہیں جایئں گے۔ للو میاں نے کہا کہ W-11 لیں ہم چنگ چی رکشہ یا بیگم ہم کھانا کھانے جارہے ہیں، نہ کہ بڑے منے کی سگائی کرنے، تو پانچ کلو مٹھائی اور ٹیکسی کا کیا کام، بیگم نے بینگن کی طرح برا سا منہ بنا کر جواب دیا کہ درجن بھر بچے ہیں خیر سے میرے بھائی کے، کم از کم چار چار دانے تو حصے میں آئیں، ایک کلو میں کیا بنے گا اور یہ کہ ٹیکسی کی اپنی ٹور ہوتی ہے۔

چار خواتین اگر کہیں اکٹھی بیٹھ جائیں تو پھر آپ کم از کم دو چار گھنٹے کے لیے انہیں بھول جایئں۔ یہی کچھ سالے صاحب کے گھر ہوا کہ کھانے سے فراغت کے بعد مذکورہ خواتین کہیں کپڑوں اور نئے ڈیزائنوں کا اور ایک دوسرے کی برائی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھیں اور آدھی رات کردی۔ بقول ایک سروے کے کہ عورت کوئی بھی راز صرف تئیس گھنٹے اور سینتالیس منٹ تک چھپا سکتی ہے اسکے بعد وہ راز راز نہیں رہتا۔ یہی کچھ شاید یہاں ہوا کہ ایک دوسرے کے میاؤں کے پول کھلنے شروع ہوئے اور ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا۔ میاں نے بچوں کے ہاتھ بہت سے پیغام

بھجوائے، ایس ایم ایس بھی بھیجے مگر ہر بار یہی جواب آتا کہ بس ابھی آئی۔ ادہر للو میاں کو یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ آدھے بچے سو چکے تھے جنھیں تیسری منزل سے نیچے گود میں یا کمر پر لاد کر اتارنا اور پھر اپنے گھر کی پانچویں منزل پر چڑھانا بھی تھا۔ اللہ اللہ کرکے بیگمات کی یہ محفل برخاست ہوئی اور سالے صاحب سے اجازت چاہی۔ سالے صاحب نے اوپری دل سے پوچھا ضرور کہ بچوں کو نیچے تک پہنچوا آؤں، مگر بیگم نے فوراً منع کردیا کہ نہیں بھیا آپ کہاں اتنی تکلیف کریں گے یہ خود ہی اٹھالیں گے۔ لہٰذا پھر خود ہی للو میاں کو یہ کارہائے نمایاں سرانجام دینا پڑا۔ رات کے تین بجے دن بھر کا تھکا ہارا، پریشان حال، میاں بیچارہ لٹا پٹا بستر پر لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور بے اختیار اسکے لبوں پر یہ شعر مچلنے لگا:

دکھ جھیلیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں ۔۔۔ میاں کی جیب کرکے خالی ،مزے بیوی بچے اڑائیں

جھوٹ بولنے کے بیشمار فوائد؟؟

786

ایک سروے کے مطابق گورے یعنی اصلی برٹشرز انگریز جھوٹ بول کر بیماری کی چھٹی لینے میں دنیا میں پہلے نمبر پر پائے گئے ہیں۔ ہے نہ حیرت کی بات کہ جتنے بڑے آدمی اتنا بڑا جھوٹ۔ ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہمارے پرانے حاکم، مائی باپ، مہذب، با اخلاق، تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ قوم کہلانے والے لوگ بھی کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ ہم تو سمجھے تھے کہ جھوٹ صرف ہم پاکستانی ہی یہ سمجھ کر بولتے ہیں کہ اسلام میں تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے؟ اور انمیں سے کوئی بھی فٹ کرکے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پر یہ گورے کونسا مکر فٹ کرکے جھوٹ بولتے ہیں، پتہ کرنا پڑیگا؟

ہمارے ہاں تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ چھٹی کے چکر میں کبھی نانی مار دیتا ہے، کبھی دادی۔ کوئی ساس کو مارے تو کوئی کسی ہمسائے کو مار کر چھٹی لیوے۔ ہمارے ایک دوست تو اپنی نانی کو ہی آدھا درجن بار مار کر چھٹی کھڑکا چکے ہیں۔ کیوں ! ایسا ہوتا ہے نہ؟ ایک اور دوست جو کہ ایک چھوکری کے پیچھے لٹو

بنے ہوئے تھے انکا تو کام ہی بس چھٹیاں کرنا تھا اور روزانہ انکی چھٹیوں کا نیا بہانہ ہوتا تھا۔ جھوٹی چھٹیاں لینے کے ساتھ ساتھ موصوف جھوٹ بول کر پیسے اینٹھنے میں بھی بہت ماہر تھے۔ کبھی ابا کی ٹانگ تڑائی تو کبھی ماں کو برین ٹیومر، تو کبھی بہن کی شادی تو کبھی جائداد کا چکر۔ اور موصوف ہمیشہ لمبا ہاتھ مارنے کی کوشش کرتے تھے، ہزار دو نہیں بلکہ پورے دس ہزار پر بات جا کر ٹکتی تھی۔ ایک بار تو انہوں نے کمر میں درد کا ایسا جھوٹ گھڑا کہ دفتر والوں کو ایمبولینس بلانی پڑی اور اسی حالت میں انہوں نے پین کلر کے ٹیکے بھی لگوا لیے۔ کچھ عرصہ بعد پھر آخر کار لاکھ دولاکھ اینٹھ کر موصوف یہ جا وہ جا۔ ہمارے ایک اور مرحوم دوست کو تو جھوٹ بول کر چھٹیاں لینے میں ملکہ حاصل تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ چھٹی لینا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں اور بائیں ہاتھ نہیں بائیں پیر کا کھیل ہے۔ اور واقعی انکے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا کہ ہر بار وہ کوئی ایسا نیا بہانہ تراشتے کہ باس چھٹی دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ ہمارے ایک اور دوست جو اپنی ساس کو تین بار مار کر چھٹیاں کھڑکا چکے تھے، اپنی بیوی کے ہاتھوں کئی بار لہولہان ہوئے کہ میری اماں کو کیوں مارا اپنی ماں کو کیوں نہیں مارتے اور وہ بھی تین بار۔

تو جنابؒ بات ہو رہی ہو جھوٹ کی تو سیاستدانوں کا ذکر خیر نہ ہو تو یہ عجیب سی بات ہو گی۔ مثلاً: ہمارے سیاستدانوں کے جھوٹ دیکھیں کہ : نیا پاکستان

بنائیں گے، پہلا سنبھالا نہیں جاتا ایک اور بنائیں گے۔ پھر کہیں گے کہ معاشی طور پر مستحکم بنائیں گے۔ اپنے کاروبار باہر تو یہ سب کیسے ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ملک کو فرانس اور سنگاپور بنا دیں گے۔ارے جناب پہلے احسان پور، اور پہاڑ پور کو تو سنبھال لیں۔ایک اور جھوٹ کہ روٹی کپڑا اور مکان دیں گے، پر عوام انہی اشیاء کو ترستے ہیں ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہہ ملک اور عوام کی تقدیر بدل دیں گے حالانکہ 60 سال میں تو نہ بدلی؟ پھر کہتے ہیں کہ سڑکوں پر گھسیٹیں گے: حالانکہ پہلے بھی کہا تھا۔ جھوٹ بولے کوا کاٹے پر یہاں تو کوا کیا کیڑی بھی نہیں کاٹتی۔ان سب سیاستدانوں کا کیا کیا جھوٹ پکڑیں کہ اٹھتے بیٹھتے انکی گھٹی میں بس جھوٹ ہے۔ اسکے علاوہ تنخواہیں بڑھائیں گے، جھوٹ۔ بونس دیں گے، جھوٹ۔ رمضان میں کہیں گے عید کے بعد تحریک چلائیں گے، عید کے بعد بقر عید، اسکے بعد محرم، پھر ربیع الاول ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اسکے علاوہ یہ کہ بیوی کہے کہ میں ایک گھنٹے میں تیار ہو جاؤنگی، جھوٹ۔ کبھی جیب کی تلاشی نہیں لونگی، جھوٹ۔ روزہ خور روزہ رکھے گا، جھوٹ۔ آٹا، گھی، چینی، چاول کی قیمتیں نیچے آ جائیں گی، جھوٹ۔ ملک سے باہر جانے سے پہلے کہیں گے کہ واپس آ کر ایسی تیسی کریں گے۔ جونہی انہیں مال پانی ملے تو انکے تمام شکوے شکایتیں دور اور یہ حکومت کے ساتھ۔ جھوٹ۔ اسکے

علاوہ یہ کہ بندہ صرف چھٹی لینے کے لیے ہی جھوٹ نہیں بولتا بلکہ آجکل جھوٹ سے اور بھی بہت سے کارنامے سرانجام دیے جارہے ہیں مثلا: اب یہ کوئی جھوٹ تو نہیں کہ وینا ملک کے لمڈا ہوا ہے اور وہ بھی امریکن نیشنل ! تو کیسا ؟کلنٹن نانا بن گئے کیسا؟ یہ تو جھوٹ نہیں۔ میرا صاحبہ دھرنے کے آگے دھرنا دینے کے چکر میں تھیں خان صاحب سے شادی کے لیے ، یہ بھی جھوٹ نہیں۔ سلمان خان نے بہن کو شادی پر دس کروڑ کا ،فلیٹ گفٹ کردیا تو یہ بھی جھوٹ نہیں

ویسے آپ جیلسی نہ کریں۔ اللہ ایسے بھائی سب کو دے۔ آمین۔۔۔۔۔۔۔۔۔میڈونا ایک اور شادی ؟؟ کر رہی ہیں۔ خان صاحب نے بھی نئے پاکستان کے ساتھ نئی شادی رچالی (ابِ میرا کا کیا بنے گا)۔؟

گوگل اور فیس بک کے باپ مارکیٹ میں وارد ہو چکے ہیں۔ کیا یہ بھی جھوٹ؟ بجلی کے بغیر ٹھنڈک اے سی جیسی۔ فیس بک کا بانی کہتا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو آن لائن لانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ بھی جھوٹ ہے۔ خان صاحب نے عزت کے ساتھ دھرنا ختم کر دیا یہ بھی جھوٹ تو نہیں۔ نواز شریف صاحب کی اللہ پاک نے غائب سے مدد فرمائی کہ طاہر القادری صاحب بیمارے ہوگئے، سانحہ پشاور کی وجہ سے خان صاحب کی عزت اور موجودہ حکومت کی بھی وہ ؟؟ رہ گئی، کیا یہ بھی جھوٹ ہے۔ دھرنے کے بعد میاں صاحب بغیر گولی کے چین کی نیند سوئے کیا یہ بھی

جھوٹ ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگلے دس سال میں مصنوعی دماغ تیار ہو کر مارکیٹ میں آ جائیگا۔ کیا یہ بھی جھوٹ ہے۔ پر دعا ہے کہ یہ مصنوعی دماغ اتنا سستا ہو کہ ہر عورت کے دماغ میں فٹ ہو سکے اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین۔ اگلے چار سال میں لوڈ شیڈنگ ختم ہو جائیگی؟؟ کیا یہ بھی جھوٹ ہے۔ کون جیئے گا اس زلف کے سر ہونے تک! استادِ محترم جناب عطاء الحق قاسمی صاحب ایک گردے پر جی رہے ہیں، کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟ نہیں یار یہ جھوٹ نہیں ہے!

کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ ملانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور تحقیق کے مطابق خواتین چوبیس گھنٹے میں سے پانچ گھنٹے فضول گفتگو میں ضائع کرتی ہیں۔ آپ سوچیں کہ یہ کیا باتیں کرتی ہونگی۔ اسمیں ضرور زیاہ گفت و شنید جھوٹی ہی ہوتی ہوگی۔ ویسے بھی خواتین اور جھوٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا لازم و ملزوم تو نہیں۔؟؟ آپ بتائیں، ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو جائیگی۔ کچھ خواتین اور کچھ حضرات عجیب عجیب کمینٹس اور میسج کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ویسے بھائی داوے پانچ گھنٹے فضول گفتگو اگر ریکارڈ کر کے جانچی جائے تو اسمیں لازما اسی فیصد جھوٹ اور باقی شکوے شکایتیں او رصرف دو فیصد کام کی باتیں ملیں گیں۔ ہے نہ۔ سیاستدانوں کی دیکھیں کہ ایک دوسرے کو جھوٹا ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، حالانکہ سارے ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ یعنی

جھوٹ بولنے میں ماہر۔

اب آپ سوچیں گے کہ میں نے فوائد تو تحریر نہیں کیے۔ تو بھائی لیں فوائد بھی پڑھ لیں: تنخواہ کے معاملے میں بیگم کو جھوٹ بولیں بچت ہی بچت۔ بیگم کی جھوٹی تعریف کریں، جو مرضی آئے کرالیں۔ فائدہ۔ بچوں سے جھوٹ بول کر انکے جیب خرچ سے بچت۔ باس سے جھوٹ بولیں، چھٹیوں کے مزے لوٹیں۔ جھوٹ بول بول کر دکاندار مال سیل کرے فائدہ ہی فائدہ۔ جھوٹ بولو بھیک مانگو، ادھار مانگو، فائدہ ہی فائدہ۔ جھوٹ بولو لڑکی پٹاؤ، جھوٹ بولو شادی کرو۔ جھوٹ بولو ویزا لگواؤ۔ جھوٹ بولو الو بنا ونگٹ۔ جھوٹ بولو۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے نہ فائدہ ہی فائدہ۔۔۔ اسی طرح سیاستدانوں کے آئے روز کے جھوٹ کہ نیا پاکستان بنائیں گے، معاشی طور پر مستحکم کریں گے، غربت ختم کریں گے، روٹی کپڑا اور مکان دیں گے، دودھ شہد کی نہریں بہائیں گے، دہشت گردی، بیروزگاری اور لوڈ شیڈنگ ختم کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ ہے نہ انہیں جھوٹ بولنے کا فائدہ کہ ہم بار بار ان سے ڈسے ہونے کے باوجود انہیں ہی ووٹ دے کر دوبارہ لے آتے ہیں۔ جھوٹ بول بول کر آپ اپنی ٹی وی ریٹنگ بڑھوالیں۔ اب آپکو جھوٹ بولنے کے اور کیا کیا فائدے گنواؤں کہ مطلب فائدہ ہی فائدہ ہے۔ جھوٹ بولو تو استاد کی مار سے بچ جاؤ۔ جھوٹ بولو والد کی ڈانٹ اور مار سے بچ جاؤ۔ جھوٹ بولو تو۔۔۔۔۔ سنا ہے کہ امریکہ میں کوئی ایسی مشین ہے کہ جو جھوٹ بولنے والے کا جھوٹ فورا پکڑ لیتی

ہے۔ یار ! اگر ایسا ہے تو پہلے اس مشین سے ہمارے ملک کی تمام خواتین کو گزارا جائے تاکہ اصلیت سامنے آ سکے۔

بہرحال ! پھر وہی نصیحت کہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں کہ ہنسنا ہی زندگی ہے، اس ناچیز کو اپنی روزمرہ دعاؤں میں یاد رکھیں اور ساتھ ساتھ نیچے دیے گئے بلاگ میں اپنے کمینٹس بھی پوسٹ کریں، جو کہ مزید بہتر لکھنے میں میرے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ویب سائٹ والے تو کچھ دیتے نہیں لکھنے لکھانے کے، آپ لوگ کم از کم کمینٹس ہی دیا کریں۔ سائٹ پر یا موبائل پر۔ شکریہ۔ اللہ حافظ۔

کثیر الاولادی (زیادہ بچوں) کے فوائد اور نقصانات

ایک زمانہ تھا کہ جب ہر گھر میں دس سے بارہ بچوں کے پیدا کرنے کا رواج عام تھا اور پھر بھی ہر طرف خوشحالی تھی۔ اس زمانے میں کوئی کسی سے حال چال نہیں پوچھتا تھا، بلکہ یہ پوچھتا تھا کہ سناؤ کتنے بالک یعنی بچے ہو چکے؟ اگر کسی کی گنتی دس سے کم ہوتی تو بڑا افسوس کا اظہار کیا جاتا اور میاں بیوی کی طبیعت، صحت کے بارے میں مختلف خدشات اور شکوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا۔ بہرحال! اب یہ زمانہ آگیا ہے دو سے چار بچوں پر آ کر پاکستانی قوم یوں ہمت ہار بیٹھتی ہے جیسے کہ آجکل ہماری کرکٹ ٹیم آسٹریلیا میں یا خان صاحب دھرنے میں، یا پھر میرا صاحبہ۔۔؟۔ ہمارے ایک مرحوم انکل کے تو اس زمانے میں بھی اٹھارہ بچے تھے اور بیچارے موصوف پھر بھی نئیوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو اس میں لازمی اضافے کی توقع تھی۔ اب دیکھتے ہیں کہ زیادہ بچوں کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں۔

فوائد: اگر آپ کے دس یا زائد بچے ہیں تو ان کے بڑے ہونے کے بعد آپ کو کمانے اور گھر چلانے کی کوئی فکر نہیں۔ کسی کو ویلڈنگ کی دکان پر چھوڑ دیں، کسی کو سائیکل کی دکان پر، کسی کو بجلی والے کی دکان پر، کسی کو ہوٹل پر، کسی

کو کہیں اور کسی کو کہیں اور پھر گھر بیٹھے انکی کمائی کھائیں اور دونوں میاں بیوی مزے اڑائیں۔ زیادہ بچے ہوں تو جب دل کرے آپس میں میچ کھیلیں کسی کے انتظار کی زحمت نہ کرنا پڑے۔ ہمت ہے تو کچھ بچے باہر کے ملک بھیج دیں اور خود باہر کی طرح عیش کوش کریں۔ کوئی لڑنے بھڑنے آئے تو اپنے پہلوان ایک ایک کرکے آگے کر دیں، کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا۔ ہے نہ فائدہ۔ ہندوستان میں کٹر ہندو تنظیم شیو سینا نے زیادہ بچے پیدا کرنے پر انعام کا اعلان کر دیا ہے۔۔۔۔ کوئی فائدہ ہوگا تو تبھی نہ !۔۔۔ کسی باپ کے دس بارہ بچے دیکھ کر ویسے ہی کوئی پاس نہیں پھٹکتا کہ ایک ایک ڈانگ بھی ایک نے ماری تو اگلوں کا کچومر نکل جائیگا۔ اسکے علاوہ یہ کہ ہر ٹریڈ یعنی ہر ہنر میں ایک ایک بندہ دے دیں گھر کے تمام افراد اسی میں کھپ جاتے ہیں۔ ہمارے ایک جاننے والے کے خیر سے دس ہٹے کٹے بچے ہیں اور وہ خود بھی بیٹوں میں بیٹھے بیٹوں کی طرح ہی لگتے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے کچھ فکر نہیں کہ ہر بچے کے ذمے پانچ ہزار ماہانہ لگا رکھے ہیں تو ماہانہ پچاس ہزار تو ایویں ہی جمع ہو جاتے ہیں انہیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ؟۔ کچھ عرصہ پہلے ایک پاکستانی نژاد عرب شیخ کا انٹرویو اخبار میں پڑھا تھا کہ خیر سے موصوف کے سو کے قریب بچے اور دسیوں بیگمات تھیں اور سب سے چھوٹی بیوی کی عمر مبارک صرف بائیس سال تھی اور خود موصوف پچاس سے بھی اوپر کے تھے۔ کہتے ہیں کہ بچے جوں جوں بڑے ہوتے ہیں تو چھوٹے بچوں کا خرچہ بڑے بچوں پر ڈال دیتا ہوں، کچھ سرکار مدد کر دیتی ہے۔ یوں انکا کام چلتا

رہتا ہے۔ کیوں بھائی لوگو۔۔آپکی رال کیوں ٹپک پڑی پڑھ کر؟ باوجی یہ ہر کسی دا کم نئیں کہ دس بیگمات اکھٹی رکھے۔ ویسے اگر آپنے بچوں کے مزید فائدے پوچھنے ہیں تو ان سے پوچھیں کی جن کے شادی کے بعد بھی برسوں تک اولاد نہیں ہوتی اور وہ ایک بچہ لینے کے لیے ہر در پر جاتے ہیں، پر انکی مراد پوری نہیں ہوتی۔ ہمارے ایک جاننے والے کے ہاں بچے نہیں ہوتے تھے تو بیچارے ٹیسٹ ٹیوب بے بی جو کہ اسوقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھے، امریکہ گئے، وہاں سے چھ ماہ بعد بچہ لیکر ملک آئے تو انہیں سکون آیا۔ پر مریں وہ ظالم، اللہ پاک انہیں غارت کرے کہ کراچی میں ظالموں نے اس نوجوان کو اغوابرائے تاوان میں مار ڈالا اور وہ لاکھوں میں پڑا بچہ اب اللہ کے پاس ہے۔اللہ کی مرضی۔ ایک اور فائدہ زیادہ بچوں کا یہ ہے کہ اگر ایک کماؤپوت نہ رہے تو اللہ پاک کسی نہ کسی ایک کو کماؤ بنا کر گھر کا خرچ چلاتے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ بچوں کا کچھ تو فائدہ ہوگا تبھی تو انجلینا جولی اپنی کوکھ سے بچے نہیں جنتی دنیا بھر سے بچے خرید کر پالتی ہے۔ کوئی تو فائدہ ہوگا۔ کچھ نہ سہی مصنوعی ممتا کو ہی قرار آجاتا ہوگا۔ اسکے علاوہ دیکھیں کہ آجکل کوکھ کرایہ پر دینے کا بھی چکر چلا ہوا ہے، خاص طور سے پڑوسی ملک میں۔ یعنی نطفہ کسی اور مرد کا اور پیٹ یعنی کوکھ کسی کرایہ کی عورت کی، بچہ پیدا ہو تو مرد کا کوئی مسئلہ ہوا تو کرایہ کی عورت کا نقصان۔ اپنی بیوی کو سمارٹ رکھنے کے چکر میں پرائی عورتوں سے بچے جنواتے ہیں شیم آن دیم۔ کرایہ کی عورت پورے سال بچے کو پیٹ

میں رکھنے کا خرچہ لیتی ہے اور بچہ دیتی ہے۔ کیسی بے شرمی ہے نہ۔ ویسے انہیں بھی کچھ تو فائدہ ہوگا نہ اتنا پیسا لگا کر بچے لینے کا؟اسکے علاوہ بھی انٹرنیٹ پر بچے فور سیل تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ایک مشہور انڈین اداکار نے بھی سنا ہے کہ کچھ ایسا ہی کام کیا ہے اپنی بیوی کو سمارٹ رکھنے کے چکر میں۔ آپکے خیال میں کیا یہ سراسر بے حیائی اور ظلم نہیں؟

اسکے علاوہ بات بچوں کی چلی تو ہمارے عربی شیخ لوگوں کے تو اتنے بچے ہوتے ہیں کہ انہیں خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کتنے بچے اور کس حال میں ہیں۔ سینکڑوں کے حساب سے بچے آیاؤں کے بل پر جی رہے ہوتے ہیں۔ بوجوہِ روزگار شیخوں کے ملک میں رہتے اکثر دیکھا کہ ہر شیخ کے پیچھے درجن بھر بچوں کا ریوڑ اور آیائیں ساتھ ہوتی تھیں۔ کوئی تو فائدہ ہوگا نہ یار جو اتنے بچے پیدا کرتے ہیں۔؟

اگر ہم کثیر الاولادی کے نقصان کی بات کریں تو یہ بھی بہت ہیں: مثلا یہ کہ انکے کھانے پینے کے اخراجات اٹھانا مشکل۔ کپڑے لتے بنانا مشکل، پڑھانا لکھانا مشکل، شادی بیاہ، دیگر اخراجات مشکل۔ غرضیکہ ہر جگہ مشکل ہی مشکل۔ پھر جب بچوں کے پاس کھانے اور پہننے کو نہ ہو تو وہ چوریاں کریں گے، ڈاکے ماریں گے تو ظاہر ہے کہ نقصان۔ باپ بھی جیل جا سکتا ہے، لہٰذا خطرہ

وولٹ ۔ ہمارے پرانے محلے میں ایک بہت ہی غریب آدمی تھا، کام اسکا فروٹ ۴۴۰ بیچنا تھا، پر ہر سال اسکے گھر سے ڈبل ماڈل بر آمد ہوتا تھا۔ ایک روز میں نے اپنی گھر والی سے کہا کہ کسی روز اس مظلوم کا دیدار تو کر کے آؤ کہ کیسی ہوتی ہیں وہ خواتین جو درجنوں بچے جنتی ہیں، اور پھر بھی فٹ رہتی ہیں ۔ بعد از وزٹ جو رپورٹ ملی وہ she was in very miserable condition. لیکھت کے قابل نہیں۔ ۔اور مرنے کے قریب تھی، ہے نہ نقصان۔ چین اور جاپان کم اولادی کی وجہ سے پریشان ہیں اور جاپان مین پاور امپورٹ کرنے کے چکر میں رہتا ہے۔ ہے نہ نقصان ۔ اسکے علاوہ زیادہ بچوں کے اور بھی بہت سے نقصان ہیں مثلا: نام یاد نہ رہنا، کام یاد نہ رہنا۔ باپ کا کماکام کر ستیاناس ۔ بیوی کا پکا پکا اور کھلا کر ستیاناس۔ بعض دفعہ تو میاں بیوی صرف اسی چکر میں اوپر کو ہوا ہو جاتے ہیں اور اولاد پیچھے رل رہی ہوتے ہے۔ نہ کوئی پوچھنے والا، نہ کوئی کھلانے پلانے والا۔ مزید یہ کہ ایک کے لیے کوئی چیز لاؤ تو ساروں کے لیے لاؤ۔ اگر ایک کے لیے نہیں تو کسی کے لیے بھی نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ نقصان تو اسکے اور بھی بہت سے ہیں پر سارے لکھ دیے تو ایسا نہ ہو کہ لوگ بچے بالکل ہی پیدا کرنا چھوڑ دیں۔ اکثر آپ لوگوں نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ کوئی ماں باپ بچوں کو ایدھی سنٹر چھوڑ گئے کہ خرچہ نہیں اٹھا سکتے۔ کوئی بچے فار سیل کے بورڈ لیکر کھڑا ہو جاتا ہے کہ مہنگائی میں اضافے کی وجہ سے بچوں کے اخراجات اٹھانے سے قاصر ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا نقصانات بھی

بہت ہیں۔اسکے علاوہ زیادہ بچوں کے باپ کو راہ چلتے لوگ مختلف آوازیں بھی کستے ہیں مثلا: ابے دیکھیو یار اسکے بارہ بچے ہیں پھر بھی بس نہیں کرتا۔ ابے یار دیکھ اسکی بیوی تو بہت مظلوم عورت ہو گی دنیا کی۔ ابے یار دیکھ ہر سال ایک سیمپل آتا ہے اسکے ہاں، جیسے بیچارہ خود یہ بچے جنتا ہو؟ پھر ایک اور آواز آئیگی کہ ابے یار یہ میاں بیوی تو دنیا میں ہی بخشے گئے اولاد کے دکھ سہہ سہہ کے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس شخص بیچارے کی بیوی بچے پیدا کر کر کے چڑیل سے بھی بدتر ہو چکی ہوتی ہے۔ اسکا بس چلے تو گھر سے بھاگ کر قبر میں جا لیٹے۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو شادی اور اور بعد از شادی کے بچوں کے اس جھنجٹ میں ہی نہیں پڑتے۔ جس میں ہمارے کچھ مشہور سیاستدان، اداکار اور کھلاڑی بھی شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ بغیر بچوں کے بھی اچھی گزر رہی ہے۔ پتہ نہیں کیسے یہ بے وقوف لوگ ہیں جو بغیر بچوں کے رہ لیتے ہیں؟؟ ہمیں تو گھر میں داخل ہوتے ہی بچے نظر نہ آئیں تو پریشانی سی لاحق ہو جاتی ہے۔ آپ لوگوں کا پتہ نہیں کیا ہوتا ہوگا؟

ایک کہاوت سب لوگ یاد رکھیں کہ باپ کی موجودگی سورج کی طرح ہوتی ہے۔ سورج گرم ضرور ہوتا ہے، مگر نہ ہو تو اندھیرا اچھا جاتا ہے۔ اس کہاوت کی لکھنے میں

بہت بڑی بات پوشیدہ ہے، بوجھو تو جانیں؟ اسکے علاوہ ایک اور اچھی بات جو کہ انگلش میں ہی اچھی لگے گی کہ :

IF YOU WANT TO RISE IN THE LIFE, YOU HAVE TO RISE BEFORE THE SUN RISE.

تو جناب ! بچے کتنے ہونے چاہئیں ؟ یہ فیصلہ آپکے ہاتھ میں ہے۔ مذہبی لحاظ سے تو کہا جاتا ہے کہ ہر آنے والا دنیا میں اپنا رزق ساتھ لیکر آتا ہے۔ پر آجکل کی دنیا میں دو ٹائم کی دو بچوں کی روٹی بھی پوری نہیں ہوتی۔ دوسری طرف کئی ملک کم آبادی کی وجہ سے پریشان ہیں اور زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیبیں دے رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے خیال میں کیا بہتر ہے، کم بچے یا زیادہ ؟؟ نیچے لیکھیے گا ضرور پلیز !۔

مردانہ جعلی دوائیں بیچنے کے طریقے اور انکے اثرات

آجکل جگہ جگہ دیواروں پر اور اخباروں میں لگے مردانہ دواؤں کے مختلف قسم کے اشتہائی اشتہارات اور کمزوری کی وجوہات دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہر بندہ ہی خدا نخواستہ اس بیماری کا شکار ہو گیا ہے یا ہونے والا ہے۔حال ہی میں استادِ محترم جناب عطاء الحق قاسمی صاحب نے اسی طرح کا ایک آرٹیکل لکھا ہے جس میں کہ ایک بندہ یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ مجھ میں ہر مریض کی سی خوبیاں یا علامتیں پائی جاتی ہیں تو لہٰذا میں بھی ہمہ قسمی مریض ہوں۔ اسی طرح جو بکواس اور گھٹیا لفاظی ان مذکورہ اشتہارات میں بیان کی جاتی ہے تو انہیں پڑھ کر لگتا ہے کہ واقعی ہر بندہ اس مرض کا مریض ہے۔ اکثر ٹی وی چینل پر تو ان دواؤں کے نازیبا قسم کے پریکٹکل اشتہارات بھی چل رہے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر بندہ شرم سے ۔۔۔۔ ہو جائے۔

بہرحال ! ان دواؤں کو بیچنے کے لیے مختلف قسم کے طریقے آزمائے جارہے ہیں۔ مثلا: اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنا، بینڈ بل، پمفلٹ کے ذریعے، ٹی وی اشتہارات کے ذریعے، اخبارات کے ذریعے، در و دیوار کالے کرکے یا مداریوں کے ذریعے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ اب ان اشتہارات کی ورڈنگ دیکھیے کہ ۔ پہلے حکماء

حضرات مہینوں مرض کا علاج کرتے تھے پھر کہیں جا کر بندہ ٹھیک ہوتا تھا۔ پر اب کے نام نہاد حکیم اور ڈاکٹر حضرات اتنے ایڈوانس ہو چلے کہ ایک رات میں ہی یہ قوت بحال کرنے کی دوائیں شد و مد کے ساتھ بیچ رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ ایک جن بھی ساتھ دیتے ہیں جو یہ کام اتنی جلد کر دیتا ہے۔ اور ساتھ میں عجیب و غریب قسم کی گارنٹیاں بھی دیتے ہیں کہ، مرض دوبارہ نہ ہونے کی گارنٹی، دوبارہ دوائی نہ کھانے کی گارنٹی، منی بیک گارنٹی، شرطیہ گارنٹی وغیرہ وغیرہ۔ جیسے کہ پرانے زمانے میں انجمن کی فلموں کے ساتھ لکھا ہوتا تھا کہ شرطیہ نئے پرنٹ کے ساتھ۔ مزید لکھتے ہیں کہ: فلاں حکیم صاحب فلاں والے۔ فلاں حکیم صاحب ماہر امراضِ مخصوصہ اور جنسی مسائل، ماہر فلاں فلاں۔۔۔۔۔۔۔۔ گولڈ میڈلسٹ (جیسے کہ گولڈ میڈل اسکے ابا بانٹتے ہوں) ۔ ڈاکٹر فلاں فلاں ممبر آف بورڈ آف سیکسولوجی، یو ایس اے، ڈاکٹر فلاں، فلاں، ڈپلومیٹ یا ممبر امریکن ایسوسی ایشن آف سیکسولوجی وغیرہ۔ ممبر تو ایسے لکھتے ہیں کہ جیسے ایک زمانے میں ہمارے ہاں بھی بی ڈی ممبر ہوا کرتے تھے۔ شاید ایوب خان کے زمانے میں ؟ کئی حکماء اور ڈاکٹر حضرات کی تو اتنی ڈگریاں لکھی ہوتی ہیں کہ شک ہوتا والوں سے ہی نہ خریدی ہوں۔ آجکل axact ہے کہ واقعی انہوں نے بھی یہ ایگزیکٹ ہر اتوار کے اخبارات میں ایک اشتہار بڑی باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے کہ: ڈاکٹر ۔۔۔۔۔ فلاں رام۔۔۔۔ ماہر امراضِ گردہ اور جگر فرام ممبئی یا دلی ہسپتال مریضوں کا معائنہ کر کے ٹرانسپلانٹ

کے لیے انڈیا لے جائیں گے۔ مجھے لگتا ہے کہ کیونکہ جعلی ادویات سے گردے اور جگر جلد ناکارہ ہو جاتے ہیں تو یہ ہمارے پاکستانی جعلی حکیم اور ڈاکٹر حضرات ان انڈین بنیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ کیا خیال ہے آپکا۔

ہمارے للو میاں کے بارے میں تو آپ سب جانتے ہی ہیں اور ان کے کارناموں سے بھی واقف ہیں کہ جنہیں ہر کام میں پنگا لینے کی عادت ہے، تو وہ بھی آئے روز کی ان مشہوریوں سے متاثر ہو کر ایک روز ایک نیم فاقہ کش، دھان پان سے حکیم صاحب کے کلینک پر پہنچ ہی گئے اور پھر کیا ہوا، آئیں دیکھیں:

للو میاں: حکیم جی! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے کہ میں نے شادی کر لی ہے۔ مگر اب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

حکیم جی: کوئی بات نہیں بیٹا! یہ غلطی میں نے بھی کی تھی اور قسمت نے مجھے حکیم بنا دیا۔ شاید آپ جیسوں کی خدمت کے لیے ہی!

بہرحال! لاؤ ذرا نبض چیک کراؤ۔ حکیم صاحب نے کافی دیر تک للو میاں کی نبض کو مختلف زاویوں سے ایسے ٹٹول ٹٹول کر چیک کیا جیسے قصائی جانور دیکھتا ہے اور بتایا کہ اصل میں آپ کی فلاں۔۔۔۔؟ رگ دب گئی ہے جسکی وجہ سے آپ فلاں بیماری کا شکار ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کا جگر ٹھیک کام نہیں کر رہا، آپ کی

تلی بڑھی ہوئی ہے، معدے میں گرمی ہے۔ جگر پر چربی ہے، بھوک نہی لگتی، آپ سوچتے بہت ہیں۔ فکر اور پریشانیاں بہت زیادہ ہیں، نیند نہیں آتی، کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی لے آپ جسمانی طور پر کچھ کمزور بھی ہیں اور قوتِ مدافعت کی بھی کمی ہے۔ للو میاں نے اپنے بارے میں اتنی بہت سی بیماریاں سنیں تو سنکر چکرا سے گئے اور سوچنے لگے کہ یار میں اتنی بیماریوں کے باوجود اتنے عرصے سے جی رہا ہوں تو مزید ایسے جینے میں کیا حرج ہے؟؟۔ خیر ! حکیم صاحب مزید گویا ہوئے کہ میاں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ یقین نہ آئے تو میرے مطمئن کسٹمرز کی لسٹ دیکھ لو یا پھر یہاں لگا رش دیکھ لو۔

خیر جناب ! کافی بحث و مباحثے اور اطمینان دلانے کے بعد للو میاں کو حکیم صاحب نے ایک ڈبی معجون، ایک ڈبی پھکی، ایک ڈبی کیپسول، ایک بوتل شربت، اور ایک چٹنی ٹائپ کی چیز دی اور اسکی تراکیبِ استعمال اور اوقاتِ کار بھی گوش گزار کر دیے کہ کیسے کیسے کب کب کیا استعمال کرنا ہے۔ للو میاں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں یہ آدھا درجن دوائیں لیں اور گھر کی تیز تیز راہ لی کہ کہیں راستے میں اندھیرا ہو جائے اور کتے پیچھے نہ لگ جائیں۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ یہ اتنی بہت سی دوائیں رکھی کہاں جائیں اور کھائی کیسے

جائیں کہ بیگم کو بھی پتہ نہ چلے کہ وہ انکوائری کرنے بیٹھ جائے کہ تو کس مرض کی دوا کھا رہا ہے ؟۔ انتہائی سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ بیگم کو یہ بتایا جائے گا کہ یہ معدے کی کمزوری کی دوا ہے۔ لو جناب ! بیچارے للو میاں نے ابھی پہلی ہی خوراک داخلِ معدہ کی تو انہیں رات میں سورج اور دن میں چاند نظر آنے لگا۔ منہ خشک ، گلا خشک ، ناک بند ، سانس لینا مشکل وغیرہ وغیرہ۔ کئی کلو دودھ چڑھا گئے پر دواؤں کی خشکی ختم نہ ہوئی ، کئی جگ پانی پیا پر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور دیگر بہت سے ٹوٹکے کیے پر منہ کی خشکی ختم نہ ہوئی۔ جیسے حرام خوروں کی حرام خوری کبھی ختم نہیں ہوتی۔ خیر جناب ! للو میاں نے بتایا تو کسی کو کچھ نہیں اور برداشت کر گئے۔ اگلی خوراک پر پھر وہی حال ہوا تو پھر بھاگم بھاگ اسی نیم حکیم کے پاس پہنچے اور اسے اپنی کہانی گوش گزار کی۔ حکیم صاحب نے کہانی سن کر مزید تسلی دی کہ بس ایک ہفتہ مزید دوا کھاؤ پھر آنا ، تاکہ دوا کے اثرات بہتر پتہ چل سکیں۔ لیں جناب ! للو میاں نے دوبارہ دوا استعمال شروع کی تو اب کی بار جسم پر چھالے بننے شروع ہو گئے۔ پھر بھاگم بھاگ پریشانی کے عالم میں شکایت لیکر حکیم صاحب کے پاس پہنچے۔ حکیم صاحب نے پھر تسلی دے دی کی میاں کوئی فکر کی بات نہیں جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ دوا ٹھیک کام کر رہی ہے اور پہلے گند نکال رہی ہے ، پھر ٹھیک کرے گی ، لہٰذا اسی دوا کو جاری رکھو۔ لو جناب دوائی نے ایسا گند نکالا کہ پورے جسم پر چھالے بننے اور پھوٹنے لگے جیسے کہ کڑاھی میں پکوڑے پکائے

جارہے ہوں اور للو میاں کی حالت ایسی ہو چلی کہ قمیض، شلوار بھی نہ پہن سکتے تھے اور بیچارے شلوار سے دھوتی پر آ گئے کہ شلوار میں چھالے تنگ کرتے تھے۔ بیچارے پھر پہنچے شکایت لے کر حکیم صاحب کے پاس محتسب کی طرح۔ حکیم صاحب نے حالت بگڑتی دیکھی تو ایک ملم لگانے کو اور ایک اور دوا مزید پینے کو دے دی۔ للو میاں نے کچھ روز مزید دوا استعمال کی تو پتہ چلا کہ انکا تو پیشاب بند ہو گیا، گرم دواؤں کی وجہ سے۔ تنگ آ کر ایک بار پھر پہنچے حکیم صاحب کے پاس۔ بیچارے حکیم صاحب نے اس بار للو میاں کو گھوٹا بادام اور عرق گلاب پینے کے لیے دے دیا کہ معدہ ہیٹ کر گیا ہے، ٹھنڈا کرنا ہوگا۔ للو میاں جناب صبح دوپہر شام گھوٹا پینے لگے اور پھر کچھ روز بعد دوبارہ دوائیں شروع کیں تو معلوم ہوا کہ اب کی بار انکا پاخانہ بند ہو گیا۔ پھر دوڑے حکیم صاحب کے پاس۔ اس بار حکیم صاحب نے پھر تسلی دی اور قبض کا علاج شروع ہو گیا اور مزید تین قسم کی دوائیں عنایت فرما دیں۔ اس فرمان کے ساتھ کہ میاں گھبرانا نہیں ایک دن بلکل ٹھیک ہو جاؤگے۔ اس دوران دواؤں کی تعداد بڑھ کر ایک درجن تک پہنچ چکی تھی۔ لو جناب، للو میاں کا معدہ تو سیٹ نہ ہوا البتہ اب پاخانے میں خون آنے لگا، طبیعت میں بے چینی، گھبراہٹ، متلی، دل ڈوبے، ٹانگوں سے کھڑا نہ ہو جائے، تو بیچارے گھبرائے دوڑے پھر حکیم صاحب کی طرف اور پھر حکیم صاحب نے بواسیر کا علاج شروع کر دیا۔ یوں کرتے کرتے ایک ماہ گزر گیا پر للو میاں کو اس بیماری سے تو آرام کوئی نہ آیا البتہ مزید چھ

قسم کی بیماریاں لگ گئیں۔ للو میاں کی خطرناک حالت دیکھ کر حکیم صاحب انجیکشن پر آ گئے اور لگے صبح ، دوپہر ، شام انجکشن لگانے کہ انجکشن فوری اثر کرتے ہیں، اور جسم کو سوئیوں سے داغنا شروع کر دیا۔

للو میاں بیچارے سے اپنی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی اور اسوقت کو کوسنے لگے جب انہیں ان نام نہاد حکیموں کا خیال آیا تھا۔ پھر آخر کار تنگ آ کر حکیم صاحب کے پاس پھر حاضر ہوئے اور انکے پاؤں کو ہاتھ اور ٹھوڑی کو چھو کر ، اور انکے بچوں کا واسطہ دیکر ، گڑگڑا کر گذارش کی کہ حکیم صاحب.برائے مہربانی ہمیں پہلے جیسا ہی کردیں اور ان تمام دواؤں سے چھٹکارا دلا دیجئے۔ یہ سنکر حکیم صاحب بولے کہ میاں اسکے لیے تو تمہیں بہت سا خرچہ کرنا پڑیگا ، کیونکہ تمہارے خمیر میں اسوقت بہت سے کشتہ جات اور معجونات کا مجموعہ شامل ہو چکا ہے اور انہیں نکالنے میں ٹائم اور پیسے دونوں مزید لگیں گے۔ مزید خرچے کا سن کر للو میاں نے پھر سر پکڑ لیا کہ پہلے ہی اس چکر میں ہزاروں لٹا چکے تو اب مزید کیسا خرچہ ؟ یہ سن کر بیچارے للو میں نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔ کہ جا کر کسی اور اچھے سے حکیم سے علاج کراتے ہیں کہ چلیں دوبارہ پہلے جیسا ہی ہو جاؤں !۔

لو جناب ! للو میاں پہنچے اب ایک اور حکیم صاحب کی دکان پر اور وہاں پر باہر

کچھ پوسٹر اس طرح لگے تھے: کہ: مردانہ قوت کا شرطیہ علاج، ایک دن میں مریض صحت یاب۔ روتے آئیں ہنستے جائیں۔ انتہائی قابل، ایماندار، اعلیٰ تعلیم یافتہ، گولڈ میڈلسٹ، طب کی دنیا کے شہنشاہ، نسخہ اکسیر، نوابوں، شہزادوں، بادشاہوں اور شیخوں کے دور کے مانے تانے حکیم صاحب، ہر مرض کا علاج دیسی جڑی بوٹیوں سے گارنٹی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے رائل فیملی کی گارنٹی ہو۔ ساتھ میں کچھ ٹیڑھے میڑھے سے نقشے اور لکیریں۔ نقشوں پر یاد آیا کہ آجکل اکنامک کاریڈور کے نقشوں پر بڑی ہاہاکار مچی ہوئی ہے۔ ویسے یہ اس وقت کا موضوع تو نہیں پر میرا دل کرتا ہے کہ اس پر لکھا جائے: مثلاً: دل کرتا ہے کہ اس منصوبے کی مخالفت کرنے والوں کو ہٹلر کی طرح سرِ عام گولیاں مار دینی چاہییں۔ جیسے کہ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ازلی دشمن نے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے اربوں ڈالر مختص کر دیے ہیں، اور کھلم کھلا اعلان فرما دیا ہے کہ انڈیا کو یہ منصوبہ بلکل منظور نہیں۔ پر لگتا ہے کہ یہ کام ہمارے نام نہاد مشہور صحافی، سیاستدان اور دوسرے تلنگے بغیر پیسوں کے ہی کر دیں گے۔ یہ نام نہاد صحافی اور سیاستدان حضرات اپنے آپ کو ملک اور صوبوں کے وفادار ثابت کرنے کے لیے روزانہ رات کو ٹی وی پر مداری لگا کر جھوٹ بول بول کر عوام کو بے وقوف بناتے ہیں اور دوسروں کو راکا ایجنٹ اور اپنے آپ کو محب وطن گردانتے ہیں۔ اللہ پاک انہیں ہدایت دے۔ آمین۔ مداری سے ہمیں ایک اور واقعہ یاد آیا کہ ہمارے ایک دوست کشمیر، جنت نظیر کے شہر راولا کوٹ سیر کے

لیے گئے تو بازار میں پھرتے ایک دوائیاں بیچنے والے مداری نے اسے اپنے علاقے میں نیا سمجھ کر بلا لیا اور پھر چکنی چپڑی باتوں سے بہلانے کے بعد اسے ثابت کر دیا کہ وہ مردانہ کمزوری کا مریض ہے، پر ہمارا کایاں دوست اسکے قابو نہ آیا اور دوا خریدے بغیر ہی جان چھڑا آیا۔ لہٰذا آپ بھی ان ٹھگوں اور مداریوں سے ذرا بچ بچ کر رہا کریں کہ کہتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے جیسے کراچی کے علاقے صدر میں اکثر ٹھیلے پر جوس بیچنے والے آوازیں لگا رہے ہوتے کہ : آ ٹھنے (ٹھنڈے) پی۔ سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید آٹھ آنے میں جوس کا گلاس پی۔ پھر جب وہ جوس کا گلاس پی چکتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ وہ آٹھ آنے کا نہیں بلکہ بیس روپے کا ہے اور اکثر لوگوں کا پھڈا ہو رہا ہوتا ہے۔ ویسے انڈین را والوں سے گذارش ہے کہ اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے پیسہ اور ٹائم نہ برباد کریں کیونکہ انشاءاللہ ہم سب نے اسے کامیاب بنانے کے لیے ایکا کر لیا ہے۔ اور ایکا کرنے کے بعد جو مکا بنتا ہے اس سے جبڑے سمیت پورا منہ باہر نکل آتا ہے، ہیں نہ بنیو!

بہرحال! للو میاں نے ان حکیم صاحب کا حدود اربع پڑھا مگر ان کے کلینک میں اندر جانے کے بجائے کچھ سوچ کر باہر کو چل پڑے۔ کہ اب یہ حکیم صاحب بھی نہ کچھ اور پھسوڑی ڈال دیں کہ مردانہ قوت بحال کرتے کرتے موجودہ قوت کو ہی مٹوا بیٹھوں۔ یکایک انہیں یاد آیا کہ آجکل اخبارات میں عطائیوں اور دو

نمبر ڈاکٹر، حکیم حضرات کے خلاف ایکشن ہو رہا ہے، کیوں نہ اس حکیم کے خلاف ریڈ کر وا کر اسے بھی اندر کر وا دیا جائے۔ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے للو میاں پہنچے اپنے ایک دوست کے پاس اور انہیں اپنا پلان نمبر دو بتایا اور مشورہ چاہا۔ دوست کچھ سمجھدار تھا اور گویا ہوا کہ میاں تھانے، کچہری کے چکر میں پڑو گے تو انہیں اندرونی اور بیرونی، پوشیدہ اور غیر پوشیدہ تمام امراض کی لسٹ دینی پڑ جائیگی۔ ساتھ میں ثبوت بھی مانگیں گے کہ کتنے روز دوا کھائی، کتنے کی ملی، کیا اثرات مرتب ہوئے، حکیم صاحب کا حدود اربعہ کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور مزید کہ کچھ ممنوعہ قسم کے سوالات بھی ہو سکتے ہیں۔؟؟

حکیموں اور پولیس والوں کے تنگ آئے للو میاں کو اسی غمخوار دوست نے سمجھایا کہ میاں تمہیں بیماری ویماری کچھ نہیں، صرف وہم کی بیماری ہے اور اسکے بنیادی اسباب میں ذہنی ٹینشن سر فہرست ہے اور یہ حکیم ڈاکٹر لوگ، مریضوں کی نفسیات سے کھیلتے ہوئے انہیں گھیر گھار کر زبردستی مریض بنا کر اپنی دوائیاں بیچتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس ذہنی ٹینشن کو دور کر لو تو تمہیں کوئی بیماری ہی نہیں۔ للو میاں بولے کہ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بیماری سے بچا کیسے جائے؟؟۔ تو سمجھدار دوست بولے کہ میاں اس کے لیے ظاہر ہے کہ ہر کسی کو اللہ سے لو لگانی پڑتی ہے۔ نماز، روزہ، ذکر اذکار اور صدقہ خیرات ہی تما

م

ذہنی اور جسمانی بیماریوں کا آسان اور واحد علاج ہے ! کیوں ٹھیک ہے نہ ؟۔ للو میاں نے دوست کی بات توجہ سے سنی اور امراضِ پوشیدہ کے لیے ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس جانے سے توبہ کر لی۔

تو کیا اب آپ بھی حکیموں یا ڈاکٹروں کے چکر میں پڑیں گے یا اسلامی طور طریقوں پر زندگی بسر کریں گے۔؟؟

نیکیاں کیسے کمائیں؟؟

محترم و مکرم جناب۔۔۔۔۔۔۔۔۔ السّلام علیکم۔

کچھ عرصہ پہلے میں نے کوٹ ادو شہر کے مضافات میں ایک پرائمری سکول قائم کیا تھا، جسکا مقصد علاقے کے غریب بچوں کو انتہائی کم فیس میں معیاری تعلیم مہیا کرنا تھا۔ الحمد للہ اس وقت سکول میں پلے کلاس سے فائیو کلاس کے پچاس سے زائد بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کی ماہانہ فیس صرف دو سو روپے سے چھ سو روپے تک ہے۔ (یہ فیس بھی اس لیے لگائی تاکہ انتظامی اخراجات پورے کیے جا سکیں)۔ تاہم میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ بچے بیچارے دو سو روپے بھی ادا نہیں کر سکتے۔ کچھ مخیّر حضرات کے تعاون سے اس سال کئی بچوں کو ہم نے کورس کی کتابیں مفت لیکر دیں، باقی بچوں نے جیسے کیسے خود انتظام کرلیا۔ اب ان بچوں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی کتاب پھٹ جائے تو مہینوں دوبارہ نہیں لے پاتے۔ ایک کتاب کئی بچے پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ سکول شوز کی بجائے ٹوٹی چپلوں میں سکول آتے ہیں۔ غربت کی وجہ سے یونیفارم افورڈ نہیں کر سکتے۔ گھر کے پھٹے کپڑوں میں سکول آتے ہیں۔ جیب خرچ کے لیے اس زمانے میں بھی کبھی کبھار پانچ روپے کا سکہ لے آتے ہیں، ورنہ وہ بھی نہیں،۔ بریک ٹائم میں کچھ کھانے کے لیے دوسرے بچوں کے چہرے دیکھتے ہیں۔ ماہانہ فیس کے لیے زیادہ دباؤ ڈالو، یا فیس

بڑھاؤ تو سکول کیا تعلیم ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ کوئی مزدور کا بچہ ہے، کوئی کسان کا، کوئی رکشے والے کا وغیرہ وغیرہ۔۔

غریب بچوں کی موجودہ حالت دیکھتے ہوئے میری یہ خواہش ہے کہ اس سکول کو مکمل طور پر ایک چیریٹی سکول میں تبدیل کرکے بچوں کو اچھی اور معیاری تعلیم بالکل مفت دی جائے۔ اسکے لیے ہمیں ماہانہ تقریبا 75 ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ اوران 75 ہزار روپے میں ہم تقریبا ایک سو بچوں کو پلے گروپ سے کلاس فائیو تک معیاری تعلیم معہ ناظرہ قرآن مفت دے سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی دس، بیس نیک دل مخیّر حضرات اس کارِ خیر میں شامل ہو جائیں جو کہ ہر ماہ کچھ حصہ ملا کر اس سکول کو چلا سکیں۔ میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ خود بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیں اور اپنے احباب میں سے کچھ نیک دل لوگ تلاش کریں جو اس کارِ خیر میں مستقل طور پر حصہ ڈال کر اس سکول کو مستقل بنیادوں پر مفت چلا سکیں۔ برائے مہربانی مزید تفصیلات اور سکول وزٹ کے لیے مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں۔

محمد شفیق احمد خان کوٹ ادو۔ ضلع مظفر گڑھ، پنجاب، پاکستان۔

فون: 6017660-0333, 6017660-0316,

0343-6017660, 0300-2534320

شادی کرانے کا ارجنٹ اور آسان طریقہ

ایک خبر کے مطابق انڈونیشیا کی ایک ضلعی انتظامیہ نے ایک عجیب فیصلہ کیا کہ مغرب کے بعد اگر کوئی لڑکا اور لڑکی اکٹھے مٹر گشت کرتے پائے گئے تو سزا کے طور پر ان دونوں کو پکڑ کر انکی شادی کر دی جائیگی۔ ہے نہ دلچسپ اور عجیب و غریب خبر! سوچیں کہ اگر ہمارے ہاں اس طرح کا کوئی قانون لاگو ہو جائے تو شاید نکاح پڑھانے کے لیے قاضی کم پڑ جائیں گے اور ہر جائز، ناجائز جوڑا شادی کے چکر میں مغرب کے بعد روڑ پر ہوگا اور پولیس انہیں اٹھا اٹھا کر تھانے، میونسپل کمیٹی، کسی مدرسے، مسجد یا ڈی سی او آفس لیجا رہی ہوگی۔

ہمارے للو میاں کے کارناموں سے تو آپ لوگ بخوبی واقف ہیں۔ بیچارے اخبار وغیرہ تو اسلیے نہیں پڑھتے کہ ایک کے دو نظر آتے ہیں اوپر سے اٹھارہ نمبر کا چشمہ۔ یا پھر اخبار الٹا کر کے پڑھتے ہیں۔ ٹی وی انکے بچے اپنے کارٹون کے چکر میں انہیں دیکھنے نہیں دیتے۔ اگر ٹی وی دیکھتے بھی ہیں تو صرف ممنوعہ اوقات میں جب سب گھر والے سو جائیں اور چینل مخصوص پروگرام چلائیں اور ممنوعہ پروگرام دیکھتے ٹی وی کی سکرین سے ایسے چپک جاتے ہیں جیسے ٹی وی پر آتی ہیروئین کو پی کرنے کی کوشش کر رہے ہوں ۔ ریڈیو گھر میں ہے نہیں،

ایک ٹوٹا پھوٹا ریڈیو انکے ابا کے زمانے کا انہوں نے یادگار کے طور پر شو کیس میں سجا کر رکھا ہوا ہے، اوپر سے کانوں کے کچے اور بہرے پن کے مریض کہ کسی نے بتا دیا کہ مغرب کے بعد گرل فرینڈ کو باہر لیکر نکلوگے تو سرکار مفت میں شادی کرا دیگی۔ تو جناب لگے پلان بنانے کہ اس موقع سے فائدہ کیسے اٹھایا جائے ؟۔

للو میاں نے شادی شدہ ہونے کے باوجود چونکہ ایک عدد لڑکی پٹا رکھی تھی اور روزانہ اس سے نکاح پانے کے چکر میں نت نئی تراکیب سوچتے تھے۔ خبر سنکر پہلے تو یہ سوچا کہ وہ دونوں بھی انڈونیشیا چلے جائیں تاکہ محبوبہ سے شادی کا کام آسان ہو جائے پر انکے پاس تو گھونگی یا خضدار تک جانے کے پیسے نہ تھے انڈونیشیا تو بھلا کہاں سے جاتے ؟ پھر دل میں خیال آیا کہ کاش شامی بچے ایلان کی لاش دیکھ کر جس طرح یورپ جاگا ہے تو شاید انڈونیشیا بھی یونہی بغیر ویزے پاسپورٹ کے عاشقان کو سمندر کے راستے اپنے ملک آنے کی اجازت دیدے تو بہت آسانی ہو جائیگی ، پر یہ ان کی خام خیالی ہی تھی۔ خیر جناب ! لگے بیچارے پٹانے اپنی گرل فرینڈ کو کہ شام کو مل لو بازار میں ڈیٹ مارتے ہیں پکڑے گئے تو فری فنڈ میں شادی ہو جائیگی۔ گرل فرینڈ نے پہلے تو کچھ نہ نکر کی ، مگر پھر ایک روز شام کا ٹائم دے دیا اور للو میاں سر شام ہی اپنی محبوبہ کو لینے ان کے در پر جا وارد ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے

محبوبہ کے کتے نے للو میاں استقبال کیا۔ للو میاں نے بہت کوشش کی کہ ہش ہش پش پش کر کے اسے اپنے سے دور ہٹا دیں، پر وہ دور ہٹنے والا نہ تھا اور اس نے للو میاں کی پہلے تو شلوار کھینچ کر پھاڑی پھر قمیض کی باری آئی اسکے بعد آپ خود سمجھ جائیں شلوار قمیض کے بعد جسم پر صرف کھال بچتی ہے، تو پھر اس کھال کی باری تھی۔ راہ چلتے لوگوں نے بمشکل بیچارے للو میاں کو کتے کے نرغے سے بچایا اور پھر وہ روتے دھوتے قسمت کو کوستے گھر آ گئے اور سوچنے لگے کہ کتے سے کیسے انتقام لیا جائے کہ انکا راستہ آسان ہو؟ ایک خیال دل میں یہ بھی آیا کہ اداکارہ ہیرا کی طرح وہ بھی شادی پر شادی خاموشی سے کر لیں تو کیا حرج ہے؟، کون پوچھے گا؟ پر انکا دل نہ مانا کہ ہیرا تو پھر ہیرا ہے نہ ! میرا ہیرا سے کیا مقابلہ ؟۔ کسی کے خیالوں پر کوئی قدغن نہیں کو سامنے رکھتے ہوئے للو میاں کو ایک اور خیال آیا کہ یا ریورپ میں تو لوگ برسوں بغیر شادی کے ایک ساتھ رہ لیتے ہیں تو ہم کیوں نہیں ؟پر پھر خود ہی اس خیال کو چھی چھی کرتے خان صاحب کی طرح ریجیکٹ کر دیا۔

آخر کار للو میاں کو ایک ترکیب سوجھی کہ گوشت میں زہر ملا کر شاپر میں ڈال کر دوبارہ محبوبہ کے گھر پہنچے اور کتے کو گوشت کھلانے میں کامیاب ہو گئے۔ کتے صاحب نے گوشت بڑی خوشی سے نوش فرمایا اور اور اسکے بعد تھوڑی دیر کاں کاں کی اور گلے سے کچھ ممنوعہ قسم کی آوازیں نکال کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تاہم کچھ دیر کتے کی آواز گھر والوں کے کانوں میں نہ پڑنے پر لڑکی کے ابا نے گھر سے باہر نکل کر جو جھانکا تو بڑے پریشان ہوئے کہ کتے کو کون خبیث مار گیا؟ للو میاں نے کشیدہ حالات دیکھے تو وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی اور کسی اور روز کا پروگرام بنا کر وہاں سے پھر رخصت ہو گئے۔

کچھ روز بعد لڑکی کو گھر سے اٹھانے کی ایک اور ترکیب سوجھی اور پہاڑوں کی چوٹی سر کرنے والے کوہ پیماؤں کے جیسا سامان لے کر پھر لڑکی کے گھر پہنچے تو ہر طرف سے گھر کے دروازے بند پائے۔ لڑکی کو فون کیا کہ پچھلی دیوار سے کود آؤ، پر دیوار بہت اونچی تھی اور لڑکی کے ہاتھ پاؤں کی پہنچ سے بہت دور۔ للو میاں چونکہ رسی، کنڈے اور دیگر ساز و سامان سے لیس تھے، فوری طور پر رسی لڑکی کو پکڑائی اور کھینچ کھانچ کر اسے گھر کی دیوار کراس کرانے میں کامیاب ہو گئے اور پہنچ گئے لڑکی کو لیکر اپنے ایک دوست کے گھر اور لگے تسلی دینے کہ بس کل ہم بعد نمازِ مغرب گھر سے روڑ پر نکلیں گے، پولیس والے پکڑیں گے، رشوت لیں گے اور ہم ایک دوجے کے ہو جائیں گے۔

لیں جناب اگلا روز آ گیا اور بعد نماز مغرب للو میاں نکل پڑے لڑکی کو لیکر باہر کہ بس ابھی کوئی پولیس والا آئے گا، پولیس وین میں بٹھائیگا، پکڑ کر لیجائیگا اور شادی کرا دیگا۔ تاہم ابھی عشق کے امتحان باقی تھے۔ بازار میں

نکلتے ہی سب سے پہلے تو ایک ہمسائے سے ہو اٹا کرا اور للو میاں انہیں دیکھتے ہی سٹپٹا سے گئے اور لگے آئیں بائیں شائیں کرنے۔ محلے دار کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ لڑکی دراصل میرے چچا کے بھتیجے کے بیٹے کی بیٹی کی نند کی بھاوج کی بہن کی، چچا کی بھتیجی ہیں اور میں انہیں بازار کی سیر کرا رہا ہوں کہ یہ پنڈ سے آئی ہیں۔ان صاحب کو مطمئن کرکے کچھ آگے چلے تو حقیقی سالے صاحب مل گئے اور لڑکی ساتھ دیکھ کر لگے انکوائری کرنے اور ساتھ میں تڑی بھی لگائی کہ سچ سچ بتاؤ ورنہ گھر جا کر باجی کو بتا دونگا کہ بھائی صاحب لڑکی کے ساتھ بازار میں گھوم رہے تھے۔للو میاں بڑے پریشان ہوئے کہ اب انہیں کیا بہانہ کریں کہ خیریت سے جان چھوٹ جائے۔ خیر! انہیں یہ کہہ کر ٹالا کہ یہ میرے باس کی نئی سیکریٹری ہیں اور انہیں گھر چھوڑنے جا رہا ہوں کہ انہیں راستے میں لڑکے، بچے اور کتے سب مل کر چھیڑتے ہیں۔ سالے صاحب کی تسلی تو نہ ہوئی البتہ جیسے کیسے انہیں آئس کریم کھلا کر رخصت کر ہی دیا۔ مزید آگے چلے تو ایک دوست نظر آ گئے، تاہم للو میاں نے ایک پتلی گلی میں گھس کر اس سے جان بچائی اور لگے تسلی دینے خود کو اور لڑکی کو کہہ بس تھوڑا انتظار اور، پھر ہم ایک دوجے کے ہو جائیں گے۔

تاہم یہ انتظار بہت لمبا ہوتا جا رہا تھا اور انکی قسمت میں شاید ابھی مزید دھکے باقی تھے کہ سر بازار لڑکی کی ایک دوست ٹکرا گئی اور اور لگی

انگوئری کرنے کہہ کہاں گھوم رہی ہو رات کو؟ وغیرہ وغیرہ۔ لڑکی بھی سیانی تھی، للو میاں کو فورا چچا بنا لیا اور کہنے لگی کہ یہ دبئی میں ہوتے ہیں اور میرے لیے گفٹ نہ لا سکے تھے لہٰذا یہ مجھے پاکستان میں شاپنگ کرا رہے ہیں۔ دبئی کا مال سمجھ کر لڑکی کی سہیلی بھی پھسیل گئی اور اور فورا رات کے کھانے کی فرمائش کر دی کہ کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھلواؤ۔ للو میاں بیچارے نے نہ چاہتے ہوئے بھی سب کو ایک اچھے اور مہنگے ہوٹل میں کھانا کھلایا اور پولیس کو کوستے باہر کو نکلے کو ویسے تو یہ پولیس والے کمبخت ہر جگہ پھر رہے ہوتے ہیں پر آج پتہ نہیں کہاں مر گئے کہ ہمیں پکڑنے کا نام ہی نہیں لے رہے کیونکہ للو میاں بیچارے فل موڈ میں تھے کہ آج تو بس شادی ہو کر ہی رہیگی اور آج رات نئی بیگم کے ساتھ گزاریں گے۔ مگر لگتا تھا کہہ شاید یہ انکا صرف خواب ہی تھا کہ ابھی بہت سے امتحان باقی تھے۔

رات بیتی جارہی تھی اور کوئی پولیس والا اس جوڑے کو پکڑنے نہ آ رہا تھا اور دونوں کی مایوسی عروج پر تھی کہ اچانک للو میاں کی محنت اور دعا رنگ لائی اور ایک پولس وین انکے قریب آ کر رکی ہی تھی کہ دونوں جھٹ سے بھاگ کر از خود پولیس وین میں سوار ہو گئے۔ پولیس والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ پہلا جوڑا دیکھا ہے کہ جو اپنی خوشی سے اتنی جلد پولیس کی گاڑی میں سوار ہو رہا ہے۔ خیر جناب ! پولیس والے قریب آئے اور پوچھ گوچھ شروع کر دی کہ کہاں سے کیسے،

کیوں، کیا وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔؟ جب پولیس والوں کو پتہ چلا کہ دونوں شادی کے چکر میں ہیں اور کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو انہیں اٹھا کر پولیس اسٹیشن لے آئے۔ للو میاں بہت خوش ہوئے کہ اب بہت جلد انکی شادی ہو جائیگی او پھر موجا ای موجاں، اور پولیس اسٹیشن پہنچتے ہی پولیس والوں کے ہاتھ پر ہزار کا نوٹ رکھ کر بولے کہ میاں اب جلدی سے قاضی کو بلا کر ہماری شادی کا بندوبست کر دو۔ پولیس والے ہزار کا نوٹ لیکر بہت خوش ہوئے اور بولے کہ میاں ہم تمہاری شادی پہلے مولا بخش سے کریں گے اور پھر مولا بخش منگا کر للو میاں کی دھنائی شروع کر دی۔ للو میاں نے بہت آئیں بائیں شائیں کی کہ میاں میری ہونے والی جوروکے سامنے تومت مارو، پر ان کمبختوں نے ایک نہ سنی اور للو میاں کو ادھ موا کرکے حوالات میں ڈال دیا اور گھر والوں کا اتا پتا پوچھنے لگے جو کہ للو میاں اور لڑکی نے جلدی جلدی بخوشی دے دیے کہ شاید گواہان کے طور پر گھر والوں کو بلا رہے ہونگے اور نکاح نامے پر دستخط کرنے ہونگے۔

کچھ ہی دیر میں لڑکی کے ابا اور للو میاں کے گھر والے بمعہ گھر والی تھانے میں موجود تھے جنہیں دیکھ کر للو میاں شرم سے پانی پانی تو ہوئے پر حوصلہ رکھا کہ شاید پولیس والوں کے سامنے انہیں کوئی کچھ نہ کہے گا اور شادی ہنسی خوشی انجام پا جائیگی۔ تاہم یہ انکی صرف خام خیالی تھی۔ پولیس والوں

نے للو میاں اور چھوکری سے سنی گئی تمام کہانی انکے رشتے داروں کے گوش گذار کی تو سب بہت حیران ہوئے کہ للو میاں نے شادی کرنے کا یہ کونسا طریقہ نکالا؟۔ بیگم للو میاں جو کہ غصے میں تپی کھڑی تھیں، اس نے پولیس والوں سے ڈنڈا لیکر وہیں للو میاں کی دھنائی شروع کردی جسے کہ پولیس والوں نے خوب انجوائے کیا کہ پولیس والوں کا کام انکی بیگم خود ہی کرنے لگی تھی۔ للو میاں نے پولیس والوں کی بہت منتیں کیں کہ اسے اس مصیبت سے نجات دلائی جائے، پر وہ عورت اس وقت غصے میں دس مردوں پر بھاری تھی اور جب تلک تھک نہ گئی چھترول کرتی ہی رہی۔

پھر جب تمام رشتہ داروں کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو سب لوگ للو میاں اور انکی محبوبہ کے اس بھولپن اور سادگی پر بہت ہنسے اور انہیں سمجھایا کہ میاں یہ قانون پاکستان میں نہیں انڈونیشیا کے ایک قصبے میں لاگو ہوا ہے۔یوں پھر یہ ڈرامہ علی الصبح کے قریب اپنے اختتام کو پہنچا اور سب لوگ اپنے اپنے متعلقہ لوگوں کو لیکر، ہنستے روتے اور پولیس والوں کو کچھ دے دلا کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ تو ذرا ہوشیار، خبردار۔ آپ بھی ایسی کوئی کوشش کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا!۔ سمجھے۔ کیونکہ یہ انڈونیشیا نہیں پاکستان ہے میرے بھائی!۔

آخر میں پھر وہی نصیحت کہ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں کہ ہنسنا ہی زندگی ہے۔اس ناچیز کو
اپنی روزمرہ دعاؤں میں یاد رکھیں اور ساتھ ساتھ اپنے کمینٹس بذریعہ بلاگ،ای
میل اور فون ضرور دیں،جو کہ مزید بہتر لکھنے میں میرے معاون ثابت ہوتے ہیں۔